12

مجموعہ تحاریر

زندگی بدل دینے والی نایاب تحریریں

ابو عبداللہ

زندگی بدل دینے والی انمول تحریریں

(۱۲)

مجموعہ تحاریر

ابوعبداللہ

جملہ حقوق بحق مولف محفوظ ہیں

نام کتابچہ: مجموعہ تحاریر

تالیف: ابوعبداللہ

اشاعت اول: 2019، (۱۴۴۰ھ)

نوٹ

(۱)۔ دیانتداری سے کوشش تو پوری کی گئی ہے کہ سچائی کو واضح کیا جائے۔لیکن انسانی کاوش خطا سے پاک نہیں۔اسلئے اگر کہیں کوئی خطا ہوئی ہوگی تو وہ دانستہ نہیں، بلکہ سہواً ہی ہوئی ہوگی۔لہٰذا اگر کہیں کوئی کمی بیشی نظر آئے، کوئی بات قرآن وسنت سے عدم مطابقت پر نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں ہم آپ کے بے حد ممنون ہوں گے۔اگر واقعتاً ایسا ہی ہوا تو انشاء اللہ ہم فوراً رجوع کریں گے۔اللہ ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔(آمین)

(۲)۔صالحین کا ادب واحترام ہم پر لازم ہے اور بالخصوص انبیاء علیہم السلام کی عزت وتوقیر ایمان کی شرط ہے۔لہٰذا تصانیف میں ہم نے الفاظ کے چناؤ میں ہر ممکن ادب واحترام (Ethics) کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔لیکن شوشل میڈیا پر موجود مواد کو آسانی سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔لہٰذا اس ضمن میں ہمارے اس مواد میں کوئی بے ادبی پر مبنی قابل اعتراض الفاظ نظر آئیں، تو وہ یقیناً کسی نے ہماری تحریر میں تحریف کی ہوگی۔لہٰذا اس صورت حال میں ہم سے تصدیق کرنا ضروری ہے۔

☆ چونکہ اس مسودہ کی پروف ریڈنگ ابھی پوری طرح سے نہیں ہوسکی، لہٰذا الفاظی غلطیوں کیلئے پیشگی معذرت۔

انتساب

اُن سچی ہدایت کے طالبین کے نام جو حقیقی ہدایت کے متلاشی ہیں

فہرست

کتاب نہیں کتابیں!.....6

(۱)۔عمل کی راہ میں حائل رکاوٹیں.....7

(۲)۔دنیاوآخرت.....14

(۳)۔کلمہ طیبہ کامعنی ومفہوم.....26

(۴)۔تلاوت کامعنی ومفہوم.....35

(۵)۔نماز.....41

(۶)۔فریضہ نماز باجماعت.....50

(۷)۔تقویٰ.....59

(۸)۔انفاق فی سبیل اللہ.....64

(۹)۔موت(ناقابل فراموش حقائق)!.....72

(۱۰)۔اخلاص.....81

(۱۱)۔فریضہ دعوت دین.....87

(۱۲)۔اللہ کے قرب کاحصول.....96

(۱۳)۔پورااسلام.....104

(۱۴)۔آزادی ونجات(Vaccination).....113

(۱۵)۔عظیم ترین دولت(قانون طمانیت ورحمت).....116

(۱۶)۔امتحان تو ہوگا(قانون ابتلا،حصہ اول).....126

(۱۷)۔دکھوں کامرہم(قانون ابتلا،حصہ دوم).....132

(۱۸)۔واحد پناہ گاہ.....143

(۱۹)۔اللہ کایقین.....150

(۲۰)۔نفس وشیطان.....160

(۲۱)۔تبدیلی کے لوازم 169

(۲۲)۔علم وکرامت.....177

(۲۳)۔فرقہ واریت(حصہ اول).....186

(۲۴)۔فرقہ واریت (حصہ دوم).....196
(۲۵)۔مختلف مکاتب فکر (ایک جائزہ).....203
(۲۶)۔سنت کا معنی ومفہوم.....211
(۲۷)۔جلدی کیجئے.....221
(۲۸)۔رمضان المبارک (ایک عظیم تحفہ).....229
(۲۹)۔معاشرتی ذمہ داریاں.....237
(۳۰)۔مہلت کی قدر/ہر دن کے اہداف.....242
(۳۱)۔حفظان صحت کے اصول.....245
☆ جلدی کیجیے!.....247
☆ حق کی کاوش میں بطور نمونہ چند علماء حضرات سے استفادہ کی لسٹ.....248
☆ حق کی کاوش میں بطور نمونہ چند مشہور تصانیف سے استفادہ کی لسٹ.....249
☆ ہماری اہم تحاریر 250
☆ ہماری دعوت.....351

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدالانبياء

والمرسلين و على آله وصحبه اجمعين اما بعد!

کتاب نہیں کتابیں!

جی ہاں آپکے ہاتھ میں بظاہر تو ایک کتاب ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک کتاب نہیں بلکہ بہت ساری (یعنی ۳۱) کتابوں کا مجموعہ ہے۔موجودہ مادی ترقی کی دوڑ میں مادیت کے فتنہ نے ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔دنیوی مشاغل ومصروفیات اوران گنت مادی اشیاء نے انسان کا سارا وقت چھین لیا ہے۔اب انسان کے پاس دین کی تفصیل کیلئے بھاری بھرکم کتابیں پڑھنے کا وقت نہیں رہا۔

ان حالات میں آپکی آسانی کیلئے، پورے دین پر مشتمل مختلف انتہائی اہم موضوعات پر پوری پوری کتابوں کے ساتھ ساتھ جامع اورٹھوس دلائل پرمبنی درج ذیل خصوصیات پر مشتمل انتہائی مختصر تحاریر مرتب کی گئی ہیں:

(۱) فرقوں اور مسالک کی بجائے اسلام کی بالاتری، (۲) سچائی اور دیانتداری کا دامن تھامتے ہوئے، (۳) قرآن وسنت کے پختہ دلائل اور پورے حوالہ جات، (۴) انتہاء پسندی کی بجائے اعتدال کے ساتھ، (۵) فروعات کی بجائے بنیادی واصولی چیزوں کی ترجیح، (۶) سلف، آئمہ، بزرگانِ دین کے فہم سے استفادہ، (۷) عزت واحترام اور اخلاقی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے، (۸) اہل اسلام کے اتحاد ویکجہتی کیلئے، (۹) مختصر، عام فہم، عامی لوگوں کی سطح پر

اب یہ چوالیس (۴۴) موضوعات چوالیس کتابوں کی بجائے صرف ایک کتاب کی شکل میں آپ کے پاس موجود ہیں۔لہٰذا ان سے بھرپور استفادہ کریں اور دوسرے ساتھیوں تک پہنچا کر ان کا بھلا کر کے کر دنیا و آخرت کی سعادتیں حاصل کریں۔اللہ ہمیں اسکی بھرپور توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

۞۞۞۞۞

1۔عمل کی راہ میں حائل رکاوٹیں

انسان ہمیشہ کی زندگی یعنی’آخرت‘ کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔دنیا دارالآزمائش اور دارالمحنت ہے،قلیل مدت کیلئے اسے یہاں بھیجا گیا ہے تا پرکھ کر لی جائے کہ کون آخرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے دنیا کو دین کے تابع کر کے، ہمیشہ کی راحتوں کیلئے محنت کر کے آتا ہے اور کون چند روزہ حقیر فائدوں کی خاطر اپنے رب کو بھلا کر اپنے کھلے دشمن ابلیس کی مانتا ہے۔ہمیشہ کی راحتیں صرف اسی کو نصیب ہوں گی جو یہاں محنت کرے گا،ایمان و اخلاق کو بنائے گا،اعمالِ صالحہ سے اپنے وجود کو مرسم کرے گا،جیسا کہ پروردگار نے جگہ جگہ اپنے قانون کو واضح کیا:

﴿وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾(البقرہ:25)

’’اور بشارت دے دو ان لوگوں کو ایمان لائے اور نیک اعمال اختیار کئے کہ ان کیلئے ہیں باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی‘‘

انسان کو جنت کی عظیم نعمتیں نوازنے کے بعد اسے کہا جائے گا:

﴿اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْیُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝﴾(الدھر:22)

’’بلاشبہ یہ ہے بدلہ تمھارے(ہی اعمال کا)اور تمھاری کاوش قابل قدر ہوئی‘‘

لیکن مسلمانوں کی اکثریت کا حال تو یہ ہے کہ انہوں نے جتنا دین و مذہب اپنے پیدائشی ماحول سے لیا ہے اسی پر اکتفا کرتے ہوئے دنیا کی فکر میں لگے ہوئے ہیں جبکہ مقصد حیات سے غافل رہتے ہوئے دنیاوی دوڑ دھوپ میں ہی انکی زندگی اختتام پذیر ہوتی جا رہی ہے۔وہ لوگ جنہیں آخرت کی فکر لاحق ہوتی ہے ان میں سے بھی بہت کم ایسے ہیں جو **خیال سے عمل** تک پہنچتے ہیں۔اکثریت فکر و سوچ اور ارادوں تک ہی اٹکی رہتی ہے۔دنیوی دھوکے کی لپیٹ میں انکے الجھاؤ کی کیفیت کچھ یوں ہوتی ہے:

’’غفلت پر انکا ضمیر انہیں ملامت کرتا ہے،ایسا انسان ارادہ کرتا ہے کہ میں نے زندگی تبدیل کرنی ہے،بس آج کل بہت مصروف ہوں،میٹرک کا امتحان دے لوں پھر تسلی سے دین کو وقت دوں گا، امتحان کے بعد نفس و شیطان آرام و سکون کا تقاضا کرتا ہے،کچھ وقت گزرتا ہے تو ایف ایس کی فکر

لاحق ہو جاتی ہے، اسکے اگلی کلاسیں اور انکے امتحانات..... کبھی چھوٹے دن عمل کے آڑے آجاتے ہیں تو کبھی چھوٹی راتیں۔ تعلیم سے فراغت پر نوکری کی فکر..... وہ کہتا ہے کہ بس نوکری مل جائے پھر اللہ کو وقت دوں گا۔ ملازمت ملنے پر وہ خیال کرتا ہے کہ اب تو میرے پاس وقت ہی نہیں رہا، اب یا تو ملازمت ہوسکتی ہے یا اللہ کو وقت دیا جاسکتا ہے۔ اسکے بعد شادی اور بچے اسکا بچا کھچا وقت بھی چھین لیتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے بچوں کی تعلیم اور شادیوں سے فارغ ہو کر کچھ کروں گا، یوں ہر آنے والا دن مصروفیات میں اضافے کا باعث ہی بنتا جاتا ہے..... بالآخر اجل آتی ہے اور اسکی تمام مصروفیات اور ارادوں کا خاتمہ کر دیتی ہے اور وہ حقیقی مقصد کے لئے بھرپور کوشش کئے بغیر ہی ناکام و نامراد ہی یہاں سے رخصت ہو جاتا ہے۔''

☆ ان میں سے بھی کئی میٹرک، ایف ایس سی وغیرہ کے دوران ہی فوت ہو جاتے ہیں۔

اسکا حل؟

اگر آپ اس دنیوی فریب سے نجات چاہتے ہیں تو اسکا حل یہ ہے:

(1)۔ <u>کل کے دھوکے سے بچنا</u>: صرف وہ کام ہوسکتا ہے جسے آپ نے آج کر لیا، لہٰذا جس کام کو آپ واقعتاً کرنا چاہتے ہیں اسے کبھی کل پر نہ ڈالیں بلکہ سب رکاوٹوں کو دور کر کے فوراً آج ہی اسے شروع کر دیں، ورنہ یہ کل شاید موت تک نہ آسکے۔ کل کے فریب سے بچنا دو وجہ سے ضروری ہے: (۱) کل کا فریب موت تک پہنچا کے چھوڑتا ہے۔ (۲) اللہ کے روبرو پیش ہو کر آپ نے بلوغت سے موت تک ہر دن کا حساب دینا ہے، اسلئے ہر دن کا کام اسی دن کرنا ضروری ہے۔ ہر دن کے عوض جو کر سکتے ہیں وہ کریں، یہ مت سوچیں کہ میں نے فلاں کام ختم کرنا ہے، تھوڑے سے وقت میں کیسے ختم ہوگا، بلکہ یہ سوچیں کہ آپ نے آج کے دن کے عوض اپنا فرض ادا کرتے ہوئے اپنے ضمیر کو مطمئن کرنا ہے نہ کہ اس کل کے فریب میں مبتلا ہو کر آج کے فائدے سے بھی محروم ہونا ہے جو ابھی نصیب ہی نہیں ہوا۔ ہمارا اصل راس المال وقت ہے جو ہر سیکنڈ کے ساتھ ماضی میں تحلیل ہوتا جا رہا ہے۔ زندگی برف کی طرح پگھل کر بڑی تیزی سے ختم ہوتی جا رہی ہے۔ برف کے ختم ہونے سے پہلے پہلے اسے بیچنے کی فکر کریں گے تو سرمایہ حاصل ہوگا۔

کل کے فریب سے بچ جائیں کیونکہ اگر کل نصیب ہو بھی گیا تو آپ بالضرور اس سے اگلے کل کے دھوکے

میں مبتلا ہو جائیں گے..... پھر یہ سلسلہ موت پر ہی ختم ہوگا۔آج سے معمول میں دین کو نہ لانے بلکہ کل پر ڈالنے کا صاف مطلب یہی ہے کہ ہم عمل پر آنا ہی نہیں چاہتے بلکہ خود فریبی میں مبتلا ہونا چاہتے ہیں۔اللہ ہمیں وقت کے دنیوی دھوکے سے بچا کر آج عمل کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

(2)۔ <u>برے وقت اور موت کی یاد دہانی:</u> یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اچانک حادثات، مہلک بیماریاں اور موت بغیر بتلائے کسی وقت بھی رونما ہو کر آپکا وقت اور صلاحیتیں چھین سکتے ہیں، انکے فریب سے بچیں اور اخروی کامیابی کا پختہ عزم کریں۔

(3)۔ <u>زندگی کا معمول بنالیں:</u> انسان استقامت سے صرف وہ کام کر سکتا ہے جو اسکے شب و روز (Daily Life) کے معمول (Routene) کا حصہ بن جائے۔جسطرح دو یا تین وقت کا کھانا، سکول یا دفتر، دنیوی مشاغل، آرام وسکون ہمارے شب و روز کا حصہ ہیں۔ہر دن کے عوض ہم انکے لئے وقت نکالتے ہیں، کبھی کوئی مصروفیت آڑے آ بھی جائے پھر بھی کھانے کیلئے وقت ضرور نکالتے ہیں..... آج کے کھانے کو کل پر نہیں ڈالتے۔اگر آپ واقعتاً اللہ کیلئے سنجیدہ ہیں تو پھر اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کیلئے آج ہی اپنے دینی اور دنیاوی کاموں کی لسٹ بنائیں اور جس دینی کام کو کرنا چاہتے ہوں اسے <u>روزانہ کے معمول</u> میں وقت کے تعین کے ساتھ شامل کر دیں۔روزانہ کے معمول کے ساتھ ساتھ ہفتہ وار معمول میں بھی کچھ چیزیں شامل کر لیں۔محسن انسانیت ﷺ نے کامیابی کی راہ کو یوں واضح فرمایا:

((**احب الاعمال الی اللہ ادومھا وان قل**))(متفق علیہ)

''اللہ تعالیٰ کو وہ عمل سب سے زیادہ محبوب ہے جس پر ہمیشگی اختیار کی جائے ہو خواہ وہ عمل قلیل ہی ہو۔''

لوازمِ توفیق

قرآن وسنت پر غور وفکر اور تجربہ ومشاہدہ سے یہ بات عیاں ہوئی ہے کہ مقصد تخلیق پر کما حقہ آنے، اعمال کی توفیق ملنے اور اس پر کاربند رہنے کیلئے درج ذیل باتوں کو زندگی میں لانا انتہائی ضروری ہے۔یہ چیزیں ہماری زندگی میں جس قدر زیادہ ہوں گی انشاءاللہ اسی قدر اعمال کی توفیق زیادہ ملے گی:

(ا)۔فیصلہ: کام صرف وہی ہو سکتا ہے جسکا فیصلہ کر لیا جائے، جب تک فیصلہ نہ کریں گے سفر شروع نہ

ہوگا۔اگر بات سمجھ آ گئی ہے تو فوراً فیصلہ کرلیں' دنیا کی بجائے آخرت کو زندگی کا مقصد بنانے کا'، انشاء اللہ منزل کی طرف سفر کا آغاز ہو جائے گا۔

(۲)۔قربانی وکاوش: اللہ کو پانے کیلئے جد وجہد اور قربانی لازمی شرط ہے، بغیر قربانی اللہ کا قرب نصیب ہو جائے یہ ممکن نہیں۔بغیر قربانی دعویٰ محبت جھوٹا ہے، قربانی جس قدر زیادہ ہوگی اعمال کی توفیق اور اللہ کا قرب بھی اسی قدر زیادہ نصیب ہوگا۔دنیا میں انسان کی آزمائش ہی قربانی سے ہے، اگر اللہ کیلئے کاوش وقربانی کیلئے دل آمادہ نہیں تو سمجھ لیں ایمان میں خرابی ہے۔اگر حقیقی ایمان نصیب ہو گیا تو آپ اللہ کیلئے بے چین ہو جائیں گے، بغیر قربانی نہیں رہ سکیں گے، اللہ کیلئے خرچ کرنے کا شوق وجذبہ اُمڈ آئے گا۔قربانی پانچ چیزوں میں ہے یعنی: خواہشات، جان، مال، وقت اور صلاحیت۔شوق وجذبہ اور فراخدلی سے اللہ کی راہ میں ان پانچوں نعمتوں سے خرچ کریں اس سے پہلے کہ موت آئے اور سب کچھ لے جائے۔

(۳)۔صحبت: وہ چیز جو ہمیں غفلت کی دلدل سے نکال کر عمل کی پٹڑی پر چڑھا سکتی ہے وہ اچھی صحبت اختیار کرنا اور بری صحبت سے بچنا ہے۔یہ اللہ کی سنت ہے جسکے ذریعے اس نے نسل انسانی کو نوازتے ہوئے اپنے برگزیدہ انبیاء ورسل علیہم السلام بھیجے۔جن کی پاک صحبت سے لوگوں کا تزکیہ ہوا۔انسانی ذہن کو ایسا بنایا گیا ہے کہ وہ بھول جاتا ہے، اسے بار بار یاد دہانی کی ضرورت ہے۔اسلئے بغیر اچھی صحبت کو برقرار رکھے عمل پر آنا ممکن نہیں۔اسلئے اچھے لوگوں، اچھی کتابوں، بالخصوص قرآن مجید، مساجد اور ہسپتالوں کی زیادہ سے زیادہ صحبت اختیار کرنا اور بری صحبت سے ہر ممکن اجتناب کرنا ناگزیر ہے۔معمول پر آنے کیلئے کسی باقاعدہ پروگرام، کورس یا دروس وغیرہ میں شمولیت اختیار کر لینی چاہئے۔

(۴)۔گناہ سے گریز: گناہ کی موجودگی عمل کی طرف رغبت میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔اول تو گناہ کے ہوتے ہوئے اعمال کی کما حقہ توفیق ہی نہیں ملتی اور اگر بالفرض مل بھی جائے تو خشوع و خضوع، استقامت اور قبولیت نہیں ملتی۔یہ ایسے ہی ہے جیسے صاف پانی کے تالاب میں گندہ پانی بھی داخل ہو رہا ہو۔ظاہر ہے یہ سارے پانی کو آلودہ کر دے گا۔اسلئے گناہ سے ہر ممکن بچنا انتہائی ضروری ہے۔

اور اعمال کی قبولیت کیلئے درج ذیل دو شرائط کا پورا کرنا ضروری ہے:

(۱)۔اخلاص: یعنی اعمال بجالانے کا مقصد اللہ کی رضا یا آخرت ہو۔اگر دین کیلئے محنت کا مقصد اسکے سوا کچھ اور جیسے: دولت، عزت، شہرت، پسندیدہ فرقے کی بالادستی، دوسروں پر برتری کا حصول ہے تو اللہ کے ہاں کسی عمل کا کوئی وزن نہ ہوگا۔

(۲)۔راسخ علم: قرآن وسنت کا پختہ علم ناگزیر ہے، اس روشنی کے بغیر کبھی بھی اندھیرے دور نہیں ہو سکتے۔

اور یہ سارے خیر کے حصول کیلئے جو چیز اکسیر کا درجہ رکھتی ہے وہ ''موت کی یاد'' ہے:

''موت کا خیال، اسکی یاد اور اسکا یقین وہ عظیم نعمت ہے جو سب غفلتوں کو دور کرتے ہوئے منزل کی طرف رواں دواں کر دیتی ہے، سوئے ہوؤں کو جگا دیتی ہے، موت اور آخرت کی یاددہانی کا اصل منبع قرآن حکیم ہے جو تریاق کی حیثیت رکھتا، خوش نصیب ہیں وہ جنہیں مرنے سے پہلے موت کی یاد نصیب ہو جائے۔''

اور ان سب چیزوں کے اوپر ''دعا'' ہے:

''مسلسل اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیے، ہم ناقص وکمزور ہیں، صرف وہی کام ہوسکتا ہے جسکی توفیق اللہ سے ملے، اسلئے اللہ کے ہاں منظوری کیلئے اسی سے فریاد کرنا ضروری ہے۔اگر اس نے ہمیں دین کیلئے قبول کرلیا تو پھر سب رکاوٹیں دور ہو جائیں گی۔''

مذکورہ لوازم میں سے ایک چیز بھی نکل جائے تو انسان عمل یا حقیقی نجات سے محروم ہوسکتا ہے۔ان باتوں کے حوالے سے ہمیں اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہئے۔جیسے جیسے ہم ان چیزوں کے تناسب (Percentage) میں اضافہ کرتے جائیں گے انشاء اللہ اعمال کی توفیق اور قبولیت میں اسی قدر اضافہ ہوتا چلا جائے گا، پیارے رسول ﷺ کے اسوہ کو اپنانے، مقصد تخلیق پر آنے اور قرب الٰہی کا حصول ہو جائے گا۔یہ توفیق انہیں خوش نصیبوں کے حصے آئے گی جو صبر کی راہ اپنائیں گے، دنیا کو دارالمحنت، آخرت کو دارالجزاء سمجھتے ہوئے آخرت کو پہلی ترجیح جبکہ دنیا کو دوسری ترجیح پر رکھیں گے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس عظیم خوش نصیبی سے بہرہ مند فرمائے۔(آمین)

کم از کم کیا کرنا چاہیئے....؟

(1)۔ مکمل تقویٰ اختیار کرلیں، ہر وہ کام جو فرض و واجب ہے اس میں ہرگز کوتاہی نہ کریں، ہر وہ فعل جس پر گناہ کا اطلاق ہوتا ہو، اس سے مکمل اجتناب کریں۔ صرف جائز و حلال تک محدود رہیں، دنیا کا بڑے سے بڑا فائدہ جو آخرت میں نقصان کا باعث ہو اسے لینے سے پیچھے ہٹ جائیں۔ بلکہ ایسے فائدوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔

(2)۔ مکمل دین: حقوق اللہ اور حقوق العباد بشمول عقائد و نظریات، عبادات، اخلاقیات و معاملات، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اختیار کریں۔

(3)۔ اگر دنیوی مصروفیت ہے تو پھر بھی ہر دن کے عوض کم از کم ایک آدھ گھنٹہ دین کی سمجھ بوجھ کی خاطر مطالعہ کیلئے ضرور وقف کردیں۔ جسکا آدھا گھنٹہ قرآن فہمی اور باقی دیگر دینی کتب کے مطالعہ پر ضروری مسائل و احکام سے آگہی کیلئے۔

مثال کے طور پر: اگر آپ روزانہ قرآن مجید کا ایک رکوع یا ایک صفحہ سمجھنا شروع کردیں تو تقریباً ڈیڑھ سے دو سال میں قرآن پورا ہو جائے گا۔ لیکن بغیر معمول کبھی زیادہ کبھی کم، کبھی ناغہ سے ہوسکتا ہے کئی سال بلکہ زندگی میں ایک دفعہ بھی تکمیل کی نوبت نہ آسکے۔

<u>دیگر معمولات</u>: اس کے علاوہ مزید ترقی کیلئے:

(۱)۔ چھٹی کا آدھا وقت دنیا کو اور آدھا اللہ کو دیں،

(۲)۔ نماز کا اہتمام تکبیر اولیٰ سے اور ہر نماز کے بعد کچھ وقت اذکار و مراقبہ کیلئے،

(۳)۔ ہفتہ میں کم از کم ایک روزہ یا مہینے میں ایام بیض کے تین روزے،

(۴)۔ نماز اشراق اور تہجد کے اہتمام کی بھرپور کوشش،

(۵)۔ عبادات کے ساتھ ساتھ اخلاقیات و معاملات کا بھی خاص خیال رکھیں،

(۶)۔ آخرت کی یاددہانی کیلئے ہفتے میں ایک دن قبرستان جائیں۔

مال خرچ کرنے کا نسخہ

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا نسخہ یہ ہے:

''حسب توفیق اپنی آمدن یا تنخواہ کا ماہوار کچھ حصہ اللہ کیلئے مختص کر دیں، تنخواہ ملتے ہی سب سے پہلے اسے الگ کر دیں۔ تنخواہ کے علاوہ جب کبھی کوئی زائد رقم ہاتھ لگے، خوشی کے ساتھ حسب توفیق کچھ حصہ نکال دیا جائے۔''

اس سے پہلے کہ!

اس سے پہلے کہ ہمارے اعضاء ساتھ چھوڑ جائیں، ہماری صلاحیتیں ماند پڑ جائیں، سماعت و بصارت کام کرنا چھوڑ دے، کوئی بیماری یا حادثہ ان نعمتوں کو چھین لے اور ہم بے بس ہو کر رہ جائیں، پھر افسوس کریں کہ کاش میں اللہ کے راستے کا انتخاب کر لیتا یا اچانک موت ہمارا قصہ تمام کر دے۔ عقلمند وہ ہوتا ہے جو وقت پر فیصلہ کرے۔ فیصلہ اس وقت کریں جب اللہ کی عطا کردہ سب نعمتیں آپ کے پاس موجود ہیں جس وقت کے کئے ہوئے فیصلے کی رب کے ہاں قدر ہے۔ بوڑھا ہو کر تو شیر بھی کچھار میں بیٹھ جاتا ہے۔ انسان کو اس دھوکے سے باخبر کرنے کیلئے محسن انسانیت ﷺ نے نہایت واضح انداز میں اس حجاب سے یوں پردہ اٹھایا:

''پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو: (۱) اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے سے پہلے، (۲) اپنی صحت کو اپنی بیماری سے پہلے، (۳) اپنے مال دار ہونے کو اپنی محتاجی سے پہلے، (۴) اپنی فراغت کو اپنی مصروفیت سے پہلے اور (۵) اپنی زندگی کو اپنی موت سے پہلے۔'' (مشکوٰۃ، کتاب الرقاق)

اگر ہم اس عظیم نصیحت پر عمل پیرا ہو جائیں تو عظیم کامیابی کو پا لیں۔

آئیں یہ چند روزہ ختم ہو جانے والی زندگی، ایمان اور اعمال کی محنت میں گزار لا فانی عیش کی زندگی حاصل کر لیں۔

2۔ دنیاوآخرت

(ناقابل فراموش حقائق)

عالمِ ارواح میں اپنا وقت پورا کر کے ہم بہت بڑے مقصد کے تحت عالمِ دنیا میں پہنچ چکے ہیں۔اکثریت یہاں تخلیق کیے جانے کے مقصد سے غافل محض دنیا کیلئے جی رہی ہے، حالانکہ ہماری منزل آخرت ہے۔عالمِ دنیا چونکہ منزل نہیں بلکہ امتحانی وقفہ ہے اسلئے یہاں ہمارا قیام سب سے قلیل ہے،لیکن افسوس کہ انسان اپنے وطن اصلی کو بھول کر دنیا کو ہی منزل سمجھ بیٹھا ہے۔اس امتحان کا نتیجہ آخرت میں ہمیشہ کے عیش یا ہمیشہ کے عذاب کی صورت میں نکلنے والا ہے۔آپ کے بھلے کیلئے اس ضمن میں چند ناقابل فراموش حقائق پیش خدمت ہیں جلد از جلد آگاہی حاصل کر لیجئے:

ترکِ دنیا مقصود نہیں

آخرت کی اہمیت کو اجاگر کرنے کیلئے عام طور پر دنیا کو ترک کرنے کی بات کی جاتی ہے،حالانکہ دین اسکا متقاضی نہیں۔تطبیق کے ساتھ قرآن وسنت کے دلائل پر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ:

''اخروی فلاح کو زندگی کا مقصد بناتے ہوئے حلال وحرام کی تمیز کے ساتھ دنیا کو دینی احکامات کے تابع بسر کرنے کا تقاضا ہے۔ہر وہ چیز جو ناجائز ہو، ہر وہ کام جس پر اللہ ناراض ہو اور جس پر گناہ کا اطلاق ہو اسے زندگی سے نکالنا ہے۔فرائض و واجبات کی اولین ترجیح کے ساتھ پاسداری کرنا، عبادات کا اہتمام اور اخلاقیات و معاملات میں اسلامی احکامات کو ملحوظ رکھنا مقصود ہے۔فلاح کو پانے کیلئے: دین کا ضروری علم حاصل کرنا،اس پر خود عمل کرنا اور حسب توفیق دوسروں تک پہنچانے کی کاوش کرنا ناگزیر ہے۔مذکورہ اہداف کے حصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے دنیا کا جائز حصول (جائز خواہشات کی تکمیل، کاروبار، تجارت، محنت مزدوری، ملکی تعمیر و ترقی، جائز سیر وتفریح، کھیل کود، اچھی صحت، کھانا پینا.....) باعث خیر بن جاتا ہے۔دنیا میں اللہ کی عطا کردہ نعمتوں (صحت وتندرستی، تعلیم، عقل و ذہانت، نیک اولاد، مال ودولت) سے منہ موڑنے کی بجائے انہیں اللہ کیلئے صرف کرنا اصل خوش نصیبی ہے۔دنیا کا دینی احکامات کی

بجا آوری میں رکاوٹ بننا اصل تباہی ہے جس سے بچنے کا تقاضا کیا گیا ہے۔''

یاد رکھیں دنیا پرستی (خواہشات کا دینی احکامات کی بجا آوری میں رکاوٹ بننے) کا جادو اتنا طاقتور ہے کہ انسانیت کو بہا لے گیا ہے۔اسی لئے پروردگار نے دنیا پرستی پر بہت سخت تنبیہات نازل فرمائی ہیں تا کہ انسانیت ابدی خسارے سے بچ سکے۔اس طاقتور جادو سے بچنے کیلئے اس تحریر میں چند ضروری حقائق واضح کئے جا رہے ہیں، جنہیں جلد از جلد ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے:

<u>دنیا امتحان گاہ:</u> دنیا کے سحر سے نجات کیلئے پہلی حقیقت جسے دل میں بٹھانے کی ضرورت ہے وہ یہی ہے کہ یہ دنیا امتحان گاہ ہے۔ہم کمرہ امتحان میں ہیں، مختلف حالات وواقعات کے ذریعے ہمیں آزمایا جا رہا ہے کہ کون اچھے اعمال پر کاربند رہتا ہے:

﴿ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾(الملک:2:67)

''وہ ہستی جس نے موت وحیات کا سلسلہ جاری کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے اعمال کرتا ہے۔''

نتیجے کے دن کیلئے ہماری ہر سوچ اور ہر حرکت کو ریکارڈ کیا جا رہا ہے:

﴿اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ oمَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌo﴾(ق:50:17-18)

''جب (انسان کوئی کام کرتا ہے تو) دو لکھنے والے (فرشتے) جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں لکھ لیتے ہیں۔انسان منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر ایک نگہبان اسکے پاس (لکھنے کیلئے) تیار رہتا ہے۔''

دنیا کے دار لامتحان اور دار لآزمائش ہونے کا تصور (جو کہ یقینی اور حقیقی ہے) اگر من میں جگہ پکڑ جائے تو زندگی کی ترجیحات لازماً بدل جائیں، غفلت دور ہو جائے اور آنکھیں کھل جائیں۔ان حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے محض دنیا کا رسیا بن جانا کیا عقلمندی ہے.....؟

<u>ہر چیز سامنے:</u> بروز قیامت ہمارا کیا کرایا سب کچھ سامنے آجائے گا، اس دن انسان کو یقین آجائے گا اور پھر وہ پچھتائے گا:

﴿وَ وُضِعَ الْکِتٰبُ فَتَرَی الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْہِ وَ یَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ ھٰذَا

الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًاo ﴾(الکھف:49:18)

''اور (عملوں کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی تو تم گنہگاروں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہوگا اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے ہائے شامت یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ کسی چھوٹی بات کو چھوڑا اور نہ بڑی کو مگر اسے لکھ رکھا ہے اور تمھارا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔''

کیا آج جاگنے وطن اصلی یعنی آخرت کو ترجیح اول بنانے کی ضرورت نہیں.....؟

<u>دنیوی سحر:</u> دنیا کی زیب وزینت انسان کے من پر جادو کی طرح اثر کرتی ہے، یہ جادو انسان پر دنیوی زیب وزینت اور شیطان کے ذریعے ہوتا ہے۔ دنیا کی چندروزہ عارضی ٹیپ ٹاپ سے تو انسان کی آزمائش کی گئی ہے کون جلد بازی اختیار کرتے ہوئے صرف اسی کا ہو جاتا ہے اور کون صبر اختیار کرتے ہوئے ہمیشہ کی زندگی کی خاطر عارضی دنیا کے جادو سے نجات پاتا (یعنی دنیا کو دینی احکامات کے تابع بسر کرتا) ہے۔ دنیا پرستی (یعنی دینی احکامات کو پیش نظر رکھے بغیر خواہشات کا رسیا بن جانے کے) سحر سے نجات کیلئے خالق کائنات نے انسان کو پہلے ہی متنبہ کر دیا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِىْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُo﴾(لقمان:۔۔۔۔:33)

''اے لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے خوف کرو جس دن باپ بیٹے کو کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کا ذرا سا بھی نفع کرنے والا ہوگا، یاد رکھو اللہ کا وعدہ سچا ہے دیکھو کہیں تمہیں دنیا کی زندگانی دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ دھوکے باز شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکے میں ڈال دے۔''

جن کی خاطر جیے تھے، اللہ اور آخرت کو پس پشت ڈالا تھا جب انہوں نے بھی آنکھیں پھیر جانی ہیں تو اس دھوکے کی لپیٹ میں آ کر اخروی نقصان کرنا کیا عقلمندی ہے....؟

<u>کسی سے کیا شکوہ!</u> دوسروں پر کیا گلہ بروز قیامت تو ہمارے اپنے جسم کے اعضاء ہی ہمارے خلاف بول اٹھیں گے:

﴿ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاھِھِمْ وَتُکَلِّمُنَآ اَیْدِیْھِمْ وَتَشْھَدُ اَرْجُلُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَo ﴾(یٰس:65:36)

'' آج مہر لگا دی جائے گی انکے مونہوں پر اور کلام کریں گے ان سے انکے ہاتھ اور گواہی دیں گے (انکے خلاف) انکے پاؤں ان کرتوتوں کی جو یہ (دنیا میں) کرتے رہے۔''

کیا اب بھی دنیوی دھوکے کی لپیٹ میں آنے اور آخرت کو نظر انداز کرنے کی کوئی وجہ باقی رہ جاتی ہے.....؟

<u>دھوکے کی لپیٹ کی حقیقت:</u> دنیوی دھوکہ درج ذیل شکلوں کی صورت میں لپیٹ میں لیتا ہے:

(۱)۔صرف دنیا کے فائدے ونقصان کو پیشِ نظر رکھنا اور وطن اصلی کے فائدے ونقصان سے غافل رہنا، (۲)۔وقت کا دھوکہ یعنی آگے آنے والا وقت تو بہت لمبا محسوس ہوتا ہے جبکہ گزرے ہوئے سالوں سال بھی لمحہ محسوس ہوتے ہیں، (۳)۔طاقت وتوانائی، صحت وتندرستی اور فراغت میں طول امل کا شکار ہو کر ان نعمتوں کے اچانک چھن جانے کو بھول جانا۔

دنیوی دھوکے کی لپیٹ میں مبتلا شخص کی صورتِ حال کچھ یوں گی:

''اخروی انجام سے بےفکری، دینی احکامات کی بجا آوری سے لاپرواہی، دنیا میں محض دنیا کیلئے زندہ رہنے، زیادہ سے زیادہ دنیوی مزوں اور دنیا کے حصول کیلئے جینے کی بھرپور آرزو اور تگ ودو موجود ہوگی، یہاں تک کہ بڑھاپے میں بھی یہ تمنا برقرار رہے گی۔''

جس خوش نصیب کو بات سمجھ آ گئی اور اسے دنیوی دھوکے کی لپیٹ سے نجات مل گئی، اسکی کیفیات کچھ یوں ہوں گی:

''دنیا میں محض دنیا کی خاطر زندہ رہنا، محض جینے کیلئے زندگی گزارنا اسکے لئے بہت دشوار ہو جائے گا۔اسے زندہ رہنے کی خواہش صرف (۱) رب کی رضا، زیادہ سے زیادہ اخروی زادِراہ سمیٹنے (یعنی دین سیکھنے، اس پر خود عمل پیرا ہونے اور دوسروں تک پہنچانے کی کاوش) اور (۲) فیملی کی بہتری (کفالت، پرورش اور تعلیم وتربیت)، دیگر انسانوں سمیت ملک وقوم کی بہتری کی بنا پر ہی ہوگی۔(۳)۔مذکورہ فرائض کی پاسداری کے بعد رذیل عمر تک دنیا میں لمبا جینے کے بجائے، دنیوی مصائب سے چھٹکارہ پا کر رب کے قرب میں جانا اسے زیادہ عزیز ہوگا۔''

یہ کیفیات اسلئے نصیب ہو جائیں گی کیونکہ دنیوی فریب کی حقیقت آشکارا ہونے سے بالآخر اسے یہ بات سمجھ آ جائے گی کہ:

(۱)۔حقیقتاً دنیا مصائب وآلام، تنگی وتکالیف کی جگہ ہے، (۲)۔یہاں کی خوشیاں بھی دردِسر سے خالی نہیں، (۳)۔جوانی کے بعد وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ صلاحیتیں، طاقت وتوانائی مانند پڑتی جاتی ہے اور رذیل بڑھاپے میں اسے اپنے وجود کا بوجھ اٹھائے پھرنا پڑتا ہے، (۴)۔ہر روز صبح سے شام... سالہوں سال کی محض دنیا کے حصول کی زندگی اسے تھکا دیتی ہے، (۵)۔بالآخر یہاں سے وطن اصلی کی طرف جانا ہے۔

ان حالات میں اگر انسان کے پیشِ نظر کوئی بڑا نصب العین (اللہ کی رضا، آخرت، انسانیت کی فلاح) نہ ہو تو محض اپنی ذات کیلئے لمبا عرصہ کیسے جیا جاسکتا ہے.....؟

سب سے بڑھ کر یہ کہ محض زندہ رہنے کیلئے جینے کے تصور کے بجائے 'اللہ، آخرت اور انسانیت' کیلئے زندہ رہنے کے تصور سے انسان کو پروردگار کی طرف سے خصوصی رحمت، سکون واطمینان نصیب ہونا شروع ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسے خوش نصیبوں میں شامل فرمائے۔(آمین)۔کیا یہ حقائق واضح ہوجانے کے بعد بھی ہم محض دنیا کیلئے جئیں گے....؟

<u>فائدہ ونقصان:</u> بالآخر انسان کو کیا چاہیے....؟ فائدے کا حصول اور نقصان سے بچاؤ۔جی ہاں انسان کی ساری دوڑ دھوپ اسی لئے ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل ہوجائیں اور نقصانات اس سے دور ہوجائیں۔لیکن عجلت پسند انسان کی غلطی یہ ہے کہ اس عارضی زندگی کے فائدے کیلئے تو مرمٹتا ہے جبکہ آخرت کے ابدی فائدوں کو یکسر نظر انداز کئے رہتا ہے، یہاں کیلئے تو خوب ہاتھ پاؤں مارتا ہے لیکن وہاں کیلئے سویا رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اہل عقل کے سامنے دنیا وآخرت کا زبردست معیار رکھتے ہوئے انسانیت کی اصل بیماری واضح کردی ہے:

﴿ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ○ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ○ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ○ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ○﴾ (سورۃ الاعلیٰ، 19-16)

'' بلکہ تم تو چاہتے ہو دنیاوی زندگانی کو جبکہ آخرت <u>بہت بہتر اور باقی</u> رہنے والی ہے ۔بے شک یہی بات پہلی کتابوں میں بیان ہوئی (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحائف میں۔''

خالق نے یہ بات بالکل واضح کردی ہے کہ: آخرت کے فوائد دنیا کے مقابلے میں بہت بہتر بھی ہیں اور ہمیشہ رہنے والے بھی ہیں، یعنی دنیا کے فوائد آخرت کے مقابلے میں بہت حقیر بھی ہیں اور بہت عارضی بھی۔اسی

طرح آخرت کا نقصان بھی دنیا سے بہت بھیانک اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔اس بات کے واضح ہوجانے کے باوجود بھی غیر منصفانہ طرزعمل اختیار کرتے ہوئے صرف دنیوی فائدے ونقصان کو پیش نظر رکھنا اور اخروی تیاری سے غافل رہنا خود اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کرنے کے مترادف ہے۔بلکہ دنیا میں حقیقی فوائد(عافیت،سکون واطمینان،قناعت،اللہ کی تائید وحفاظت،صبر....)بھی دین کی پاسداری سے ہے نصیب ہوتے ہیں۔دین کی پاسداری کے بغیر دنیا میں عافیت،سکون واطمینان اور اللہ کی تائید حاصل نہیں ہوسکتی۔اللہ ہمیں سمجھ عطا فرمائے۔(آمین)

<u>ہر شخص دیکھے:</u> زندگی گزارتے ہوئے انسان کی نظر دنیا پر ہی ٹکی رہتی ہے۔صبح اٹھتے ہی یہ فکر کہ آج دنیا سے کیا حاصل ہوسکتا ہے،رات کو بھی اسی فکر سے سوتا ہے۔دنیا کی فکر میں ہی ساری زندگی بیتتی جاتی ہے کہ موت کا قاصد آدستک دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس فکر کے برعکس سبق دیا ہے کہ ہمیں زیادہ فکر اس بات کی ہونی چاہیے کہ ہمیشہ کی زندگی کی بہتری کیلئے ہم آگے کیا بھیج رہے ہیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝﴾(الحشر:18:59)

''اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور چاہیے کہ ہر شخص کہ اس نے کل کے لئے کیا سامان آگے بھیجا ہے،اور اللہ سے ڈرتے رہو،بلاشبہ وہ تمھارے سب اعمال سے باخبر ہے۔''

شب وروز گزارتے ہوئے اگر ہمارا تصور تبدیل ہوجائے۔ہم اُخروی محاسبے کی عینک لگالیں۔دنیا کے ہر فعل کو آخرت کے تناظر میں دیکھنا شروع کردیں۔ہم یہ دیکھنا شروع کردیں کہ آگے کیا جارہا ہے تو دنیا وآخرت کی کامرانیاں نصیب ہوجائیں۔اور خدانخواستہ ایسا نہ ہوسکا تو شاید نہ دنیا میں عافیت مل سکے اور نہ ہی آخرت میں۔

<u>ہمارا طرزِعمل:</u> اکثریت تو ویسے ہی دین کو خیرآباد کہہ چکی ہے لیکن الا ماشاءاللہ دینداروں کی اکثریت کی صورت حال بھی قابل افسوس ہی ہے۔دنیا کیلئے ہمارے پاس بڑا وقت ہے لیکن دین کیلئے نہیں،دنیا سیکھنے کیلئے دور دراز جانے کو بھی تیار ہیں،دین کی سمجھ بوجھ کیلئے چار قدم نہیں چل سکتے،دنیوی اغراض کیلئے ہر روز چوتھے محلے جانا پڑے تو تیار ہیں جبکہ دین کیلئے محلے کی مسجد میں جماعت کا اہتمام بھی گراں ہے۔یہی صورت حال دیگر دینی ذمہ داریوں کی ہے۔

﴿یَعۡلَمُوۡنَ ظَاهِرًا مِّنَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ هُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَۃِ هُمۡ غٰفِلُوۡنَo﴾

(الروم:7:30)

''وہ تو صرف دنیاوی زندگانی کے ظاہری پہلو کو ہی جانتے ہیں اور وہ آخرت سے تو بالکل ہی بے خبر ہیں۔''

افسوس کہ ہم دنیوی دلدل میں پھنس چکے ہیں، ہماری نظر میں' دنیا' پہلے، اللہ دین اور آخرت' بعد میں ہے۔اللہ ہمیں معاف فرمائے کیا یہ نفاق (عملی) نہیں.....؟

<u>بچنے کا معیار:</u> ہمارا کریم رب ہمیں آگ سے بچانا چاہتا ہے۔فلاح کیلئے دنیا و آخرت کے حوالے سے ہمارا معیار کیا ہونا چاہیے پروردگار نے بڑے دردمندانہ انداز سے انسان کو خطاب کیا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُلۡهِکُمۡ اَمۡوَالُکُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰهِ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَo﴾(المنافقون:9:63)

''اے ایمان والو! (کہیں) تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے اور جس نے بھی ایسا کیا تو وہ لوگ خسارہ پانے والے ہو گئے۔''

مال اولاد (یعنی دنیا) اللہ، دین اور آخرت میں رکاوٹ نہ بن جائے، دینی ذمہ داریوں یعنی اوامر و نواہی کی پاسداری (فرائض و واجبات کی ترجیح کے ساتھ ادائیگی اور ممنوع و حرام سے رکنے) میں دنیا حائل نہ ہو جائے۔اور جس نے دنیا کو حائل کر لیا تو وہ یقیناً خسارہ پانے والوں میں سے ہو گیا۔اگر آپ خسارے سے بچنا چاہتے ہیں تو:

(۱)۔دین کو سمجھنے کیلئے وقت نکالیں، (۲)۔دنیا کو آخرت کے تابع کرتے ہوئے پہلی ترجیح کے ساتھ اوامر و نواہی کی پاسداری کریں اور (۳)۔دین کو دوسروں تک پہنچانے کیلئے کاوش کریں۔

<u>کانٹے کی بات:</u> یہ دیکھنا ہے کہ کس کو آگے کیا اور کس کو پیچھے؟ دنیا کو آگے رکھا یا آخرت کو؟ پروردگار نے بنی آدم کو متنبہ کر دیا:

﴿اِنَّهَا لَاِحۡدَی الۡکُبَرِ oۙ نَذِیۡرًا لِّلۡبَشَرِ o لِمَنۡ شَآءَ مِنۡکُمۡ اَنۡ یَّتَقَدَّمَ اَوۡ یَتَاَخَّرَo﴾(المدثر:74:آیت:35-37)

''کہ وہ (آگ) ایک بہت بڑی آفت ہے۔بنی آدم کیلئے موجب خوف۔اور تم میں سے جو

چاہے آگے بڑے یا پیچھے رہے۔''

یعنی حقیقت کو سمجھتے ہوئے جس خوش نصیب نے آخرت کو منزل، ہدف، گول اور نصب العین بنا لیا وہ آگے بڑھ گیا اور جو بدنصیب ایسا نہ کرسکا وہ بازی ہار کر پیچھے رہ گیا۔فلاح کیلئے آخرت کو پہلے نمبر پر اور دنیا کو دوسرے نمبر پر رکھنا ضروری ہے۔ ہماری صورت حال اسکے برعکس ہے، دنیا پہلے نمبر پر جبکہ آخرت دوسرے کی بجائے آخری نمبر پر ہے۔کیا یہ اپنے ساتھ ظلم نہیں؟

<u>یہ خسارہ کوئی معمولی نہیں:</u> اخروی خسارہ کوئی معمولی تو نہیں جسے نظر انداز کر دیا جائے: رہنے کیلئے آگ، پینے کیلئے کھولتا ہوا پانی یا زخموں کی پیپ، کھانے کیلئے کانٹے دار خاردار تھوہر جو پیٹ میں یوں جوش مارے جیسے پگھلا ہوا تانبا، پروردگار نے بھلے کیلئے انسانیت کو متنبہ کر دیا:

﴿لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ o﴾

(اعراف:41:7)

''انکے لئے جہنم کی آگ کا بچھونا ہوگا اور جہنم کی آگ کا ہی اوڑھنا ہوگا اور یہی ہم دیں گے بدلہ ظالموں کو۔''

﴿اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ o طَعَامُ الْاَثِيْمِ o﴾(دخان:44:43-44)

''بلاشبہ تھوہر کا درخت کھانا ہوگا گنہگاروں کا''

﴿مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَ يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍo﴾(ابراہیم:14:16)

''(دنیا کے بعد) آخرت میں دوزخ ہے جہاں خون اور پیپ کی آمیزش والا پانی پلایا جائے گا''

﴿تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ o﴾(المومنون:23:104)

''آگ انکے چہروں کو چاٹ جائے گی اور وہ اس میں بدشکل پڑے ہوں گے''

اور سب سے ہلکا عذاب یہ ہوگا کہ آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی جس سے دماغ کھولنے لگے گا۔

(مسلم، کتاب الایمان)

یہاں تو شدید گرمی میں بجلی چلی جائے تو جان نکل جائے تو وہاں کیا بنے گا؟ ہم یہاں کی گرمی کے ۵۰ ڈگری

ٹمپریچر سے تو ضرور ڈرتے ہیں لیکن دوزخ کی آگ سے نہیں ڈرتے، آخر ہمیں کیوں فکر نہیں؟ ہم کیوں اپنی جان پر ظلم کرنا چاہتے ہیں؟ ہمارا دنیا اور آخرت کیلئے دوہرا معیار کیوں ہے؟

<u>یہ تو کچھ بھی نہیں:</u> یہ دنیا جسکے لئے ہم جیتے مرتے ہیں، آخرت کے مقابلے میں تو یہ کچھ بھی نہیں:

﴿ وَ مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (عنکبوت:64:29)

''اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر کھیل اور تماشا اور یقیناً آخرت کا گھر ہی حقیقی زندگی ہے، کاش تم جان جاتے۔''

کھیل اور تماشا تو بہت تھوڑے وقت کیلئے منعقد ہوتا ہے، دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس زندگی نے بھی تماشے کی طرح بہت جلد ختم ہو جانا ہے اور پھر آخرت کی ابدی زندگی شروع ہونی ہے۔ کاش یہ بات ہمارے دل میں بیٹھ جائے اور اسکی سمجھ ہمیں یہیں اسی دنیا میں آجائے۔ ورنہ بوقت موت تو سمجھ آ ہی جانی ہے لیکن اس وقت کا سمجھنا کسی فائدے کا نہیں۔!

<u>دنیا سے حاصل کیا!</u> حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو زندگی اگر اخروی فلاح کو مقصود بنائے بغیر محض دنیا کیلئے گزاری جارہی ہے تو یہاں سوائے مشقت کے حاصل بھی کیا ہو رہا ہے۔ صبح کا ناشتہ دوپہر تک ختم، شام کا کھانا صبح تک ختم اسی طرح وقت کے ساتھ ہر شے یا تو بوسیدہ ہوتی جاتی ہے یا فنا۔ دنیا کی ہر شے ساتھ ساتھ ہی مٹتی جاتی ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مٹنے والی دنیا کا ہونے کی بجائے ہمیشہ باقی رہنے والے خزانے کی دعوت دی ہے:

﴿ اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ اَمَلًا ۝ ﴾ (الکھف:46:18)

''مال اور بیٹے تو (صرف) دنیوی زندگانی کی رونق ہیں اور باقی رہنے والی تو نیکیاں ہیں، وہ تمھارے پروردگار کے ہاں بہت اچھی ہیں ثواب اور امید کے لحاظ سے۔''

ہماری ساری امیدیں دنیوی زندگی کی مٹ جانے والی اشیاء سے ہی وابستہ ہوتی ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ تمھاری امیدیں تو ہمیشہ کام آنے والی نیکیوں سے وابستہ ہونی چاہئیں۔ کیا ہم حقیر اور عارضی کی جگہ بہتر اور دائمی نعمت (نیکیوں) پر نظریں نہیں جمائیں گے....؟

عظیم سعادت وسکون: دنیاوآخرت کے حوالے سے درج ذیل تصورات عظیم سعادت کا باعث ہیں:
(۱)۔وطن اصلی یعنی آخرت کا تصور پختہ ہونے سے مادی اشیاء کے ساتھ تعلق کمزور ہوتا جاتا ہے اور یوں دنیوی اشیاء کی اہمیت کم ہوتی جاتی ہے، لالچ وحرص سے چھٹکارہ ہونے سے آزادی وسکون نصیب ہوجاتا ہے۔(۲)۔الٹے تصورات (دنیا کے اعتبار سے) یعنی: دنیا کی بجائے آخرت، دنیوی شہوات کی بجائے اخروی نعمتیں، خودغرضی کی بجائے ایثاروقربانی، بخل کی بجائے انفاق، حسد کی بجائے خوشی، غفلت کی بجائے عبادت، لوگوں کوگرانے کی بجائے اٹھانے، سستی کی بجائے محنت،..... سے انسان عظمت کی رفعتیں پالیتا ہے۔(۳)۔محنت ومشقت محض دنیا کیلئے کی جائے تو اسکا بوجھ اور اذیت جسم کو اٹھانا پڑتا ہے، اسکے برعکس اگر مشکل محض اللہ کیلئے اٹھائی جائے تو وہ بوجھ اور اذیت کی بجائے سکون واطمینان کا باعث بن جاتی ہے۔(۴)۔آخرت پرنظریں جماتے ہوئے دنیا میں جو کچھ مل چکا اسی پر اگر قناعت اختیار کرتے ہوئے بریک لگادی جائے اور مزید کی خواہش دل سے نکال دی جائے تو آزادی وسکون اُمڈ آئے۔(۵)۔محض دنیا کیلئے جینے کی خواہش کوختم کرتے ہی آزادی وتسکین کی بہاریں برس پڑتی ہیں۔

کیسے نصیب ہو؟ اب سوال یہ ہے کہ اخروی ترجیح کیسے نصیب ہو؟ اسکے لئے تو صبر اختیار کرنا پڑے گا، ہمیشہ کے اخروی فائدوں کی خاطر اس مختصرسی زندگی میں صبر اختیار کرلیں، جس نے شہوات کے زورآور پہلوان کوگرالیا اسکی بات بن گئی، اپنی خواہشات کوقابوکرتے ہوئے دین کے تابع کرلیں۔صبر کے ساتھ دیگر لوازم کوملحوظ رکھ لیں انشاءاللہ منزل مل جائے گی۔یہ سب کچھ پانے کیلئے 'اخلاص' کے ساتھ:
(۱)۔پختہ عزم کے ساتھ وطن اصلی کی فلاح کوزندگی کا مقصد بنالیں، (۲)۔روزانہ دین کے مطالعہ (قرآن فہمی اور دیگر اچھی کتب) کیلئے کچھ وقت نکالیں، (۳)۔اللہ کیلئے کاوش وقربانی کریں، (۴)۔اچھی صحبت (اچھے لوگ، اچھی جگہوں اور اچھی کتابوں کی) اختیار کریں اور بری صحبت سے ہرممکن اجتناب کریں، یہ فیصلہ کرلیں کہ ایسی جگہ نہ جاؤں گا جہاں اللہ کی نافرمانی ہو۔(۵)۔عبرت کیلئے ہسپتالوں اور قبرستانوں میں جائیں۔(۶)۔اللہ سے بھرپور دعائیں کریں۔

بات بن گئی: اگرآپ کے نزدیک (۱)۔دنیا کی اہمیت کم ہوگئی، (۲)۔آخرت پیش نظر رہنے لگ گئی، اور (۳)۔دنیا میں رذیل عمرتک لمبا رہنے کی بجائے ذمہ داریوں کی ادائیگی پر جانے کیلئے تیار ہوگئے تو بات بن گئی۔اب بہت تیزی سے دنیوی فریب چھٹتا جائے گا اور اخروی زادِراہ سمیٹنے کی توفیق نصیب ہوجائے

گی۔(انشاءاللہ)

فلاح کیلئے تریاق: وہ عظیم چیزیں جو حقیقی فلاح کی طرف ہمارا رخ موڑنے کا باعث بن سکتی ہیں، خواہشات کو لگام ڈالتے ہوئے دنیوی جادو کے سامنے بند باندھ سکتی ہیں، دنیوی فریب سے نجات کیلئے تریاق ہیں، وہ موت کی یاد اور آخرت کا پختہ تصور ہے:

(۱)۔موت کی یاد: اس حقیقت کا ہر وقت ذہن نشین رہنا کہ ایک دن ہم نے فوت ہو جانا ہے، یہ وقت ہم سے چھن جانا ہے، خالی ہاتھ ہمیں قبر کے حوالے کر دیا جانا ہے۔

(۲)۔ آخرت کا تصور: مرنے کا مطلب ہمیشہ کی موت نہیں بلکہ موت کے بعد ہمیشہ ہمیش کی زندگی گزارنی ہے۔ وہ زندگی یا تو دردناک ابدی عذاب یا ہمیشہ ہمیش کی بہاروں پر مشتمل ہے۔

مذکورہ دونوں حقائق کے زندگی میں آنے سے ان شاءاللہ خیر و برکت کی درج ذیل بہاریں یقیناً اُمڈ آئیں گی:

> ''طول امل سے بچنے کی توفیق نصیب ہوگی۔ لمبا جینے کی بجائے زندگی کو مختصر دیکھنے کی عظیم سعادت حاصل ہوگی۔ اور اس سعادت کے حصول کے ساتھ بھرپور کما حقہ عمل کی توفیق نصیب ہوگی، نافرمانی اور گناہ زندگی سے نکل جائے گا۔ وقت کا بھرپور استعمال ہونا شروع ہو جائے گا، صحت و تندرستی اور مال و دولت سمیت تمام صلاحیتیں اخروی فلاح کے تناظر میں استعمال کرنے کا شوق اور جذبہ پیدا ہوگا۔ زندگی کے اہداف (Goals) آخرت کے تناظر میں بننا شروع ہو جائیں گے۔''

یاد رکھیں! جب تک موت کی یاد اور آخرت کا پختہ تصور من میں جگہ نہ پکڑے گا اور اسکی یاد دہانی زندگی کا حصہ نہ بن جائے گی ہمارا مردہ شعور جاگ نہ سکے گا۔ اسلئے اسکی بھرپور فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

حقیقی اہداف (Real Goals): فلاح کو پانے کیلئے درج ذیل حقیقی اہداف ہیں جنہیں پانے کی ضرورت ہے:

(۱)۔صحت و تندرستی کا خیال رکھنا، (۲)۔دین سیکھنے، اس پر عمل پیرا ہونے اور دوسروں تک پہنچانے کا شوق و جذبہ، (۳)۔شرک سے نفرت اور توحید سے محبت، (۴)۔بدعات سے نفرت اور سنت سے محبت، (۵)۔عبادات کا ترجیح کے ساتھ اہتمام، (۶)۔فیملی کی بہتری (کفالت، پرورش اور تعلیم و تربیت) اور دیگر انسانوں سمیت ملک و قوم کی بہتری، (۷)۔رزق حلال اور ملک و قوم کی بہتری کی خاطر اپنی ڈیوٹی

ذمہ داری سے نبھانا۔

<u>جلدی کریں:</u> اخروی فلاح کو زندگی کا مقصد بنانے، دنیا کو آخرت کے تابع کرنے کا فیصلہ جلدی کریں، نہ جانے کونسی بیماری، کون سا حادثہ ہمیں اپاہج کر دے، کس لمحے موت کا قاصد آ جائے، نہ جانے کس صبح کی شام دیکھنا نصیب نہ ہو سکے۔ فوراً آج ہی فیصلہ کر لیں، ایک دن کی بھی تاخیر نہ کریں۔ پروردگار نے فرمایا ہے کہ بہت جلدی کرو:

﴿وَ سَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَo﴾ (آل عمران:3:133)

''اور اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لئے۔''

اس حقیر دنیا کی خاطر وسیع و عریض ابدی عظیم جنت کی بہاروں سے محروم رہنا کیا عقلمندی ہے.....؟

یاد رکھیں: ہماری زندگی اور موت کے مابین ایک غیر یقینی دیوار حائل ہے۔ ہر آن اندیشہ ہے کہ یہ دیوار ٹوٹ جائے اور آخرت کے حقائق ایک بے پناہ سیلاب کی طرح ہمارے اوپر پھٹ پڑیں۔ اُس وقت کوئی زور، کوئی ہوشیاری کام نہ آئے گی۔ انسان بالکل بے سہارہ ہو کر اپنے خالق کے سامنے کھڑا ہوگا۔ خواہشات کے رسیا، دنیا کی دلفریبیوں میں گم، آخرت سے غافل لوگ دائمی جہنم میں ڈال دئے جائیں گے۔ صرف وہ بچے گا جس نے صبر کے ساتھ اپنی خواہشات کو قابو کرتے ہوئے، خالق کے سامنے پیش ہونے سے قبل دنیا کی زندگی میں اپنا حساب کر لیا ہوگا۔ یہاں تو وقت نے گزر ہی جانا ہے، مشکل ہو آسانی ہو زندگی نے ختم ہو ہی جانا ہے لیکن وہاں ابدی زندگی کے وقت نے ختم نہیں ہونا، کیا اسکی فکر کی ضرورت نہیں۔ یہ جہان جہاں ہم نے نہیں رہنا اسکی تو فکر ہے لیکن جہاں ہم نے ہمیشہ رہنا ہے اسکی فکر نہ ہونا کیا عقلمندی ہے؟ مادی وجود کی بقا کیلئے تو مادی غذا کی ضرورت ہے، کیا روحانی وجود کو روحانی غذا کی ضرورت نہیں.....؟

اس ضمن میں تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: ''راہِ فلاح کی پہلی بڑی گھاٹی''

اللہ تعالیٰ جلد از جلد ہمیں ان حقائق کو سنجیدہ لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

۞۞۞۞۞

3۔ کلمہ طیبہ کا معنی و مفہوم

انسان کی سب سے عظیم دولت جسکی سب سے زیادہ حفاظت کی ضرورت ہے بلاشبہ وہ کلمہ طیبہ ہی ہے۔ باقی سب اعمال کے قبول ہونے کا دارومدار اسی کلمہ کی قبولیت پر ہے۔ کسی عمل کو دیکھے جانے کی نوبت ہی تب آئے گی جب آدمی کا "لا الٰـہ" کہنا تسلیم ہوگا۔ اسی لئے اس کلمہ توحید کی حقیقت کو دل میں بٹھانے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام نے سب سے زیادہ محنت کی۔ اور ہمارے پیارے رسول ﷺ نے مکہ میں ۱۲ سال اسی ایمان ویقین کی پختگی کی محنت کی۔ یہی وہ کلمہ ہے جسے تسلیم کرنے سے انسان کفر سے اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ اتنا بڑا انعام کیا محض زبان سے الفاظ ادا کرنے سے حاصل ہوسکتا ہے جبکہ انسان کو اس کلمے سے آگاہی ہی نہ ہو کہ اس کلمے کا معنی و مفہوم کیا ہے۔؟ اگر کسی کو یہ معلوم ہی نہیں اس کلمے کو ادا کرنے سے اس نے کن چیزوں کی نفی کی ہے اور کون سے حقائق کو تسلیم کرلیا ہے تو اس نے کیا کلمہ پڑھا۔؟ بقول علامہ اقبال رحمہ اللہ:

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل　　دل و نگاہ جو مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ایمان لانے کا مطلب ہے 'مان لینا' یا 'تسلیم کر لینا'۔ جس چیز پر ایمان لایا جارہا ہے یعنی جسے مانا جارہا ہے اگر یہ معلوم ہی نہیں کہ کس چیز کو تسلیم کیا گیا ہے تو پھر ایمان لانے کا مطلب کیا ہوا...؟ بہرکیف کلمے کا اقرار کرنے والا قانونی طور پر تو مسلمان ہی کہلائے گا تاہم مومن تب بنے گا جب کلمے کی مانے گا۔ اس عظیم کلمے کو سمجھنے اور زندگی میں لانے کا عہد کرلیں، انشاء اللہ دنیا و آخرت قابل رشک ہو جائے گی۔ اس کلمے کا اقرار کرنے کے بعد کسی انسان کے لئے اولین فرصت میں سب سے ضروری اس کلمے کے مفہوم کو سمجھنا ہے۔ آیئے اس حوالے سے ہم آپکی کچھ مدد کردیتے ہیں۔

<u>کلمے کو تسلیم کرنے کی دو بنیادی شرائط</u>: معاملہ کلمے کو تسلیم کرنے کا ہو یا کسی بھی اور اہم چیز کا، اسے کما حقہ تسلیم کرنے کی دو بنیادی شرائط یہ ہوں گی:

(1) اقرار کرتے ہوئے اچھی طرح معلوم کرلیا جائے کہ اسکا معنی اور مطلب کیا ہے۔

(2) زبان سے اقرار کے ساتھ ساتھ اسے خلوص کے ساتھ دل سے بھی تسلیم کرلیا ہو۔

انہیں ایمان کی شرائط بھی قرار دیا گیا ہے: ((اقرار با السان وتصدیق با لقلب))

<u>لازمی نتیجہ!</u> اگر کلمے کے متعلق پہلی اور دوسری شرط کما حقہ پوری ہو جائے تو اسکا لازمی نتیجہ نکلے گا کہ اس

عظیم کلمے کے ثمرات حاصل ہوں گے۔اس کلمے سے محبت ووارفتگی ہو جائے گی،اللہ عزوجل ورسول ﷺ کے ساتھ شدید محبت پیدا ہو جائے گی،انھیں کائنات کے تمام لوگوں پر ترجیح دینے کا جذبہ پیدا ہوگا۔اوراس کلمے کو عملاً زندگی میں لانے اور دوسروں تک پہنچانے سے ایک کیف وسرور ملنے لگ جائے گا۔

معنی ومفہوم

کلمے کے تین بنیادی حصے ہیں:(i) .لا الٰہ (ii) .الا اللہ (iii) .محمد رسول اللہ

(i) .لا الٰـــہ: یہ شرک کی نفی ہے۔لاالٰہ ایک کھلی ناں ہے جسے ادا کرنے والا یہ واضح اقرار کرتا ہے کہ کائنات میں سوائے خدا کے وہ کسی کی پوجا و پرستش یا عبادت نہیں کرے گا۔عبادت کی تمام شکلوں کا مستحق صرف اسی کو ٹھرائے گا۔یہ اس بات کا اقرار ہے کہ خدا کے سوا کائنات میں کوئی معبود نہیں۔یہ لفظ دراصل اس گہرے جذبہ کا ترجمان ہے جو ایک بندہ مجبور کے دل میں اپنے خالق ومالک کیلئے ہونا چاہیے۔الٰہ اصل میں اُس ہستی کو کہا جاتا ہے جس کے بارے میں حیرت انگیز طور پر اپنے سے مختلف ہونے کا تصور ہو۔جو ہر چیز پر کامل غلبہ اور قدرت واختیار رکھتا ہو۔جس کو آدمی اپنا پناہ دہندہ سمجھے۔جس کی طرف وہ شدت شوق سے لپکتا ہو۔جس پر مکمل بھروسہ کرتے ہوئے اسے اپنا کارساز بنایا جاسکے۔جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے کہا گیا:

﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا۝﴾

''وہ (اللہ) مشرق ومغرب کا رب ہے،اسکے سوا کوئی الٰہ نہیں، پس اسی کو اپنا کارساز (سارے معاملات کا کفیل وذمہ دار) بنالیجئے۔'' (المزمل،آیت:9)

سورہ نمل میں الٰہ کی صفات کا مفصل بیان یوں آیا:

''(1) کیا وہ جس نے زمین کو قرارگاہ بنایا اور اسکے درمیان نہریں جاری کردیں اور اس کے لئے پہاڑ بنائے اور دوسمندروں کے مابین آڑ بنادی۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ بھی ہے۔؟ بلکہ ان میں سے اکثر کچھ جانتے ہی نہیں۔(2) بے کس کی پکار کو جب وہ پکارے کون قبول کر کے اسکی مشکل کو دور کردیتا ہے؟ اور تمھیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے؟، تم بہت کم نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہو۔(3) کیا وہ جو تمھیں خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے اور جو اپنی رحمت سے پہلے ہی خوش خبریاں دینے والی ہوئیں چلاتا

ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟، جنہیں یہ شریک کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے بہت بلند و بالاتر ہے۔(4) کیا وہ جو مخلوق کی پہلی دفعہ پیدائیش کرتا ہے پھر اسے لوٹائے گا اور جو تمھیں آسمان اور زمین سے روزیاں دے رہا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الہٰ ہے؟، فرمادیجئے اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔ فرمادیجئے آسمانوں اور زمین والوں میں سے کوئی غیب نہیں جانتا، انہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کب اٹھا کھڑے کئے جائیں گے۔''

(سورہ نمل، آیت:60-65)

ان آیات کے مطالعہ سے 'الہٰ' کی درج ذیل بنیادی صفات کا علم ہوتا ہے۔

(۱)۔ ازلی ابدی، ذاتی حیثیت میں خود سے زندہ، لمحہ بھر کیلئے بھی نیند، اونگ اور تھکن تھکاوٹ سے پاک ،خالق، کائنات کی زندگی اس سے، کائنات کو تھامے ہوئے۔

(۲)۔ عالم الغیب ہونا یعنی کائنات کا ذرہ ذرہ اس پر منکشف ہو، لمحہ بھر کیلئے بھی کسی چیز سے غافل نہ ہو۔

(۳)۔ غیر معمولی اختیار و اقتدار جو کائنات کی ہر شے کو محیط ہو۔ مالک و مختار، متصرف فی الامور اور اقتدار اعلیٰ کا مالک، جسکا حکم ہر صورت نافذ العمل ،جس پر کسی کی کوئی زور زبردستی نہیں۔

قرآن مجید جہاں بھی استحقاق عبادت و پکار کا ذکر آیا انہیں صفات کو اسکی علت (Cause) قرار دیا گیا۔

نوٹ: جزوی طور پر اللہ تعالیٰ نے مخلوقات جیسے انبیاء کرام علیہم السلام کو ضرورت کے مطابق اختیار و اقتدار اور علم کے خزانوں سے بھی نوازا ہے۔ لیکن یہ کلی نہیں بلکہ جزوی ہے اور اتنا ہی ہے جتنا عطا کیا گیا اور یہ ضرورت کے تحت ہے۔ اسی طرح تصرف کی ایک اور شکل معجزہ و کرامت اور استدراج ہے۔ معجزہ و کرامت اللہ کے فضل کی شکل ہے، جبکہ استدراج شیاطین کی کارستانی ہے جسکا ظہور عموماً غلط عقائد و افعال کی بنا پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم اسلام کو ضرورت کے تحت بہت سے معجزات سے نوازا۔ اس ضمن میں نہ تو تفریط کا شکار ہو کر ان چیزوں کی مخلوقات کیلئے اثبات کی نفی کرنی چاہئے اور نہ ہی افراط کا شکار ہو کر مخلوقات کو خدائی صفات کا حامل قرار دینا چاہئے۔ ضربوں تقسیموں سے بچتے ہوئے بات جتنی ہے اسے وہیں تک رہنے دینا چاہئے۔ قرآن مجید کی صراحت کے مطابق معجزہ و کرامت وغیرہ للہ کا اپنا فعل ہے جسکا ذریعہ مخلوقات بنتی ہیں۔ اور یہ اسی وقت تک جاری و ساری رہتا ہے جب تک اللہ کا امر ہو، اور یہ انہیں حدود و قیود کے تحت ظہور ہوتا ہے جسکی اجازت خالق کی طرف سے ہو۔

مذکورہ آیات سے! یہ بات ثابت ہوگئی کہ جس ہستی کو بھی مذکورہ غیر معمولی صفات سے متصف قرار دیا جائے گا وہ الٰہ کہلائے گی۔ان آیات پر غور وفکر کرتے ہوئے بات کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ کن صفات کی بنا پر شراکت کی وعید سنائی گئی ہے۔اصل بات یہی ہے کہ الٰـــہ وہ ہستی ہے جو علم وقدرت اور تصرف کا کامل اختیار رکھتی ہو۔جسے انسان ہر مشکل وآسانی میں اپنا پناہ دہندہ سمجھتا ہو اور اس پر کامل بھروسہ رکھتا ہو، جسکا فیصلہ ہر صورت نافذ ہو کر رہنے والا ہو، جسکے سامنے کوئی رکاوٹ نہ بن سکتا ہو، جسے نہ کبھی نیند آتی ہو نہ اونگھ، جو فریادرسی کرنے والوں کی فریاد حتیٰ کہ دلوں کے خیالات سے ہر وقت آگاہ ہو اور انکی مشکل دور کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو۔چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت یہی بتلاتی ہے انہوں نے ان صفات کا حامل سوائے خدا کے کسی اور کو نہ سمجھا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی بابت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''جب کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کو کوئی تکلیف و پریشانی پہنچتی تو آپ ﷺ کا تکیہ کلام یہی ہوا کرتا تھا :﴿ یا حی یا قیوم بر حمتک استغیث﴾ (اَے خود سے زندہ، ہر شے کو تھامنے والے میں تیری رحمت کے ساتھ تیری مدد کا سوال کرتا ہوں)۔''

(ترمذی ''ابوبُ الدعوات'' نمبر 3524 ،المستدرک للحاکم ''کتابُ الدُعا'' نمبر 1828)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دُعا کیا کرتے تھے:

''اے اللہ! میں نے تیری اتباع اختیار کی، میں تجھ پر ایمان لایا، تجھ پر بھروسہ کیا۔تیری طرف رجوع کیا، تیری توفیق سے (دشمنوں کے ساتھ) جھگڑا کیا: اے اللہ! میں تیری عزت وغلبہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تو مجھے گمراہ کر دے، تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، تو زندہ ہے، جسے موت نہیں آئے گی جبکہ جن اور انسان فوت ہو جائیں گے۔'' (بُخاری ''کتابُ الدعوت'' نمبر 6317، مُسلم ''کتابُ الذکر والدُعا'' نمبر 6899)

بلکہ آپ ﷺ نے اپنی دعوت کے متعلق یوں تصریح فرمائی:

''ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اگر تجھے تکلیف پہنچے اور تو اس کو پکارے تو وہی تیری تکلیف دور کر دے گا، اگر ویران زمین میں گم ہو جائے اور تو اس کو بلائے تو واپس لا دے گا، اگر تجھے قحط سالی پہنچے اور تو اس کو پکارے تو وہ تیرے لیے اُگائے گا۔'' [(مسند احمد، 64/5)، صحیح الجامع الحدیث نمبر 98]

امید ہے الٰہ کی صفات سے قارئین آگاہی حاصل کر چکے ہوں گے۔اللہ تعالیٰ خالص توحید تسلیم کرنے کی

توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

(ii) .الا اللہ: یہ توحید کا اثبات ہے کہ اگر کوئی ہستی پرستش کے لائق ہے تو وہ صرف اور صرف خدائے واحد ہے۔گویا وہ عبادت کی تمام شکلوں: نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، قربانی، دعا و فریادرسی، نذر و منت، رکوع، سجدہ و قیام، طواف، اخلاص، توکل..... وغیرہ کا مستحق خدائے واحد کو قرار دیتے ہوئے تمام تر شرک سے اپنا دامن پاک کرنے کا اعلان کرتا ہے۔ پہلے نفی ہے بعد میں اقرار تا کہ دل اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت سے پاک ہو جائے۔نفی اثبات کی اسی ترتیب پر پروردگار نے بہت بڑی خوشخبری سنائی ہے:

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾(البقرہ،آیت:256)

''جس نے کفر کیا طاغوت کے ساتھ اور ایمان لایا اللہ کے ساتھ وہی ہے جس نے مضبوط ترین سہارہ تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سننے جاننے والا ہے۔''

نوٹ: عبادت سے کیا مراد ہے؟ فکر مند حضرات کیلئے ہماری تحریر ''عبادت کا معنی و مفہوم'' دستیاب ہے۔

رب کی بجائے لفظ الہٰ کا استعمال! کلمہ طیبہ میں رب کی بجائے الہٰ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، یہ محض اتفاقاً نہیں بلکہ یہ بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔رب کے مفہوم کا تعلق خدائی افعال اور اسکی صفات کے ساتھ ہے کہ وہ لامحدود قدرت و تصرف کا حامل ہے: پیدا کرنے والا، حقیقی پالنہار، موت و حیات پر قابض، کائنات کو تھامنے والا، سبزہ و اناج اگانے والا، سورج کو چلانے والا، کائنات کے تمام امور کا انتظام و انصرام کرنے والا..... جبکہ لفظ الہٰ کا تعلق بندگانہ افعال کے ساتھ ہے۔ یہ لفظ محض عقیدہ و نظریہ سے بڑھ کر انسان سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنے اعضائے بدن کو سوائے خدائے واحد کی پرستش کے کسی اور کی پوجا کے لئے استعمال نہ کرے۔یہی وہ بنیادی وجہ تھی کہ سابقہ اقوام اللہ کی توحید ربوبیت تو کسی حد تک قبول کر لیتی تھیں لیکن اس کلمے پر غضبناک ہو جاتیں اور انبیاء کرام جیسی عظیم ہستیوں کو قتل کرنے کے درپے ہو گئیں۔کیونکہ اس کلمے کے اقرار سے انکے تمام معبودان باطلہ کی نفی ہو جاتی تھی۔

(iii) .محمد رسول اللہ: یہ رسالت کا اقرار ہے جس میں انسان ایک رہبر مطلق کو تسلیم کر لیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی شان نہیں کہ وہ ہر ایک پر وحی کی صورت میں نسل انسانی کے لئے ضابطہ حیات بھیجے۔اس اہم کام کے لئے اس نے خاص لوگوں کو چنا جو خصائص، درجے اور فضیلت کے اعتبار سے دیگر لوگوں سے بہت

عظیم تھے اور اس سلسلہ نبوت کو کائنات کی سب سے عظیم شخصیت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم کیا۔ چنانچہ کلمے کے تیسرے حصے میں انسان ایک اور بہت بڑی حقیقت کو تسلیم کر لیتا کہ اللہ نے اپنا پیغام دے کر اپنے رسول کو بھیجا ہے۔ چنانچہ وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ رہبر مطلق اسکا نبی ہے۔ اسکی تعلیمات پر کسی اور کی تعلیمات کو ترجیح نہ دینے کا پختہ عہد کرتا ہے۔ اگر کلمے کا تیسرا حصہ واقعتاً دل میں اتر جائے تو انسان بخوشی اپنے نفس کو رسول ﷺ کی تعلیمات کے سامنے جھکاتے ہوئے اندھی اور جامد تقلید سے اپنے آپ کو پاک کر لیتا ہے، جو کہ حقیقی ایمان کی بنیادی شرط ہے۔ لیکن افسوس کہ زبان سے ((محمد رسول اللہ ﷺ)) کہنے کے باوجود بھی ہمیں آپ ﷺ کی تعلیمات کے سامنے سرنگوں کرنا نصیب نہیں ہو سکا۔ اور یہ ہمارا تلخ مشاہدہ ہے کہ اپنے اپنے پسندیدہ بزرگان دین اور خود ساختہ نظریات پر لوگ یوں جم چکے ہیں کہ اللہ و رسول کی بات کی طرف آمادہ ہی نہیں ہوتے۔

زبان سے عشق رسول ﷺ کے نعرے لگانا اور دعوے کرنا بڑا آسان کام ہے۔ آپ ﷺ سے محبت کے دعووں کی حقیقت اس وقت آشکارا ہوتی ہے جب کسی سے اسکی خواہش نفس، آباؤ اجداد، پسندیدہ مسلک و اکابرین کے خلاف نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے واسطہ پڑے۔ دیکھا گیا ہے کہ محبت کے دعوے صرف اسی وقت تک قائم رہتے ہیں جب تک آپ ﷺ کی تعلیمات ہمارے ذہن کے موافق رہیں۔ جونہی آپ ﷺ کے فرامین ہماری خواہش نفس و مسلک سے ٹکرا جائیں تو برصغیر پاک و ہند کے اکثر مسلمان اسے قبول کرنا تو درکنار اسے دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ عشق رسول ﷺ تو درکنار ایسا طرز عمل تو مسلمانی کے بھی منافی ہے۔ نبی کریم ﷺ سے محبت کا واحد معیار آپ ﷺ کی اطاعت و اتباع ہے۔ حقیقی ایمان والے وہی ہیں جو تمام عقائد و افعال کو بخوشی آپ ﷺ کی تعلیمات کے سامنے پیش کر کے، اصلاح کیلئے ہر لمحہ آمادہ رہتے ہیں۔ جب آپ ﷺ کی بات آجائے تو بلا چون و چراں فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ اسکے برعکس جس بدنصیب کی خواہش نفس و پسندیدہ مسلک و اکابرین آپ ﷺ کی تعلیمات کے سامنے قربان نہ ہو سکے اسکا عشق رسول محض ایک دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔

ہم پورے وثوق یہ بات کہتے ہیں اگر ہم ((محمد رسول اللہ ﷺ)) کو حقیقاً تسلیم کر لیں تو ہم سب ایک ہو جائیں، ہمارے اکثر اختلافات ختم ہو جائیں۔ کلمہ کے متعلق کسی نے کیا خوب کہا: ''کلمے کا پہلا حصہ یقینوں کی تبدیلی ہے کہ انسان کا پختہ یقین ایک اللہ پر ہو جائے اور دوسرا حصہ طریقوں کی تبدیلی ہے کہ اپنے

طریقوں کو نبی کریم ﷺ کے طریقوں کے مطابق ڈھال لیا جائے۔''

محض زبان سے کلمہ کا اقرار اور جنت!

عام طور پر لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ محض زبان سے کلمے کے ادا کرنے سے ہی جنت میں چلے جائیں گے۔اس ضمن میں روایت (من قال الا الہ الا اللہ دخل الجنۃ) بیان کی جاتی ہے۔اس روایت میں عدم ذکر ہے۔ہم یہ نہیں کہتے اجمالی ایمان کا کوئی فائدہ نہیں لیکن یقینی فائدہ تو کلمے کی سمجھ بوجھ کا ہی ہے۔اس ضمن میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ کسی ایک آدھی دلیل سے حتمی نتیجہ نکالنے کی بجائے تطبیق کرنی چاہئے یعنی اسی موضوع پر دیگر دلائل بھی دیکھنے چاہئیں تا کہ حقیقت تک رسائی ممکن ہو۔مزید یہ کہ صرف سند کی بنا پر حدیث کو صحیح قرار دینے کی بجائے سند کے ساتھ ساتھ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے وضع کردہ ''اصولِ درایت'' کو ملحوظ رکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے۔بات کو سمجھنے کیلئے کلمہ کی بنا پر بخشش کے حوالے سے درج ذیل روایت اور اس پر صحابیؓ کا کلام ملاحظہ کریں:

''حضرت محمود بن ربیعؓ روایت کرتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے حضرت عتبان بن مالکؓ کے گھر تشریف آوری کے دوران ابن دخشن (جسکی منافقین کے ساتھ دوستی اور انہی کے ہم رکاب رہنے کی وجہ سے دیگر صحابہؓ نے اسے منافق قرار دیا تھا) کے متعلق خلوص سے (**لاالہٰ الا اللہ**) پڑھنے کی وجہ سے دوزخ کے اس پر حرام ہونے کی خبر دی۔اور فرمایا: (**ان اللہ قد حرم علی النار من قال لاالہٰ الا اللہ یبتغی بذٰلک وجہ اللہ..**) ۔(جس شخص نے اللہ کی رضا کی خاطر لاالہٰ الا اللہ پڑھ لیا، اس پر اللہ نے دوزخ کو حرام کر دیا)....''(بخاری، رقم:425)

حضرت ابوایوب انصاریؓ نے جب یہ واقعہ سنا تو صاف انکار کر دیا اور فرمایا:

(**واللہ ما اظن رسول اللہ قال ماقلت قط**) (بخاری، کتاب التہجد، رقم:1186)

''اللہ کی قسم میرا رسول اللہ ﷺ کے متعلق ہرگز یہ خیال نہیں کہ آپ ﷺ نے ایسے کلمات فرمائے ہوں گے جو تم نے آپ ﷺ کی طرف منسوب کیے ہیں۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی حضرت ابوایوب انصاریؓ کے انکار کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ گنہگار موحدین جہنم میں نہیں جائیں گے۔حالانکہ یہ بات بہت سی آیات اور مشہور احادیث

کے خلاف ہے۔(فتح الباری، دمشق، مکتبۃ الغزالی، ج۔۳،ص۔۲۶)

یعنی سند درست ہونے کے باوجود درایت ومتن ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے حضرت ابوایوب انصاریؓ نے مذکورہ خبر کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف کرنے سے صاف انکار کردیا۔ کیونکہ اگر اس خبر کو درست مان لیا جائے تو قرآن حکیم اور سنت متواترہ کے کبائر کے متعلق اُصولوں کا وجود ہی بالکل ختم ہوجاتا ہے۔

اصول درایت کی وضاحت کیلئے دیکھئے ہماری تحریر ''قرآن مجید کی حاکمیت''

بطور تطبیق چند مزید دلائل ملاحظہ کریں:

(i) اللہ تعالیٰ نے سورہ عنکبوت، آیت:2 میں واضح کردیا:

﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ۝﴾

''کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنا کہنے پر کہ وہ ایمان لے آئے، چھوڑ دیا جائے گا، اوران کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔؟''

یہاں اس غلط فہمی کا مکمل ازالہ کردیا گیا ہے کہ محض زبان سے ایمان لانے کا اقرار کرلینے سے بات نہیں بنے گی جب تک انسان کلمے کے تقاضے پورے نہ کرے۔

(ii) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿فَاعۡلَمۡ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ﴾(سورہ محمد:19)

''پس اے نبی ﷺ! اس بات کی حقیقت جان لو کہ نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر اللہ''

اسی آیت کی دلیل پر امام بخاریؒ نے بخاری کتاب العلم میں باقاعدہ باب باندھا ہے:

((العلم قبل القول و العمل))

''اس بات کا بیان کہ علم وفہم کا مرتبہ قول اور عمل سے پہلے آتا ہے''

(iii) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من مات و هو يعلم انه لا اله الا لله دخل الجنة))(صحیح مسلم)

''جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ اس بات کی (حقیقت) جانتا ہو کہ نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر اللہ تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

یعنی بوقت وفات جس کلمہ کا اعتبار ہے، وہ ہے جو علم وشعور کے ساتھ ہو۔

(iv) آنحضور ﷺ نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں:(۱) جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے(۲)

جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے (۳) اور جب اسکے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔'' (بخاری ومسلم کتاب الایمان)، اسی ضمن میں ایک اور روایت میں ہے: (**وان صام وصلی و زعم انه مسلم**) 'اگر چہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے (پھر بھی وہ منافق ہے)۔'' (مسلم، کتاب الایمان)

یعنی کلمہ کے ساتھ نماز روزہ کے اہتمام کے باوجود بھی مذکورہ تین برائیوں کے ارتکاب پر منافقت کی وعید سنائی گئی۔ پھر محض کلمہ کے اقرار کے ساتھ کلمہ کے جملہ تقاضوں کو پورا نہ کرنے کے باوجود خوش فہمی کا شکار ہونا کیا عقلمندی ہے.....؟

<u>کلمے کے ثمرات کی ایک جھلک!</u> اگر عقل وشعور کے ساتھ یہ کلمہ من میں اتر جائے تو اس کلمے کے تمام احکامات کو تسلیم کرنے میں انسان کو لذت وسرور ملنا شروع ہو جاتا ہے چاہے لوگ کتنا ہی برا مانیں۔ اسی کیفیت کا عکس پیارے رسول ﷺ کے ان کلمات میں نظر آتا ہے جو آپ ﷺ فرض نماز کا سلام پھیرنے کے بعد پڑھتے:

((لا اله الا لله وحده لا شريک له، الملک وله الحمد وهو علی کل شیءٍ قدير، لا حول ولا قوة الا بالله، لا اله الا لله ولا نعبد الا اياه، له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن، لا اله الا لله مخلصين له الدين ولو کره الکا فرون)) (مسلم، ۱/۴۱۰)

''نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر ایک اللہ جسکا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہی اسی کی، حمد اسی کی، ہر چیز پر کامل قدرت وہی رکھنے والا، نہ کوئی زور نہ کوئی طاقت سوائے اک خدا کے سہارے، کوئی نہیں بندگی کے لائق سوائے اس اللہ کے، اس ایک کے سوا ہم نہیں کسی کو پوجنے والے، نعمت اسکی، فضل اسی کا، خوب سے خوب ستائش بس اسی کی، اسکے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، اطاعت وبندگی کو ہم صرف اسی کے لئے خالص کئے رہیں چاہے کافروں کو اس سے کتنی ہی تکلیف ہو۔''

سبحان اللہ! یہ کیفیات اسی کو نصیب ہوسکتی ہیں جسے اس کلمے کی حقیقت سے آگاہی ہو چکی ہو، اور اللہ کے پیارے حبیب ﷺ سے بڑھ کر یہ سعادت کسے نصیب ہوسکتی ہے۔

اس ضمن میں تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر ''توحید کا جامع تصور''

۞۞۞۞۞

4۔ تلاوتِ قرآن کا مفہوم

'**تلاوت**' قرآن مجید کی ایک اہم اصطلاح ہے۔اس حوالے سے بھی مسلمان غلط فہمی کا شکار ہیں۔لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ تلاوت سے مراد محض الفاظ کی رسمی ادائیگی ہی ہے اور اس اصطلاح کا اطلاق قرآن فہمی پر نہیں ہوتا اسلئے اسی پر اکتفا کر بیٹھتے ہیں۔اہل عرب کیلئے معاملہ مختلف ہے چونکہ وہ اہل زبان ہیں، وہ تلاوت کریں یا تدبر وہ قرآن فہمی سے محروم نہیں ہوتے۔

بہر کیف حقیقت حال یہ ہے کہ '**تلاوت**' کی اصطلاح الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ قرآن فہمی کے لئے بھی مستعمل ہے۔تلاوت لغت کے اعتبار سے ((تلیٰ، یتلو)) کسی کے پیچھے پیچھے آنا، کسی کی پیروی کرنا ہے، جیسے سورج اور چاند کی بابت آیا:

﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا o وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَاo﴾. (الشّمس:2-1)

''قسم ہے سورج کی اور اسکی روشنی کی، اور چاند کی جب اسکے پیچھے آئے۔''

یہاں وہی لفظ پیروی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰةُ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَo﴾

(آل عمران، آیت:93)

''ہر قسم کا کھانا تھا حلال بنی اسرائیل کیلئے مگر وہ جو حرام کر لیا تھا بنی اسرائیل نے خود اپنے اوپر تورات کے نازل ہونے سے پہلے۔فرما دیجئے لاؤ تورات اور اسکی تلاوت کرو (پڑھو) اگر تم سچے ہو۔''

یہاں بھی تلاوت کا لفظ محض رسمی تلاوت کی بجائے سمجھنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔مزید وضاحت کیلئے درج ذیل آیات پر غور و فکر کیجئے:

☆ ﴿وَ یَسْتَفْتُوْنَكَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِیْهِنَّ وَ مَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ﴾ (نسا:127)

''اور فتویٰ پوچھتے ہیں آپ سے عورتوں کے بارے میں، فرما دیجئے اللہ فتویٰ دیتا ہے تمھیں انکے بارے میں اور وہ آیات جو تم پر تلاوت کی جاتی ہیں اس کتاب کی (اس میں احکام ہیں) ان یتیم بچیوں کے متعلق جنہیں تم نہیں دیتے ہو جو حق مقرر کیا گیا ہے انکے لئے..''

☆ ﴿وَ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَo﴾

(قصص، آیت:53)

''اور جب انکے سامنے آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اس پر (یعنی ان احکامات کو مان گئے) بے شک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے، ہم اس سے پہلے ہی حق تسلیم کر چکے تھے۔''

ایمان لانا یعنی مانا اسی وقت جاتا ہے جب بات سمجھ آ جائے۔ بغیر سمجھ بوجھ محض رسمی الفاظ کی مشق کو ماننا بے معنی ہے۔

☆ ﴿اَلَمْ تَكُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَo﴾ (المومنون، آیت:105)

''(اہل جہنم سے کہا جائے گا) کیا ایسا نہیں تھا کہ تمھارے سامنے میری آیات تلاوت کی جاتی تھیں اور تم انہیں جھٹلایا کرتے تھے؟''

اسی طرح مزید دیکھئے: سورہ انعام آیت:۱۵۱، سورہ زمر، آیت:71 اور سورہ نمل آیت:۹۲۔

ان دلائل سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ تلاوت کا اطلاق محض رسمی الفاظی تک محدود نہیں بلکہ تلاوت کا اطلاق سمجھنے اور پیروی کرنے پر بھی ہوتا ہے۔ یہ بات درج ذیل حدیث پاک سے بھی بالکل واضح ہو جاتی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لم یفقه من قرا القرآن فی اقل من ثلاث))

(جامع ترمذی:2949، ابوداؤد:1394، مشکوٰۃ، کتاب فضائل اقرآن، سندہ صحیح)

''جو شخص تین دن سے کم مدت میں قرآن ختم کرتا ہے تو وہ قرآن فہمی سے محروم رہتا ہے۔''

اسلئے تین دن سے کم مدت میں قرآن ختم کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ یعنی قرآن مجید کو اتنی تیزی سے پڑھنا کہ مفہوم سمجھ ہی نہ آ سکے۔ کم از کم تین دن کی مدت اگر ختم قرآن کو دی جائے تو ہی الفاظ کی تلاوت کے ساتھ ساتھ انہیں سمجھنا ممکن ہے۔ اسی تناظر میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''قرآن اس وقت تک پڑھو جب تک تمھارے دل اس پر متوجہ ہوں اور جب تمھارے خیالات منتشر ہو جائیں تو پھر اسے پڑھنا چھوڑ دو۔'' (متفق علیہ، مشکوٰۃ، کتاب فضائل القرآن)

دوران تلاوت دل کا الفاظ پر متوجہ ہونے کا تقاضا بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ الفاظ کے ساتھ معنی پیش نظر رہے۔ یہ بات حفاظ قرآن کے ضمن میں بھی واضح ہو جاتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں حفظ قرآن کا مطلب بغیر سمجھ محض الفاظ کی مشق ہی لیا جاتا ہے جبکہ حقیقت حال کچھ یوں ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے قرآن پڑھا، اسے یاد (حفظ) کیا اور اسکے حلال کو حلال اور اسکے حرام کو حرام جانا تو اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور اسکے اہل خانہ کے ان دس افراد کے بارے میں اسکی سفارش قبول فرمائے گا جن پر جہنم واجب ہو چکی تھی۔''

(ترمذی: 2905، ابن ماجہ: 216، مشکوٰۃ، فضائل القرآن)

اگر الفاظ کے معانی ہی معلوم ہی نہ ہوں تو کیسے معلوم ہوگا کہ قرآن کے احکامات کیا ہیں، اور وہ ہم سے کیا تقاضا کر رہا ہے.....؟

اس بات کو ایک اور انداز میں نبی کریم ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا:

''جس شخص نے قرآن پڑھا اور اسکے مطابق عمل کیا تو روز قیامت اسکے والدین کو ایک تاج پہنایا جائے گا جسکی روشنی تمھارے دنیا کے گھروں میں چمکنے والے سورج کی روشنی سے زیادہ اچھی ہوگی'' (مسند احمد: 440/3، ابوداؤد: 1453، مشکوٰۃ، فضائل القرآن)

قرآن پڑھ کر اس پر عمل کی نوبت تو اسی وقت آسکتی ہے جب اسکی سمجھ بھی آئے کہ وہ ہم سے کیا تقاضا کر رہا ہے.....؟

قرآن سیکھنا اور سمجھنا کتنا عظیم کام ہے ملاحظہ کریں:

''حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس حال میں تشریف لائے کہ ہم صفہ میں تھے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ روزانہ صبح بطحان کی طرف یا عقیق کی طرف جائے اور وہاں سے بغیر کسی گناہ اور بغیر کسی قطع رحمی کے دو بڑے بڑے کوہان والی اونٹنیاں لے آئے؟ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم

سب یہ پسند کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے صبح کوئی مسجد کی طرف نہیں جاتا کہ وہ اللہ کی کتاب کی دو آیتیں خود سیکھے یا سکھائے یہ اسکے لئے دو اونٹنیوں سے بہتر ہے اور تین تین سے بہتر ہے اور چار چار سے بہتر ہے، اسطرح آیتوں کی تعداد اونٹنیوں کی تعداد سے بہتر ہے۔'' (صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب فضائل قرآن)

قرآن مجید سیکھنے کی اتنی بڑی فضیلت کہ ایک آیت کو سمجھنا بڑے کوہان والی ایک اونٹنی سے بھی افضل ہے۔ یہاں سیکھنے سے مراد آیات کو سمجھنا ہی ہے کیونکہ جن سے مخاطب ہوا جارہا ہے عربی تو انکی اپنی زبان تھی۔ پھر بروز قیامت نبی کریم ﷺ کی قرآن مجید بارے شکایت:

﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا o﴾

(الفرقان، آیت:30)

''اور عرض کریں گے رسول ﷺ کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا (نظرانداز کیا تھا)''

پس پشت ڈالنا درحقیقت قرآن فہمی سے دور رہنا اور اس پر عمل پیرا نہ ہونا ہی ہے۔ اس سے بھی یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ پڑھنے کے ساتھ سمجھنا ضروری ہے۔ بہرکیف ہم عجمیوں کیلئے انشاءاللہ قرآن مجید کی تلاوت بھی فائدہ دے گی اگر ہم اسے سمجھنے کیلئے بھی کوشاں ہوں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ محض رسمی تلاوت کو ہی کافی نہ سمجھا جائے، بلکہ قرآن مجید کے نزول کے اصل مقصد ''اسے ضابطہ حیات بنانے'' یعنی اسے سمجھنے اور عمل پیرا ہونے کی طرف توجہ دی جائے جیسا کہ پروردگار عالم نے فرمایا:

﴿کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾

(سورہ ص، آیت:29)

''یہ ایک بہت بابرکت کتاب ہے جو (اے نبی ﷺ) ہم نے تمھاری طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اسکی آیات پر غور کریں اور عقل وفکر رکھنے والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔''

تلاوتِ قرآن۔حرف آخر

اس ضمن میں حرف آخر کے طور پر درج ذیل آیت کریمہ پر غور فرمائیں:

﴿بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾ (سورۃ النحل، آیت:44)

''بھیجا تھا انکو کھلی نشانیاں اور کتابیں دے کر اور اتارا تم پر بھی ہم نے یہ ذکر کہ آپ کھول کھول کر بیان کر دیں اسے انسانوں کے سامنے وہ تعلیم جو نازل کی گئی ہے انکے لئے اور تا کہ وہ غور و فکر کریں''

یہاں رب کریم نے یہ بات کھول کر بالکل واضح انداز سے بیان فرما دی ہے کہ قرآن کو نازل کرنے کا بنیادی مقصد اس پر غور و فکر کرنے اور سمجھنے کے سوا کچھ نہیں کیونکہ یہ انسان کا دستور حیات ہے۔اسی پر دیگر فوائد و برکات کا دارومدار ہے۔جس طرح دنیا میں بننے والی پیچیدہ مشینوں کے صحیح استعمال کے لئے ان کے ساتھ ہدایت نامہ (Instructions/Guiding Manual) جاری کیا جاتا ہے۔انسان کی مشین کائنات کی پیچیدہ ترین مشین ہے جسے اپنی سلامتی اور صحیح طور پر چلنے کے لیے ایسے ہدایت نامے کی ضرورت تھی جو جسمانی اور روحانی دونوں لحاظ سے رہنمائی فراہم کر سکے۔یہ ہدایت نامہ قرآن مجید ہے اور نبی کریم ﷺ اس ہدایت نامے کی عملی تصویر ہیں۔یوں انسان کے لیے دو عظیم ترین نعمتیں قرآن مجید اور اللہ ﷻ کے پیارے رسول ﷺ ہیں۔

کتاب الٰہی سے ہمارا تعلق!

افسوس کہ تلاوت کی بابت مذکورہ غلط فہمی کی بنا پر قرآن مجید سے محبت کرنے والے بھی بغیر سمجھے قرآن پر قرآن ختم کرتے جاتے ہیں..... لیکن ایک رکوع بھی سمجھنے کی توفیق نہیں ملتی۔جبکہ عام لوگوں کی حالت اس سے بھی قابل رحم ہے:

عام طور پر جب کبھی ہمیں دنیاوی غرض و غایت لاحق ہو، نقصان یا خوف کا اندیشہ ہو، جان کنی کا مسئلہ ہو، بیماری یا پریشانی لاحق ہو..... تو ان حالات میں ہم اس کتاب کی طرف حسب ضرورت رجوع کرتے ہیں: قول و قسم اٹھانے کے لئے، تعویذات بنانے یا مخصوص آیات کے وظیفے کے لئے، خطرات اور

پریشانیوں سے بچنے کی خاطر اسکا نسخہ گھروں میں رکھنے کے لئے۔اسی طرح مختلف پرگراموں کے آغاز کے لئے رسمی تلاوت کی حدتک، علماء حضرات کا تعلق اپنے اپنے پسندیدہ مسالک اور فرقوں کی بالادستی کے لئے چیدہ چیدہ آیات کو بنیاد بنانا اور تاویلات کرنا، حفاظ کا الفاظ کی زبانی مشق اور قراء حضرات کی ساری زندگی الفاظ کی ادائیگی کے فن میں ایک دوسرے پر برتری جتانے میں ہی گزر جاتی ہے۔قرآن مجید کی تلاوت کو مزین کرنا پسندیدہ عمل ہے لیکن حد سے تجاوز کرتے ہوئے شب وروز الفاظی کی مہارت میں گزار دینا اور اس کتاب کے بنیادی مقصد یعنی فہم قرآن سے محروم رہنا بہت بڑا خسارہ ہے۔

اگر ہم فائدہ اٹھانا چاہیں تو الحمد للہ مذکورہ ضمن میں حقیقت سے آگاہی کیلئے ٹھوس دلائل پیش کر دیئے گئے ہیں۔اگر ہم اپنا فائدہ چاہتے ہیں تو تلاوت کے ساتھ ساتھ قرآن سمجھنے کی طرف بھی توجہ دیں۔اللہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

5۔نماز

تحریر کا مقصد: 'دین' عقائد ونظریات، عبادات، اخلاقیات ومعاملات اور معاشیات پر مشتمل ہے۔دین کا نقطہ آغاز ایمان ومعرفت ہے جس سے قلب میں شکر ومحبت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور نماز اس شکر ومحبت کا اولین مظہر اور پھر پورے دین کا سرچشمہ ہے۔انسان سے اصل چیز جو اللہ کو مطلوب ہے وہ 'عبادت' ہی ہے (دیکھئے سورہ الذاریات، آیت:۵۶)۔اور باقی ماندہ دین عبادت کا تقاضا ہے۔عبادت کا تقاضا ہے کہ ہمارے نظریات اور ہمارے اخلاقیات ومعاملات درست ہونے چاہئیں۔عبادات میں سے سب سے اہم عبادت 'نماز' ہے۔یہ وہ بنیادی عبادت ہے جس کی ادائیگی ہر دن اور ہر رات کے عوض فرض ہے۔نماز کے تکرار سے انسان اپنے رب سے اپنا تعلق تر وتازہ کر کے اپنی روح کی آبیاری کر کے پاکیزگی حاصل کرتا ہے۔جس کی زندگی سے نماز نکل گئی وہ ہلاک ہوگیا۔اس ضمن میں ضروری معلومات واضح کرنا تاکہ نماز ہماری زندگی کا لازمی جزو بن جائے اور ہم نماز کی اصل کو پالیں، اس تحریر کا بنیادی مقصد ہے۔

نماز کی غایت

نماز ہم پر کیوں فرض کی گئی ہے؟ اسکے درج ذیل پانچ بنیادی مقاصد ہیں:

(۱)۔بُلاوے پر حاضری (Lubaik)، (۲)۔اعضائے بدن کو مطیع وفرمانبردار بنانا، (۳)۔دین کے بنیادی تقاضوں کے قول وقرار سے راہِ نجات پر قائم رہنا، (۴)۔یادِ الٰہی سے قلوب کی گرمائش اور تزکیہ نفس، (۵)۔اہل اسلام کی باہم اتحاد ویکجہتی۔

ان کے علاوہ: بُرائی میں رکاوٹ، گناہوں کا کفارہ، جسمانی طہارت اور اعضا کی فٹنس (Fitness) سمیت بہت سے دیگر فائدے بھی ہیں۔

ان کی تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: (پمفلٹ: غایت صلوٰۃ)

نماز کی اہمیت

اسلام میں داخلہ: نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے انسان اہل کفر سے اہل اسلام میں داخل ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاِنۡ تَابُوۡا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوۡا سَبِیۡلَھُمۡ﴾(التوبہ:9:آیت:5)

''پس اگر وہ توبہ کرلیں،نماز قائم کریں اورزکاۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔''

<u>نماز کی حفاظت:</u> پروردگار نے قرآن مجید میں انتہائی تکرار کے ساتھ(۷۰۰مرتبہ)نماز کا ذکر کیا۔نماز کے قائم کرنے کا حکم دیا اوراسکی محافظت کی تلقین فرمائی:

﴿حٰفِظُوۡا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوۃِ الۡوُسۡطٰی وَ قُوۡمُوۡا لِلّٰہِ قٰنِتِیۡنَ﴾(البقرہ:2:آیت:238)

''نمازوں کی(ادائیگی کی)حفاظت کرو،بالخصوص درمیانی(عصر کی)نماز کی۔''

اللہ تعالیٰ نے مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَالَّذِیۡنَ ھُمۡ عَلٰی صَلَوَاتِھِمۡ یُحَافِظُوۡنَ﴾(المومنون:23:آیت:9)

''اوروہ لوگ جواپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔''

جنت میں اعزاز واکرام پانے والوں کے متعلق فرمایا:

﴿الَّذِیۡنَ ھُمۡ عَلٰی صَلَاتِھِمۡ دَآئِمُوۡنَ﴾(المعارج:70:آیت:23)

''وہ لوگ جونمازوں پر مداومت(ہمیشگی)اختیار کرنے والے ہیں۔''

جس طرح انسان اپنی سب سے زیادہ قیمتی اشیاء(مال،پرس، والدین،اولاد) کی حد درجہ حفاظت کرتا ہے،اسی طرح نماز کی حفاظت کا تقاضا کیا گیا ہے۔پروردگار کی اس پرزور تاکید کے بعد نماز سے غفلت کا کیا عذر رہ جاتا ہے؟

<u>نماز اسلام کا دوسرا بنیادی رکن:</u> رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے:(۱) اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ(جل جلالہ)کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد(ﷺ)اللہ کے رسول ہیں،(۲)نماز قائم کرنا،(۳)زکاۃ ادا کرنا،(۴)حج کرنا اور(۵)رمضان کے روزے رکھنا۔(بخاری،الایمان،رقم:8،مسلم)

معلوم ہوا توحید ورسالت کے اقرار کے بعد دیگر عبادات میں سے سب اہم رکن نماز ہے۔

نوٹ: اس بات کا یہ مطلب نہیں کہ اخلاقیات ومعاملات دین میں ضروری نہیں۔بلکہ یہاں بالخصوص نظریات اورعبادات کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔اخلاقیات ومعاملات پر الگ سے قرآن وسنت میں

احکامات موجود ہیں۔

سب سے افضل عمل: سیدنا ابن مسعود سے روایت کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کون سا عمل سب سے افضل ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''نماز کو (ترجیح کے ساتھ) اسکے وقت پر ادا کرنا، میں نے عرض کیا پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا، میں نے کہا پھر کون سا؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔'' (بخاری مواقیت الصلاۃ، رقم: 527، مسلم)

بے نمازی کا بُرا انجام: رسول اللہ ﷺ نے خبردار کیا:

''جس شخص نے نماز کی حفاظت کی اسکے لئے نماز بروزِ قیامت: نور، برہان اور نجات کا باعث ہوگی اور جس نے نماز کی حفاظت نہ کی اس کے لئے نہ نور ہوگا، نہ برہان اور نہ نجات۔ نیز قیامت کے روز اسکا انجام قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔''

(ابن حبان، رقم: 1467: سندہ حسن)

اسلام اور کفر و شرک کے درمیان حد فاصل: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ o﴾ (روم: 30: آیت: 31)

''اسی (اللہ) کی طرف رجوع کئے رہو اور اس سے ڈرتے رہو اور نماز قائم کرو اور (نماز قائم نہ کرکے) مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔''

اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ مسلمان نماز قائم کرتے ہیں جبکہ نماز کو قائم نہ کرنا مشرکوں کا کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بين الرجل و بين الشرک و الكفر ترک الصلاة))

(مسلم، کتاب الایمان، رقم: 82)

''آدمی اور شرک یا کفر کے درمیان حد فاصل ترکِ نماز ہے۔''

''جب تمھارے بچے سات برس کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو۔ جب دس برس کے ہو جائیں اور نماز باقاعدگی سے نہ پڑھیں تو نماز پڑھانے کیلئے انہیں مارو، نیز دس برس کی عمر

کے بچوں کو علیحدہ علیحدہ بستروں پر سلاؤ۔'' (ابوداؤد، رقم:494)

کسی ایک نماز کا فوت ہوجانا: صرف ایک نماز کا فوت ہوجانا ایسا ہے جیسے مال اور اہل وعیال سب لُٹ جائے۔آپ ﷺ نے تخصیص کے ساتھ نماز عصر کی بابت فرمایا:

''جس شخص کی نماز عصر فوت ہوجائے، اس کی حالت اس شخص کی طرح ہے جس کا اہل وعیال اور مال واسباب سب ہلاک ہوگیا۔'' (متفق علیہ)

یعنی جس شخص کو کامل ایمان نصیب ہو اس کے نزدیک نماز کی اہمیت اسی طرح ہوگی جیسی کہ بیان ہوئی۔نماز کے بارے میں جو شخص جتنا لاپرواہ ہوگا اتنا ہی ایمان ناقص ہوگا۔

رینگ کر جماعت میں شمولیت: نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''منافق لوگوں پر فجر اور عشاء سے گراں کوئی نماز نہیں، اگر انہیں ان دونوں نمازوں میں جو (اجر وثواب) ہے، اسکا علم ہوجائے تو وہ دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں (یا سرین) پر گھسٹتے ہوئے (بھی) انکے لئے پہنچ جائیں۔میں نے ارادہ کیا کہ مؤذن کو حکم دوں کہ وہ اقامت کہے، پھر ایک آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرائے اور خود آگ کا ایک شعلہ لے کر ان لوگوں کے گھروں کو جلادوں جو اس (اذان واقامت) کے بعد نماز کیلئے نہیں نکلتے۔'' (بخاری کتاب الاذان، رقم:644، مسلم)

سب سے پہلے نماز کا حساب: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بروز قیامت بندے سے سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ اسکی نماز ہے۔اگر نماز درست نکل آئی تو بندہ کامیاب وکامران ہوگا اور نماز خراب نکل آئی تو ناکام ونامراد ہوگا۔'' (ترمذی، الصلاۃ، رقم:413)

یعنی نماز نجات کا معیار ہے۔اگر کسی کی زندگی نماز سے خالی ہے تو اسکی ڈھیروں نیکیاں بھی شاید کام نہ آسکیں۔

سب سے اہم نماز: سیدنا عمرؓ نے فرمایا:

''تمھارے معاملاتِ دیدنی میں میرے نزدیک سب سے اہم نماز ہے۔جو اسکی حفاظت و نگہداشت کرے گا وہ اپنے پورے دین کی نگہداشت کرے گا اور جو اسکو ضائع کردے گا وہ بقیہ دینی امور کو بدرجہ اولیٰ ضائع کردے گا۔'' (موطا امام مالک: کتاب قوت الصلوٰۃ، رقم:٦)

نماز کے عظیم ثمرات

ہر کام کے کچھ آداب وشرائط ہوتے ہیں۔اگر انہیں ملحوظ نہ رکھا جائے تو عمل نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو پاتا۔تخم کے بارآور ہونے کیلئے اتنا کافی نہیں کہ اسے زمین میں پھینک دیا جائے بلکہ زمین کو زرخیز کرنا، پانی، ہوا اور موزوں درجہ حرارت کا ہونا بھی ضروری ہے۔یہی حال نماز کا ہے۔اگر اسے بنالیا جائے تو بلاشبہ اسکی برکتیں بے پایاں ہیں۔یہ ایک ہی چیز زمین و آسمان کی سعادتیں بخش سکتی ہے۔حقیقی نماز شکر و محبت کے چشمہ سے ابلتی اور تمام شریعت کو وجود میں لاتی اور پھر اسکی نگہداشت کرتی ہے۔اگر نماز بن جائے تو درج ذیل ثمرات یقینی ہیں:

(۱)۔ برائی میں رکاوٹ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ﴾ (العنکبوت:29:آیت:45)

''اور نماز کو قائم کرو، یقیناً نماز بے حیائی اور منکر کاموں سے روکتی ہے۔''

اگر نماز بن جائے، نماز کی ترجیح اور خشیت حاصل ہوجائے تو نماز یقیناً انسان کے اندر کو تبدیل کرنا شروع کردیتی ہے۔نماز اور مسجد سے باہر والی چوبیس گھنٹے کی زندگی بھی اللہ کے حکم کے تابع ہوجاتی ہے۔برائیوں کے خلاف نفرت، نظر میں حیاء، اور نیکیوں کے لئے آمادگی اور سبقت پیدا ہونا شروع ہوجاتی ہے۔لیکن اگر نماز ترجیح، فکر اور خشوع سے خالی ہو تو اسکے مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہو پاتے۔

(۲)۔ قلبی سکون واطمینان: اگر واقعی نماز بن جائے۔نماز کا ظاہر اور باطن درست ہوجائے تو نماز کے ساتھ انتہائی وابستگی والفت پیدا ہوجاتی ہے۔نماز کی حالت میں انسان انتہائی سکون واطمینان نصیب پاتا ہے۔تسکین وراحت کی کیفیات نصیب ہوجاتی ہیں۔نماز میں دل لگنا شروع ہوجاتا ہے۔نماز کو جلد ختم کر کے نماز سے نکلنے کی بجائے نماز کی تسلی کے ساتھ ادائیگی اور طوالت پر دل جم جاتا ہے۔کتنے قابل رشک ہیں وہ لوگ جو ان کیفیات تک پہنچ گئے۔ہمارے پیارے رسول نے نماز کو آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا، فرمایا:

''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔'' (السلسلۃ صحیح للبانی:1809)، نسائی:۱۹۳۴،

(۳)۔ اللہ تعالیٰ کی سپرداری: آپ ﷺ نے فرمایا:

''تین قسم کے لوگ ان سب کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے۔ان میں سے ہر ایک اگر زندہ رہے تو

اسے رزق دیا جائے اور اسکی کفایت کی جائے گی اور اگر فوت ہو گیا تو اسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائیں گے: (۱)۔ جو اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کہے تو اللہ تعالیٰ اسکے ضامن ہیں، (۲) مسجد کی طرف (نماز کیلئے) نکلے تو اللہ تعالیٰ اسکے ضامن ہیں، (۳) جو اللہ کی راہ میں نکلے تو اللہ تعالیٰ اسکے ضامن ہیں۔'' (ابن حبان، کتاب البر والاحسان: رقم:499: سندہ صحیح)

اللہ تعالیٰ کی قوی، جلیل القدر، مضبوط اور قابل اعتماد حفاظت وسپرداری لینے پر کیا ہمیں مطمئن نہیں ہو جانا چاہئے؟

مزید یہ کہ دنیوی مصائب وآلام میں نماز کی طرف رجوع مصائب سے نجات کا زبردست سہارہ ہے:

﴿ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ o﴾ (البقرہ:2: آیت:45)

''صبر اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔ یہ (نماز) بہت بھاری ہوتی ہے سوائے ان لوگوں کے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو آپ ﷺ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ (ابوداود، رقم:1319)

ہمیں بھی اپنی مشکلات کے ازالے کیلئے سب سے پہلے نوافل کے ذریعے، اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

(۴)۔ <u>جسمانی اور روحانی پاکیزگی:</u> پانچ وقت طہارت کا اہتمام شب وروز کی جسمانی پاکیزگی اور پانچ وقت اللہ کی یاد اور اسکی اطاعت وفرمانبرداری گناہوں کے دھلنے سے روحانی پاکیزگی کا باعث بنتی ہے، جیسا کہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

''بھلا بتلاؤ، اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے پر نہر بہہ رہی ہو جس سے وہ روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو، کیا اس کے جسم پر کوئی میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہ نے عرض کیا اس کے جسم پر کوئی میل باقی نہیں رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پس یہی پانچ نمازوں کی مثال ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔'' (بخاری، مواقیت الصلوٰۃ، رقم:528، مسلم)

مزید فرمایا:

''پانچ نمازیں اور جمعہ، دوسرے جمعے تک ان کے گناہوں کا کفارہ ہے جو ان کے درمیان ہوں گے جب تک کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کیا جائے۔'' (مسلم، الطہارہ، رقم:233)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ نے فرمایا:

''جو شخص جماعت والی مسجد کی طرف جائے، تو اسکا ایک قدم گناہ مٹاتا ہے اور دوسرے قدم کی وجہ سے نیکی لکھی جاتی ہے، جاتے ہوئے بھی اور واپس آتے ہوئے بھی۔'' (المسند، رقم:6599، صحیح ابن حبان، کتاب الصلاۃ، رقم:2039، سندہ حسن)

(۵)۔اخروی انعام: نماز کا اہتمام اخروی نجات، رب کی رضا، اللہ کی مہمانی اور بہت بڑے انعام و اکرام کا موجب ہوگی، نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص صبح یا شام مسجد کی طرف چل کر جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اسکے لئے جنت میں مہمانی تیار کرتا ہے۔'' (بخاری، الاذان، رقم:662، مسلم)

''اندھیروں میں مساجد کی طرف چل کر آنے والوں کو قیامت والے دن، کامل روشنی ملنے کی خبر سنادو۔'' (ابوداود، الصلاۃ، رقم:561، ترمذی)

سبحان اللہ! کیا ان عظیم سعادتوں کو سمیٹنے کیلئے ہمارے اندر شوق اور جذبہ پیدا نہ ہوگا؟

نماز کو بنانے کے لوازم

وہ نماز جو مذکورہ عظیم ثمرات کا موجب بنے اسکے درج ذیل تین لوازم ہیں:

(۱)۔فکر وحفاظت: نماز کی فکر، اسکی حفاظت اور اولین ترجیح کے ساتھ نماز پر مداومت (ہمیشگی) اختیار کرنا۔ جیسا کہ نماز کی اہمیت کے ضمن میں واضح کر دیا گیا:

دیکھئے: المومنون:23: آیت:9 ، المعارج:70: آیت:23۔

جس طرح انسان اپنی سب سے زیادہ قیمتی اشیاء (مال، پرس، والدین، اولاد) کی حد درجہ حفاظت کرتا ہے، اسی طرح نماز کی حفاظت کا تقاضا کیا گیا ہے۔ٹھیک وقت پر نماز کیلئے حاضر ہونا دراصل بندے کی طرف سے اس بات کا مظاہرہ ہے کہ وہ آقا کی پکار فوراً دوڑ پڑنے کیلئے تیار ہے۔ جو اس اہم ترین وقت پر اللہ کے گھر میں نظر نہ آئے وہ گویا اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ اسے اللہ کی پکار سے زیادہ نفس کی پکار عزیز ہے۔

(۲)۔جماعت کی پابندی: تنہا نماز پڑھنے کی بجائے جماعت سے ادائیگی کا تقاضا کیا گیا ہے۔ بلا عذر

جماعت ترک کرنا گناہ ہے۔وہ نماز جس میں جماعت کی پابندی نہیں اس سے مذکورہ عظیم ثمرات حاصل نہیں ہو سکتے۔تفصیل کیلئے دیکھئے:(فریضہ نماز باجماعت:نجات کی پکار۔9)

(۳)۔خشوع وخضوع: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلاَتِهِمْ خَاشِعُوْنَo﴾ (المومنون:23:آیت:1-2)

''یقیناً مراد کو پہنچ گئے وہ اہل ایمان جو اپنی نمازوں میں خشیت اختیار کرنے والے ہیں۔''

نماز فلاح وسعادت کی ضامن ہے،اسکی روح خشوع اور اسکی خصوصیت مداومت ہے۔نماز کے ذریعے اللہ کا قرب پانے کیلئے یہ ضروری ہے کہ نماز کے ظاہری ارکان بھی عجلت کی بجائے تسلی سے ادا کئے جائیں۔ ظاہری ارکان کی درستگی کے ساتھ ساتھ نماز کے باطن کے خشوع کی بھی بھرپور کاوش کی جائے۔نماز کے دوران توجہ نماز کے اندر رکھی جائے۔نماز کا معنی ومفہوم ازبر کیا جائے اور توجہ الفاظ کے معنی ومفہوم پر رکھی جائے۔آدمی کا رکوع اور سجدہ دراصل اس بات کا عملی اقرار ہے کہ اس نے پوری زندگی اللہ کے سپرد کر دی ہے۔اس نے اپنے وجود اور اثاثے کو اللہ کے آگے ڈال دیا ہے۔جس کی مسجد کی نماز اس کی پوری زندگی نہیں بن سکی تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ ابھی صلوٰۃ خشوع سے محروم ہے۔خشوع والی نماز سے انسان یقیناً اللہ کا قرب پاتا ہے۔روحانی طور پر اللہ سے جڑ جاتا ہے۔اللہ کو اپنے بہت قریب محسوس کر کے لذات حاصل کرتا ہے،جیسا کہ پروردا گر نے فرمایا:﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ o﴾. ''سجدہ کر اور (اپنے رب کے) قریب ہو جا۔''(العلق:96:آیت:19)

یہ وہ عالم ہے جو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔وہی خوش نصیب اسکے بارے میں جانے جسے یہ کیفیات نصیب ہوں۔

نماز میں دل کا نہ لگنا

عام طور پر انسان کا دل نماز میں نہیں لگتا،انسان تسلی سے ادائیگی کی بجائے اسے جلد ختم کر فارغ ہونا چاہتا ہے۔نماز میں دل لگانے اور اسے پانے کیلئے درج ذیل باتوں کو زندگی میں لانا ناگزیر ہے:

(ا)۔نماز کی طرف جانے سے قبل یہ نیت کریں کہ میں نے فوراً نماز ختم کرنے کی بجائے اس میں کچھ وقت گزارنا ہے تا کہ شکر بجالایا جا سکے اور اللہ کے ساتھ تعلق پیدا ہو۔

(۲)۔دوران نماز یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس وقت میں زندگی کا سب سے اہم کام کر رہا ہوں۔دیگر وہ کام جن کیلئے شیطان مجھے نماز کو عجلت سے پڑھ کر جلد ختم کرنے پر اکسا رہا ہے وہ نماز سے کم اہمیت کے ہیں۔لہٰذا اس کام کو تسلی سے کرنے کے بعد ہی باقی کاموں کی باری ہے۔انشاء اللہ اس سوچ کے پیدا ہوتے ہی شیطان کا زور ٹوٹ جائے گا۔اگر وقت کم ہے تو کم از کم فرائض کو تو اچھی طرح ادا کر لیا جائے۔

نماز کی سکون واطمینان سے ادائیگی کیلئے مذکورہ دو باتیں ہی کافی ہیں،لیکن مزید دو باتیں اور ہیں:

(۱)۔اس خیال سے نماز ادا کرنا کہ ہوسکتا ہے یہ زندگی کی آخری نماز ہو اور اسکے بعد مجھے یہ موقعہ نہ مل سکے۔اس تصور کے آتے ہی نماز میں دل لگنا شروع ہوجاتا ہے۔

(۲)۔نماز کے الفاظ کے معنی ومفاہیم اچھی طرح سے یاد کرنا اور ان کی طرف دیہان رکھنا۔الفاظ اسکے معنی و مفاہیم کے ساتھ چمٹ جانے سے نماز میں یکسوئی نصیب ہوجاتی ہے۔

پیارے دوستو! ساری کائنات کی ہم آہنگی و یک جہتی انسانی فطرت کو دعوت دیتی ہے کہ جب سب اسکی بندگی میں لگے ہوئے ہیں تو انسان بھی اسکی بندگی کیلئے کمر بستہ ہوجائے۔جب زمین کے جانوروں،جنگل کے درختوں،فضا کی چڑیوں،سمندر کی مچھلیوں اور آسمانوں کے تاروں میں سے کوئی بھی اس سے باغی نہیں ہے،تو انسان جو اشرف المخلوقات ہے،اس سے کیوں بغاوت کرے؟

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَ الۡاَرۡضُ وَ مَنۡ فِيۡهِنَّ﴾ (بنی اسرائیل:17:آیت:44)

''ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ بھی ان کے مابین ہے،سب اسی کی تسبیح بیان کرتے ہیں''

آئیں ہم بھی پنجگانہ نماز کے قیام و اہتمام کے ذریعے اپنے رب کی فرمانبرداری اور اسکے قرب میں آجائیں۔

۞۞۞۞۞

6۔ فریضہ نمازِ باجماعت

باجماعت نماز کا مقصد اہل ایمان کا وقفے وقفے سے ایک دوسرے سے میل ملاپ ہے۔اس کا مقصد ایک دوسرے کے حال احوال سے آگاہی سمیت دنیوی مشکلات،اونچ نیچ، بیماری وپریشانی،ضروریات.... میں باہمی رہنمائی اور تعاون کے مواقع، وحدت ویگانگت کے جذبات کا فروغ اورایک صحت منداورفعال معاشرے کی تعمیر کرنا ہے۔ جماعت وقت کی پابندی،مساوات کا عملی مظاہرہ اورغرورو برتری کے خاتمے کا باعث ہے۔ یہ اسلئے ہے کہ اطاعتِ امیر کا جذبہ پیدا ہو،اتحاد،نظم وضبط اورنیکیوں میں سبقت کی راہ ہموار ہو سکے۔مزید یہ کہ: پنجگانہ باجماعت نماز، ہفتہ وار جمعہ اورعیدین کے مواقع پر اجتماعی اکٹھ ،اصلاح وتزکیہ کے ساتھ ساتھ کفار پر رعب ودبدہ کا موجب بھی ہے۔اس مقصد کے حصول کیلئے مرد حضرات سے باجماعت نماز کا تقاضا کیا گیا ہے،لیکن افسوس کہ وہ لوگ جو باقاعدگی سے نمازِ پنجگانہ ادا کرتے ہیں،ان میں سے بھی کئی '**جماعت**' کا اہتمام نہیں کرتے ۔ بلا عذر ترکِ 'جماعت' یا 'پہلی فرصت' میں ترجیح کے ساتھ نماز ادا نہ کرنا کتنا بڑا خسارہ ہے.....؟اس ضمن میں یہاں ضروری رہنمائی پیش خدمت ہے:

نمازِ باجماعت کی فضیلت واہمیت

<u>نمازِ باجماعت کی منفرد نماز پر فضیلت:</u> سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع و عشرين درجة))**

''باجماعت نماز منفرد نماز سے ستائیس گنا افضل ہے۔'' (بخاری کتاب الاذان، باب فضل صلاۃ الجماعۃ)

<u>رینگ کر جماعت میں شمولیت:</u> پیارے رسول ﷺ نے فرمایا:

((ولو يعلمون ما في العتمة والصبح لا تو هما ولو حبوا))

''عشاء اور فجر میں جو کچھ(اجروثواب)ہے، اگر لوگوں کو علم ہوجائے، تو وہ ان دونوں(نمازوں) میں ہاتھوں اور گھٹنوں یا سرین پر گھسٹتے ہوئے(جماعت میں) پہنچیں۔'' (صحیح بخاری کتاب الاذان، باب الصّف الاول، مسلم کتاب الصلاۃ)

کاش ہم اس بات پر غور کرنے والے اور اس سے سبق حاصل کرنے والے بن جائیں۔ (آمین)

نمازِ باجماعت کی فرضیت

باجماعت نماز کا حکم ربانی: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

﴿وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ۝﴾

''نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ (یعنی جماعت کے ساتھ)۔'' (سورۃ البقرہ، آیت:43)

اس آیت کے تحت نمازِ باجماعت کے وجوب کے دلائل میں علامہ ابوبکر کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ باجماعت نماز ادا کرنے کا حکم ہے اور قرینے یا رکاوٹ سے خالی (صیغہ) امر، عمل کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔'' (بدائع الصنائع 155/1)

حالت خوف میں باجماعت نماز کا حکم ربانی:

سورۃ النساء آیت:۱۰۲ میں اللہ تعالیٰ نے عین جنگ کی حالت میں بھی اپنے بچاؤ کا خیال کرتے ہوئے انفرادی نماز کی بجائے باجماعت نماز کا حکم نازل فرمایا ہے اور آنحضور ﷺ نے اس شدید مشکل حالت میں بھی جماعت سے نماز پڑھائی۔ تو پھر حالت امن میں ترک جماعت کیسے قابل قبول ہوگی.....؟ اسی آیت کے تحت امام منذرؒ لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کا حالت خوف میں نمازِ باجماعت ادا کرنے کا حکم دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حالت امن میں اسکا واجب ہونا مزید بڑھ جائے گا۔''

(الاوسط فی السنن والاجماع والاختلاف 135/4)

متعدد عذروں کے باوجود جماعت چھوڑنے کی اجازت نہ دینا:

نابینا صحابی سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے مسجد میں باجماعت نماز سے رخصت حاصل کرنے کی خاطر آنحضور ﷺ کے سامنے متعدد عذر پیش کئے، عرض کیا:

((یا رسول اللہ ﷺ! انی رجل ضریر البصر، شاسع الدار، ولی قائد لا یلا و منی (لا یلایمنی) فھل لی رخصۃ ان اصلی فی بیتی؟))

''یا رسول اللہ ﷺ....! میں بینائی سے محروم، دور گھر والا شخص ہوں اور میرا راہ نما (مسجد آنے

جانے میں) میرے ساتھ موافقت نہیں رکھتا، تو کیا میرے لئے اپنے گھر میں نماز ادا کرنے کی اجازت ہے....؟ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: (**هل تسمع النداء....؟**)۔ ''کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو....؟''، انہوں نے عرض کیا جی ہاں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: (**لا اجد لک رخصة**)۔ ''میں تمھارے لئے (بالکل) اجازت نہیں پاتا۔''

(سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب التشدید فی ترک الجماعۃ)

دیگر روایات کی روشنی میں انہوں نے درج ذیل سات عذر پیش کئے:

۱۔ بینائی سے محرومی، ۲۔ گھر کا مسجد سے دور ہونا، ۳۔ باقاعدگی سے راہ نما کا میسر نہ ہونا، ۴۔ گھر اور مسجد کے درمیان کھجور اور دیگر اقسام کے درختوں کا ہونا، ۵۔ راستے میں کیڑوں مکوڑوں اور درندوں کا پایا جانا، ۶۔ عمر رسیدہ ہونا، ۷۔ ہڈیوں کا کمزور ہونا۔

یہ عذر ایسی مشفق شخصیت کے سامنے پیش کئے گئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین، رحیم و کریم بنا کر آسان دین دیکر بھیجا، جو جائز باتوں میں سے آسان بات کا انتخاب کرتے اور جنہوں نے امت کو آسانی کرنے اور بشارت دینے کا حکم دیا اور لوگوں پر تنگی کرنے اور انہیں متنفر کرنے سے منع فرمایا۔ چونکہ اس معاملے میں گنجائش موجود نہ تھی اسلئے رخصت نہ دی۔ یہ تو نابینا صحابی کا معاملہ تھا، کیا بینائی اور سلامت جسم والوں کیلئے چون و چرا اور قیل و قال کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے.....؟

بعض لوگ یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ معاملہ صحابی رسول ﷺ کیلئے خاص تھا۔ یہ بات درست نہیں کیونکہ دین سب کیلئے ایک ہی ہے بلکہ ہمارے لئے تو اسوہ ہی (**ما انا علیه و اصحابی**) مقرر فرمایا گیا ہے۔ بہرکیف مزید تسلی کیلئے اس واقعے پر چند اہل علم حضرات کی رائے پیش خدمت ہے۔

۱۔ امام احمدؒ نے لکھا: ''اگر کسی شخص کیلئے جماعت سے پیچھے رہنے کا عذر ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ایک بوڑھے، کمزور بدن والے، نابینے، مسجد سے دور گھر والے شخص کو کہ جسکے گھر اور مسجد کے درمیان کھجوروں کے درخت اور وادی تھی، اسکی اجازت دے دیتے۔'' (الصلاۃ الامام اہل السنۃ احمد بن حنبلؒ صفحہ:86)

۲۔ امام ابن خزیمہؒ نے فرمایا: [**وهٰذا دليل علىٰ ان شهود الجماعة فريضة لا فضيلة، اذ غير جائز ان يقال: لا رخصة للمرء فی ترک الفضيلة**]

''اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جماعت میں حاضری فرض ہے نہ کہ (صرف) افضل

کیونکہ فضیلت والے کام کے متعلق یہ کہنا درست نہیں کہ اسے چھوڑنے کی اجازت نہیں۔'' (صحیح ابن خزیمہ، کتاب الامامۃ فی الصلاۃ، 368/2)

۳۔ امام نوویؒ نے درج ذیل عنوان لکھا:

[باب یجب اتیان المسجد علیٰ من سمع النداء] (صحیح مسلم 452/1)

[اذان سننے والے پر مسجد میں آنے کے وجوب کے متعلق باب]

اگر کسی نے سبق حاصل کرنا ہو تو اسکے لئے مذکورہ واقعہ کافی ہے..!!! (فاعتبروا یا اولی الابصار)

بلا عذر بغیر جماعت نماز کا نہ ہونا: نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((من سمع النداء فلم یاء ته فلا صلاة له الا من عذر))

''جس شخص نے اذان سنی پھر (جماعت میں) حاضر نہ ہوا تو اسکی (اکیلے) کوئی نماز نہیں سوائے عذر کے۔'' (سنن ابی داود کتاب الصلاۃ، نمبر: 547)

اس حدیث پر محدثین نے درج ذیل عنوانات باندھے: امام ابوداود رحمہ اللہ نے: ''جماعت ترک کرنے پر سختی کے متعلق باب''، امام ابن حبان رحمہ اللہ نے لکھا: ''اس بات پر دلالت کرنے والی حدیث کا ذکر کہ یہ (یعنی باجماعت نماز ادا کرنے کا) حکم حتمی ہے، استحباب کیلئے نہیں۔'' (الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان: 415/5)، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مسجد کے پڑوسی کی مسجد کے علاوہ نماز نہیں'' جب ان سے پوچھا گیا مسجد کا پڑوسی کون ہے تو انہوں نے فرمایا: ((من اسمع المنادی))۔ ''جسے مئوذن سناتا ہے (یعنی جس تک مئوذن کی آواز پہنچتی ہے) (مصنف عبدالرزاق، کتاب الصلاۃ)

نمازِ باجماعت سے پیچھے رہنا (عملی) نفاق کی علامت ہونا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''منافق لوگوں پر فجر اور عشاء سے گراں کوئی نماز نہیں، اگر انہیں ان دونوں نمازوں میں جو (اجر وثواب) ہے، اسکا علم ہو جائے تو وہ دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں (یا سرین) پر گھسٹتے ہوئے (بھی) انکے لئے پہنچ جائیں۔'' (صحیح بخاری کتاب الاذان، باب فضل العشاء فی الجماعۃ)

ایک اور روایت کے مطابق آپ ﷺ نے منافقین کی متعدد نشانیوں میں سے ایک نشانی جماعت سے پیچھے

رہنابیان فرمائی، ارشادفرمایا:

''بے شک منافقین کی نشانیاں ہیں جن کے ذریعے وہ پہچانے جاتے ہیں.....وہ مساجد کے قریب نہیں آتے، بلکہ دور رہتے ہیں (اور) نماز کے آخر ہی آتے ہیں (یعنی آغازِ جماعت کی بجائے جماعت میں بعد میں ملتے ہیں)۔''

(مسند امام احمد نمبر:7913، حسن)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یقیناً ابن آدم کے دونوں کانوں کا پگھلے ہوئے سیسے سے بھر جانا اذان سن کر اسے قبول نہ کرنے سے بہتر ہے۔'' (الاوسط فی السنن والاجماع ولااختلاف، کتاب الامامۃ)

جماعت چھوڑنے پر دلوں پر مہر: نبی کریم ﷺ نے امت کو خبردار کیا کہ:

'لوگ ضرور جماعتیں (باجماعت نمازیں) چھوڑنے سے باز آجائیں وگرنہ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگادیں گے، پھر وہ ضرور غافل لوگوں میں سے ہوجائیں گے۔''

(سنن ابن ماجہ:778، سندہ صحیح)

جماعت سے پیچھے رہنے والوں کو جلانے کا مصمم ارادہ نبوی ﷺ:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''یقیناً میں نے پختہ ارادہ کیا، کہ میں اپنے جوانوں کو حکم دوں کہ وہ لکڑیوں کا گٹھا جمع کریں، پھر میں ان لوگوں کے پاس آؤں جو بلا عذر نماز اپنے گھروں میں پڑھتے ہیں، تو انہیں (یعنی ان کے گھروں کو) ان پر خوب اچھی طرح جلادوں۔''

(سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ باب التشدید فی ترک الصلاۃ، بخاری، کتاب الاذان، 644)

گھر میں فرض نماز کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جو شخص کل یعنی روز قیامت اللہ تعالیٰ سے حالت اسلام میں ملاقات کرنا پسند کرے، تو وہ ان نمازوں کی جہاں بھی بلایا جائے حفاظت کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی کریم ﷺ کیلئے ہدایت کے طریقے مقرر فرمادیئے ہیں اور بلاشبہ وہ (یعنی اذان سن کر مسجد میں جاکر باجماعت نماز ادا کرنا) ہدایت کے طریقوں میں سے ہے۔ اگر تم نے نماز اپنے گھروں میں پڑھی، جیسے کہ یہ (یعنی باجماعت سے) پیچھے رہنے والا شخص اپنے گھر میں پڑھتا ہے، تو تم نے یقیناً اپنے نبی

کریم ﷺ کا طریقہ چھوڑ ادیا، تو تم یقیناً گمراہ ہو گئے..... بے شک ہم نے دیکھا کہ نماز سے پیچھے رہنے والا صرف (ایسا) منافق ہوتا جسکا منافق ہونا معلوم ہوتا تھا۔''

(صحیح مسلم کتاب المساجد، باب صلاۃ الجماعۃ من سنن الھدیٰ)

نماز اور جماعت کے تارکین کی بروز قیامت رسوائی: اللہ جل شانہ نے فرمایا:

ترجمہ: ''جس دن پنڈلی کھولی جائے گی اور انہیں سجدے کیلئے بلایا جائے گا تو وہ (سجدہ) نہ کرسکیں گے، انکی نگاہیں نیچی ہوں گی، ذلت ان پر چھائی ہوگی او یقیناً دنیا میں انہیں سجدے کیلئے بلایا جاتا تھا، جبکہ وہ صحیح سالم تھے۔'' (سورۃ القلم:42-43)

اس آیت کے حوالے سے سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، ابن قیم، ابن جوزی اور علامہ رازی رحمھم اللہ نے یہی لکھا کہ انہیں اذان و اقامت کے ساتھ باجماعت نماز کیلئے دعوت دی جاتی تھی، لیکن وہ اسے قبول نہ کرتے تھے۔

جمعہ و جماعت سے غائب رہنے والے: امام ابن شیبہ نے مجاہد کے حوالے سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

''ایک شخص ایک ماہ تک ان (ابن عباس) کے پاس اس (شخص) کے بارے میں دریافت کرنے کی غرض سے آتا رہا، جو دن کو روزہ رکھتا ہے، رات کو تہجد پڑھتا ہے، لیکن جمعہ اور جماعت سے غائب رہتا ہے، انہوں نے فرمایا: (فی النار) وہ دوزخ کی آگ میں داخل ہو گا۔'' (المصنف کتاب الصلوت:364/1)

نبی کریم ﷺ کا نمازِ باجماعت کیلئے اہتمام

(۱)۔ آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات کو دورانِ سفر انتہائی تھکن اور غلبہ نیند کے باوجود بھی نماز فجر کے ضیاع کے خدشہ سے پڑاؤ نہ ڈالتے اور اگر پڑاؤ ناگزیر ہو جاتا، تو جگانے کی ذمہ داری سونپے بغیر آرام نہ کرتے، اور اگر صبح صادق قریب ہوتی، تو لیٹنے کی بجائے ٹیک لگا کر بیٹھے بیٹھے ہی آرام فرماتے۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ، 595، مسلم کتاب المساجد، 313)

(۲)۔ حالت جنگ میں شدید لڑائی میں دشمن کے حملے کے منصوبے کے باوجود بھی جماعت ترک نہ کی۔(

مسلم کتاب صلاۃ المسافرین،308)

(۳)۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی آپ ﷺ کی آخری بیماری کا خلاصہ یوں ہے:''جب آپ ﷺ شدید بیمار ہوئے، جب ہوش آیا، عشاء کا وقت تھا، آپ ﷺ نے پوچھا: 'کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟' انہوں نے جواب نہیں بلکہ وہ آپ ﷺ کے انتظار میں ہیں، آپ ﷺ نے ٹب میں پانی منگوا کر غسل فرمایا تا کہ شدید بخار کم ہو، اسکے بعد اٹھنا چاہا، لیکن پھر بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو زبان مبارک پر وہی الفاظ تھے، 'کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟'..... آپ ﷺ نے غسل فرمانے کا عمل تین بار کیا..... لیکن اٹھنے کی طاقت نہ پا سکے، پھر آپ ﷺ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جماعت کروانے کا حکم بھیجا..... پھر جب کچھ افاقہ محسوس ہوا تو آپ ﷺ دو آمیوں کے سہارے مسجد کی طرف روانہ ہوئے، آپ فرماتی ہیں: (**کانی انظر رجلیه تخطان من الوجع**)، (میں دیکھ رہی تھی کہ آپ ﷺ کے دونوں قدم مبارک زمین پر لکیریں لگاتے جا رہے تھے) (صحیح بخاری کتاب الاذان)

اگر ہم توانا و تندرست ہونے کے باوجود باجماعت مسجد میں نماز سے سستی کریں، تو کیا ہمارے لئے ندامت کا مقام نہیں.....؟

سلف صالحین کا نمازِ باجماعت کیلئے اہتمام

(۱)۔ رخصت کے باوجود بیمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دو آدمیوں کے سہارے صف میں لا کر کھڑے کئے جاتے۔ (مسلم کتاب المساجد:257)

(۲)۔ سیدنا عمر فاروق ؓ نے سعید بن یربوعؒ کی بینائی ختم ہونے پر مسجد میں باجماعت حاضری کیلئے بیت المال سے غلام دیا۔ (کنز العمال، کتاب الصلاۃ)

(۳)۔ حضرت عدی بن حاتم ؓ ہمیشہ نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے ہی اسکے انتظار میں مشتاق اور بیقرار ہو جاتے۔ (کتاب الذہد نمبر:1302)

(۴)۔ حضرت سعید بن مسیّبؒ تیس سال سے اذان گھر میں نہ سنی بلکہ پہلے ہی مسجد میں پہنچ جاتے، چالیس سال جماعت میں شامل ہونے والوں کی گدیوں (پیچھے گردن پر بالوں کو) نہ دیکھا یعنی ہمیشہ صف اول میں ہوتے۔ ایک دفعہ جب انکی آنکھ میں تکلیف پر انہیں شفا کی غرض سے مدینہ سے دور سبز وادی عقیق میں جانے کا مشورہ دیا گیا، تو انہوں نے کہا: 'وہاں میں عشاء اور فجر کی نمازوں میں

باجماعت حاضری کا کیا کروں گا؟ (المصنف کتاب الصلوت: 351/1)

(۶)۔ حضرت سعید بن عبدالعزیز تنوخیؒ کی باجماعت نماز اگر رہ جاتی تو انکی غم کی حالت یوں ہوتی، جیسے کسی میت کے غم میں ہوں۔ (تذکرۃ الحفاظ: 29/1)

(۷)۔ ابوعبدالرحمٰنؒ کے اصرار پر انہیں شدید مرض (آخری درجے کا فالج، لاغری) کی حالت میں بھی اٹھا کر مسجد لے جایا جاتا۔ (کتاب الذہد، نمبر: 419)

باجماعت نماز پر فقہا وعلمائے امت کا موقف

حتمی حجت تو قرآن وسنت ہی ہے، اسوہ رسول ﷺ سے یہ بات واضح ہوگئی، کہ نماز کی طرح جماعت کا اہتمام بھی ناگزیر ہے۔ قابل احترام فقہائے کرام رحمهم الله کی رائے کو بھی قرآن وسنت کے تناظر میں ہی دیکھا جائے گا۔ ائمہ اربعہ کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ:

حنفی فقہا: راجح قول کے مطابق جماعت 'واجب' ہے، بلاعذر چھوڑنے والا 'گنہگار' ہے، اسکی 'گواہی' قبول نہیں، اسلامی حکومت پر اسکے لئے تعزیری سزا واجب ہے۔ بعض احناف نے اسے 'سنت' بھی کہا ہے جو کہ دراصل 'واجب' کے معنوں میں ہی کہا گیا ہے جیسا کہ علامہ علاءالدین سمرقندی حنفیؒ نے وضاحت کی:

''بلاشبہ باجماعت نماز واجب ہے، ہمارے بعض اصحاب نے اسے سنت موکدہ کہا ہے لیکن یہ دونوں ایک ہی ہیں۔ اسکی اساس نبی کریم ﷺ سے روایت کردہ عمل ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے اس پر مواظبت فرمائی، اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے لے کر آج تک امت بھی مداومت کر رہی ہے اور اسے چھوڑنے والے پر اعتراض کرتی ہے اور یہی [سنت] کی بجائے [واجب] کا مفہوم ہے۔'' (تحفۃ الفقہاء: 357/1)

مالکی فقہا: 'سنت' یا 'سنت موکدہ' کہا لیکن جماعت کے تارک کو 'گنہگار' بھی قرار دیا جو دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بھی سنت درحقیقت 'واجب' کے معنوں میں ہے۔

شافعی فقہا: بعض نے 'فرض عین'، بعض نے 'واجب'، بعض نے 'سنت موکدہ' اور بعض نے 'سنت' کہا۔ ایک روایت میں امام صاحبؒ نے خود اسے 'فرض عین' قرار دیا۔

حنبلی فقہاء: راجح قول کے مطابق جماعت 'فرض عین' ہے، امام صاحب نے جماعت سے پیچھے رہنے

والے کو 'برے شخص' کا لقب دیا، 'گواہی' قابل قبول نہیں۔

ترک جماعت یا گھر میں نماز کے عذر: احادیث وفقہ کی روشنی میں:

'سخت بیماری'، 'اپاہج'، 'دشمن کا خوف'، 'شدید بارش، 'سخت کیچڑ'، 'نابینا (قاصد دستیاب نہ ہونا)'، 'بڑھاپا ولاغری'، 'شدید بیمار کی دیکھ بھال کہ چھوڑ کر جائے گا تو اسکی جان کا خطرہ'، 'قافلہ چھوٹ جانے کا ڈر'، 'عین جماعت کے وقت کھانے کا سامنے پیش ہوجانا' (نہ کہ خود کھانے تک پہنچ جانا) .....وغیرہ۔رخصت لینے یا نہ لینے کا فتویٰ اپنے ہی دل لے لینا چاہئے ،کہ واقعی عذر ہے ،سستی یا بہانہ.....؟، ہوسکتا ہے نماز کیلئے تو عذر لگ رہا ہو لیکن دفتر، بازار، سیر وتفریح کیلئے کوئی خوف نہ ہو..... بلکہ قلب وجسم آمادہ ہو.....؟ فلاح اس میں ہے کہ: شب وروز کے معمولات کو اسطرح ترتیب دیا جائے کہ ہر نماز تکبیر اولیٰ (امام کی پہلی تکبیر) کے ساتھ ادا ہوتی جائے۔

خواتین: خواتین کیلئے مسجد میں باجماعت نماز تو فرض نہیں لیکن ترجیح کے ساتھ ہر نماز اول وقت میں ادا کرنا اسی طرح ضروری ہے جسطرح مردوں کیلئے جماعت۔

ہماری حالت! ہماری حالت یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے عذر، رکاوٹوں بہانوں: معمولی طبیعت کی خرابی و تھکن، نیند وسستی، بازار میں خریداری، مہمان کی آمد، دوست سے ملاقات، ڈاکٹر وغیرہ کی باری کا انتظار، شادی بیاہ کی تقریبات..... کی بناپر جماعت کو ضائع کردیتے ہیں۔ پیارے ساتھیو! یہ زندگی عارضی ہے، ہم یہاں امتحان کیلئے بھیجے گئے ہیں، فائدہ اسی میں ہے، کہ اللہ تعالیٰ کو ترجیح اول بناتے ہوئے نماز سمیت دیگر دین کے تمام ضروری احکامات شوق وجذبہ کے ساتھ اول فرصت میں ادا کریں۔اللہ ہمیں، ہمارے خاندان سمیت جمیع امت مسلمہ کو یہ عظیم سعادت نصیب فرمائے۔(آمین)

نوٹ: مذکورہ موضوع پر تمام مکاتبِ فکر کے علماء حضرات نے بھی اچھا کام کیا ہے، لیکن وہ کتاب جس سے میری آنکھیں کھلیں اور اسی نے مجھے یہ تحریر لکھنے پر مجبور کیا وہ پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب کی کتاب ''نماز باجماعت کی اہمیت'' ہے جسے مکتبہ دارلنور اسلام آباد نے شائع کیا ہے۔موت سے پہلے پہلے یہ تحریر ضرور پڑھیں۔

محترم ساتھیو! فرمان نبوی ﷺ سے بلاشبہ نمازِ باجماعت پوری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سے زیادہ قیمتی ہے، موت سے پہلے پہلے اس یقینی حقیقت کو تسلیم کرلیجئے۔

7۔تقویٰ

دنیاوآخرت کی حقیقی فلاح کیلئے وہ مرکزی 'صفت' جس کا انسان سے بطورِ ہدف، گول یا ٹارگٹ تقاضا کیا گیا ہے وہ **تقویٰ** ہے۔تقویٰ کی صفت جس میں پائی جائے اسے متقی کہا جاتا ہے۔بس اس ایک گول کے حاصل ہوجانے پر رب کی رضا، اسکی رحمت اور فلاح کی یقینی نویدیں سنائی گئی ہیں۔تقویٰ کی منزل کو پائے بغیر نہ دنیا میں عافیت نصیب ہوسکتی ہے نہ آخرت میں۔یہی عظیم سعادت انسان کو 'ولی اللہ' کے درجے پر فائز کرتی ہے۔وہ چیز جسے اختیار کرنے کے بعد ناکامی کے خوف سے آزادی مل جاتی ہے وہ 'تقویٰ ہی ہے۔ اسلئے اسے اولین ترجیح پر سمجھنا، اور زندگی میں لانا ناگزیر ہے۔

<u>لغوی معنی:</u> امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں: ''نفس کو ہر اس چیز سے بچانا جس سے اسکو اندیشہ ہو۔'' تقویٰ کہلاتا ہے

<u>شرعی اصطلاح میں:</u> علامہ راغبؒ کے نزدیک:

''گناہ گار کرنے والی چیز سے نفس کو بچانا اور یہ ممنوعہ باتوں کو چھوڑنے سے ہے اور اسکی تکمیل بعض جائز چیزوں کو ترک کرنے سے ہوتی ہے۔''

علامہ قرطبیؒ نقل کرتے ہیں: حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت ابی ابن کعبؓ سے تقویٰ کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے فرمایا:

''کیا آپ کبھی خاردار راستے پر چلے ہیں؟ جواب دیا ہاں، تو آپ نے کیا کیا؟ جواب دیا میں آستین چڑھا لیتا ہوں اور محتاط ہوجاتا ہوں، فرمایا: سو یہی تقویٰ ہے۔'' (تفسیر قرطبی:1/161-162)

پس اللہ کی نافرمانی و ناراضگی سے بچنا یعنی خود کو محفوظ رکھنا، اپنا بچاؤ کرنا یا ڈرنا تقویٰ کہلاتا ہے۔ہر وہ کام جس پر گناہ کا اطلاق ہوتا ہو اس سے بچنا تقویٰ ہے۔چوبیس گھنٹے کی زندگی گزارتے ہوئے ہر قدم پر اللہ کی ناراضگی کا ڈر ملحوظ رکھنا تقویٰ ہے۔یعنی جن چیزوں سے رب نے منع فرمایا ہے، ان سے اجتناب کرنا اور جن کا حکم دیا ہے ان پر جم جانا۔نفس کے بُرے میلانات اور شہوات اور بے حیائی سے ہر ممکن بچنا تقویٰ ہے۔

جن چیزوں سے ہمارے مہربان رب نے بچنے کا حکم دیا ہے وہ ہمارے لئے نقصان دہ ہیں۔نقصان اور تکلیف دِہ چیزوں سے بچنے کی قوت ہماری فطرت میں ودیعت ہے۔

<u>دنیا کے حوالے سے:</u> تو ہم سب بہت متقی: ہم جلتی آگ میں ہاتھ نہیں ڈالتے،سانپ سے بچتے ہیں،اسی طرح ہر نقصان دِہ چیز سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں۔دنیا کا فائدہ اور نقصان نقد ہے۔اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل پیرا نہ ہونے کا نتیجہ بھی آگ کی صورت میں نکلنے والا ہے لیکن اس آگ کو ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں،اس لئے ہم اس سے غافل رہتے ہیں۔

<u>اہل ایمان کو تقویٰ کی تلقین:</u> اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تقویٰ کی یوں تلقین کی:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ o﴾(آل عمران:3:آیت:102)

''اے اہل ایمان اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس طرح تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے اور تمھیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم فرمانبردار ہو۔''

<u>تقویٰ کی ضرورت:</u> تین وجوہات کی بنا پر ہے:

(۱)۔اللہ کی ناراضگی سے بچنے،(۲)۔دنیاوی سکون و عافیت کیلئے (۳)۔دوزخ کی آگ اور جنت کی ابدی نعمتوں کی محرومی سے بچنے کیلئے

حقیقی تقویٰ کے ثمرات

تقویٰ کے دنیا و آخرت میں عظیم ثمرات ہیں جس پر کثیر آیات موجود ہیں،اختصار کی خاطر صرف چند آیات پیش خدمت ہیں:

دنیاوی زندگی میں تقویٰ کے ثمرات

<u>(۱)۔رب کے ہاں عزت:</u> پروردگار نے فرمایا:

﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ o﴾(الحجرات:13)

''یقیناً اللہ کے نزدیک قابل عزت وہ ہے جو زیادہ متقی ہے،بلاشبہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔''

دنیا جو بہت حقیر ہے اسکے نزدیک انسان کی عزت کا معیار اسکا حسب نسب،حُسن،دولت،عہدہ و

قابلیت وغیرہ ہے۔لیکن اللہ جو ساری کائنات کا خالق ہے، اسکے ہاں شرف وعزت کا معیار ان سب چیزوں میں سے کوئی بھی نہیں بلکہ 'تقویٰ' ہے۔تو پھر ایسی عظیم خوبی کے حصول کی ہر ممکن کوشش کیوں نہ کی جائے؟

(۲)۔اللہ کا ساتھ۔واہ کیا کہنے:

﴿ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ o﴾(البقرہ:194)

''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔''

سبحان اللہ! گر اللہ کا ساتھ نصیب ہو گیا تو اور کیا چاہئے.....؟

(۳)۔ولی اللہ کا مقام:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ o اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ o﴾(یونس: آیت:63-62)

'' آگاہ ہو جاؤ اولیاء اللہ کو نہ کسی قسم کا خوف ہوگا نہ غم، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا۔''

یعنی اولیاء اللہ بننے کیلئے ایمان کے ساتھ تقویٰ کی ضرورت ہے۔

(4)۔ہر کام میں آسانی:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا o﴾(الطلاق:4)

''اور جو کوئی بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا، اللہ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔''

سبحان اللہ! تقویٰ کے ساتھ آخرت تو بنے گی ہی، ساتھ ہی ساتھ اللہ دنیا کے کاموں میں بھی سہولت وآسانی کی راہ پیدا کر دیں گے۔

(5)۔ہر چیز میں کفایت:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا o وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾(الطلاق:65:2-3)

''اور جو کوئی بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا وہ اسکے لئے (ہر چیز سے) نکلنے کی راہ پیدا کر دے گا۔اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اسکا وہم وگمان بھی نہ ہو۔اور جو اللہ پر توکل اختیار کرے گا تو وہ اس کو کافی ہو جائے گا۔۔''

تقویٰ پر آنے، اس پر شوق ورغبت کیلئے تو یہ ایک آیت ہی کافی ہے۔اس پر جتنا غور کیا جائے کم

ہے۔حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے میرے سامنے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا: اگر تمام لوگ صرف اسے ہی لے لیں تو کافی ہو جائے۔(مسند احمد بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

امید ہے مذکورہ بالا عظیم ثمرات کی بنا پر آپ کے اندر تقویٰ پر آنے کا بے حد شوق وجذبہ پیدا ہو چکا ہوگا۔

اخروی زندگی میں تقویٰ کے ثمرات

گناہوں کی معافی اور اجر عظیم: پروردگار نے اہل تقویٰ کی بابت خوشخبری دی:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝﴾(الطلاق:5)

''اور جو اللہ سے ڈرے گا، وہ اس سے گناہ دور کر دے گا اور اسے اجر عظیم بخشے گا۔''

خوف وحزن سے آزادی: حقیقی اہل تقویٰ کو وف حزن سے نجات کی نوید سنائی گئی ہے:

﴿فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝﴾(اعراف:7 :آیت:35)

''تو جس شخص نے تقویٰ اختیار کیا اور اپنی اصلاح کر لی تو اس پر نہ ہوگا کوئی خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

جنت کی عظیم نعمتیں:

﴿لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝﴾(آل عمران:198)

''لیکن وہ لوگ جنہوں نے اپنے پروردگار کا تقویٰ اختیار کیا، ان کے لئے باغات ہیں جن کے دامن میں نہریں بہہ رہی ہیں، ان میں رہیں گے وہ ہمیشہ ہمیش۔ یہ اللہ کے ہاں انکی مہمانی ہے، اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ نیکوکاروں کیلئے بہت بہتر ہے۔''

کیا ہمیشہ کی زندگی میں یہ عظیم بہاریں ہمیں نہیں چاہئیں.....؟

حقیقی تقویٰ سے مراد

درج ذیل صفات حقیقی تقویٰ کی عکاسی کرتی ہیں:

(۱)۔اخروی محاسبہ کا ہمہ تن خوف۔

(۲)۔سیئات سے چھٹکارہ اور اعمال صالحہ سے زندگی مزین ہو جانا۔ برائیوں کا ارتکاب تو دور کی بات ہے حقیقی اہل ایمان متقین تو برائی کے خیال سے ہی لرز اٹھتے ہیں، جیسا کہ پروردگار نے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّـذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ o وَ اِخْوَانُھُمْ یَمُدُّوْنَھُمْ فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَo﴾(اعراف:7:201-202)

''یقیناً وہ لوگ جوتقویٰ پر ہیں، جب چھوتا ہے انہیں کوئی خیال شیطان کی طرف سے تو وہ اللہ کی یاد کرنے لگتے ہیں، تو فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔(اسکے برعکس) جوشیطانوں کے بھائی ہیں، کھینچ لے جاتے ہیں شیطان انہیں گمراہی میں پھر (انہیں گمراہ کرنے میں) وہ کوتاہی نہیں کرتے، پس وہ باز نہیں آتے۔''

اس آیت کریمہ کے آئینے میں ہمیں بھی اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔

(۳)۔شہوات نفس بالخصوص فتنہ نساء اور مال پر قابو کی توفیق نصیب ہوجانا۔

(۴)۔زندگی قرآنی تعلیمات کے تابع کرنا۔

(۵)۔توحید ورسالت کو اپنانا، شرک اور بدعات سے مکمل اجتناب۔

(۶)۔دینی ترجیحات قرآن وسنت کے مطابق استوار ہونا نہ کہ مسالک اور فرقوں کے مطابق۔

(۷)۔پورا دین بشمول حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پاسداری کرنا۔

تقویٰ کا حصول کیسے؟

درج ذیل باتوں کو ملحوظ رکھنے سے ان شاء اللہ تقویٰ کی عظیم دولت نصیب ہوجائے گی۔

(۱)۔اخلاص/حسن نیت پیدا کریں، (۲)۔مقصد حیات کو پہچانیں، (۳)۔جہاں ہمیشہ رہنا ہے اسکی فکر پیدا کریں۔آخرت کو دنیا پر ترجیح دیں۔دنیا کے عارضی ہونے اور مٹ جانے کا تصور پختہ کریں، (۴)۔اچھی صحبت کا بھرپور اہتمام اور بُری صحبت سے ہر ممکن اجتناب کریں، (۵)۔قرآن وسنت سے وابستگی پیدا کریں۔

تقویٰ کے متعلق عظیم معلومات کے حصول پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے، شوق وجذبہ سے زندگی جلد از جلد تقویٰ پر لانے اور یہ معلومات دوسروں تک پہنچانے کی بھرپور جد و جہد کریں۔اللہ ہماری مدد فرمائے۔(آمین)

۞۞۞۞۞

8۔انفاق فی سبیل اللہ

خالق کائنات نے انفاق فی سبیل اللہ کا بڑی شدو مد سے تقاضا کیا ہے۔حقیقی ایمان اگر نصیب ہوجائے تو انسان انفاق کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔اللہ کی محبت انسان کو انفاق فی سبیل اللہ کیلئے بے چین کر دیتی ہے۔انسان میں یہ شدید خواہش پیدا ہوجاتی ہے کہ اسکا مال اسکے خالق کیلئے نکلتا رہے۔یہی وہ چیز ہے جس سے ایمان کی آزمائش ہوتی ہے۔نہ صرف قربِ الٰہی بلکہ نفاق اور دوزخ کی آگ سے بچنے کیلئے بھی انفاق فی سبیل اللہ ناگزیر ہے۔بلاشبہ نفاق یعنی منافقت کا علاج انفاق ہے۔اگر کسی میں راہ خدا میں مال خرچ کرنے کا جذبہ نہیں تو وہ خیر سے بہت دور ہے۔اگر بخیلی اور کنجوسی کی بیماری سے نجات مل جائے اور اللہ کیلئے خرچ کرنے کا شوق و جذبہ پیدا ہوجائے تو ہر خیر اور نیکی کی راہیں کھل جائیں۔بات کو سمجھنے کیلئے درج ذیل دلائل ملاحظہ کریں:

<u>انفاق کا زوردار تقاضا:</u> خالق کائنات نے خود زوردار طریقے سے خرچ کرنے کی ترغیب دی:

﴿ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ....o مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ o﴾(الحدید:11-12)

''اور کیا ہوگیا ہے تمھیں کہ تم خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں (حالانکہ) اللہ ہی کی میراث ہے آسمانوں اور زمین کی.....،کون ہے جو اللہ کو قرض دے 'قرض حسنہ' تاکہ وہ بڑھا کر واپس دے اسے اور اسکے لئے اجر ہے بہترین۔''

اس آیت سے آگاہی کے بعد انفاق کے ضمن میں کیا شک رہ جاتا ہے.....؟ خوش نصیب ہیں وہ جن تک اللہ کا یہ پیغام پہنچ گیا،انشاءاللہ اب شیطان انہیں انفاق سے نہیں روک سکے گا۔

<u>زکوٰۃ کے علاوہ بھی انفاق:</u> زکوٰۃ تو فرض ہے ہی اسکے علاوہ بھی مال خرچ کرنے کا تقاضا کیا گیا ہے،جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (اللہ) کا حق ہے۔'' پھر بطور دلیل آپ ﷺ نے سورۃ البقرہ کی آیت ۱۷۷ پڑھی۔(ترمذی،رقم:659-660،ابن ماجہ)

<u>بدلہ ضرور ملے گا:</u> اللہ کی راہ میں خرچ کا مول انشاءاللہ ضرور پڑے گا:

﴿ وَ مَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَهُوَ یُخۡلِفُهٗ وَ هُوَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ۝﴾ (سبا:34:آیت:39)

''تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ اسکا (پورا پورا) بدلہ دے گا، اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔''

ہم خرچ کرنے والے بنیں، اللہ پورے پورے بدلے کا وعدہ کر رہا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

''دو فرشتے ہر روز اعلان کرتے ہیں: ایک کہتا ہے: اے اللہ جو خرچ کرنے والا ہے اسکو بہتر اجر دے اور دوسرا کہتا ہے: جو خرچ کرنے سے ہاتھ روکتا ہے اسکے مال کو ضائع کر دے۔'' (بخاری، کتاب الزکوٰۃ)

<u>کمال قدردانی:</u> رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ صرف حلال کمائی کے صدقہ کو قبول فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے پھر صدقہ کرنے والے کے فائدے کیلئے اس میں اضافہ کرتا ہے۔۔الخ'' (بخاری و مسلم)

بڑے لوگوں کیلئے خوبصورت پیکنگ میں اچھے سے اچھے تحائف بھی پیش کئے جائیں تو وہ شکریہ تک ادا نہیں کرتے۔۔۔قربان جائیں اللہ کی قدردانی پر کہ کھجور برابر ہلکا سا صدقہ بھی دائیں ہاتھ سے قبول فرمائیں۔

<u>بوقت موت حسرت:</u> وہ چند کام جن پر بوقت موت انسان کو حسرت ہوگی کہ کاش کچھ مہلت مزید مل جائے تا کہ میں وہ کام کرلوں۔ان کاموں میں سے انفاق فی سبیل اللہ بھی ہے۔جیسا کہ پروردگار نے بوقت موت انسان کی حسرت کی یوں نقشہ کشی فرمائی:

﴿وَاَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ فَیَقُوۡلَ رَبِّ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ۝﴾ (منافقون:9-10)

''اور خرچ کرلو (ہماری راہ میں) اس میں سے جو کچھ ہم نے تمھیں دے رکھا ہے، اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے تو کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! تو مجھے تھوڑی دیر کی مہلت کیوں نہیں دے دیتا کہ میں صدقہ کروں اور نیک لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔''

یہ بے اثبات زندگی کسی وقت بھی ساتھ چھوڑ سکتی ہے، یہ جاری سانس کسی وقت بھی رک سکتے ہیں اسلئے موقع

کوغنیمت جانتے ہوئے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے جائیں۔

عظیم صلہ: جوکوئی بھی محض اللہ کی رضا کیلئے مال خرچ کرے گا وہ عظیم صلہ پائے گا یعنی: پاکیزگی بھی نصیب ہوگی، جہنم سے آزادی بھی اور اللہ کی رضا بھی:

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى o الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى o وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى o اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰىo وَلَسَوْفَ يَرْضٰى o﴾(الیل:17-21)

’’اور بچالیا جائے گا جہنم سے اسے جو بڑا پرہیزگار ہے، جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کیلئے دیتا ہے اور کسی کا اس پر احسان نہیں ہے کہ جس کا بدلہ دیا جائے، صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا مندی کیلئے خرچ کرتا ہے، اور یقیناً عنقریب وہ خوش ہو جائے گا۔‘‘

انفاق کی نشونما: انفاق اجر کے لحاظ سے اللہ کے ہاں خوب نشونما پاتا ہے:

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ o﴾(بقرہ:2:آیت:261)

جولوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اسکی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے اور بڑھا چڑھا دے، اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور علم والا ہے۔‘‘

خوف وحزن سے نجات: راہ خدا میں مال خرچ کرنے والے خوش نصیب خوف وحزن سے نجات پا جاتے ہیں:

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَo ﴾(بقرہ:2:آیت:274)

’’جولوگ اپنے مالوں کو رات دن پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس اسکا صلہ ہے اور انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔‘‘

بخل کرنے والے: جو اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اسکی راہ میں خرچ نہیں کرنا چاہتے ذرا نتیجہ ملاحظہ کرلیں:

﴿ وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ

اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ؏ ۝﴾ (آل عمران:180)

''جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے دیا ہے اور وہ (اللہ کی راہ میں) اس کے (خرچ کرنے) میں بخل کرتے ہیں، وہ اس بخل کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے حق میں بدتر ہے، وہ جس (مال) کا بخل کرتے ہیں یقیناً وہ قیامت کے دن ان کے گلے میں (عذاب کا) طوق بنا کر پہنا دیا جائے گا۔اور (یاد رکھو!) آسمان و زمین کا وارث (آخر کار) اللہ ہی ہے اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

<u>خرچ کی ترتیب:</u> انفاق میں اولین حق اقربا کا پھر دیگر لوگوں کا ہے، قریبی رشتہ داروں کو نظر انداز کر کے دوسروں کو نوازنا قابل قبول نہیں:

﴿یَسْـَٔلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْـفَـقْتُـمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ وَ الْیَتٰمٰی وَ الْـمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ وَ مَا تَـفْـعَـلُـوْا مِـنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۝﴾ (البقرہ: 215)

''(اے پیغمبر!) ان سے کہہ دو کہ جو مال بھی تم خرچ کرو (تو) اپنے والدین پر، رشتہ داروں پر، یتیموں اور مسکینوں پر اور مسافروں پر (خرچ کرو) اور جو بھی کرتے ہو تم کوئی بھلائی تو بلاشبہ اللہ اس سے خوب واقف ہے۔''

<u>اللہ دیکھ رہا:</u> ایمان اور یقین کی کمزوری کے باعث انسان یہ خیال کرتا ہے کہ پتہ نہیں میری قربانی اللہ تعالیٰ کے علم میں بھی آتی ہے یا نہیں۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہے لیکن جو کام کیا ہی اللہ کیلئے جائے اسے تو وہ خصوصیت سے دیکھتا ہے:

﴿وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۝﴾ (آل عمران:92)

''اور (یقین رکھو) جو کچھ بھی تم خرچ کرتے ہو تو وہ اللہ کے علم میں ہے۔''

جب یہ یقین نصیب ہو جائے کہ وہ آپکے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے تو انشاء اللہ قربانی کا بھرپور جذبہ پیدا ہو جائے گا۔

<u>انفاق کا ضیاع:</u> اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضامندی کیلئے دیئے گئے مال کے تو کیا کہنے، لیکن کسی پر احسان جتلانے کیلئے یا بدلہ چاہنے کیلئے مال خرچ کیا تو کچھ بھی ہاتھ نہ آیا، پروردگار نے واضح کر دیا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰی ۝﴾ (البقرہ:264)

''اے ایمان والو مت ضائع کرو اپنے صدقات احسان جتلا کر اور ایذا پہنچا کر''

بلکہ انفاق کرتے ہوئے انسان کا ذہن یوں ہونا چاہئے:

''کہ بس کھلا رہے ہیں ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کی خاطر، ہم تم سے نہ کوئی صلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ، ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا خوف ہے جو بڑی مصیبت کا طویل دن ہوگا۔'' (الدھر:9-10)

<u>انفاق میں اعتدال:</u> اسلام دین فطرت ہے، انفاق کے حوالے سے بھی اعتدال کا درس دیا ہے کہ انسان خود محتاج نہ ہو جائے:

﴿وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝﴾ (بنی اسرائیل:29)

''اور نہ باندھ کر رکھو اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ چھوڑ دو اسے بالکل کھلا (کہ سب کچھ دے دو) پھر بیٹھ رہو تم ملامت زدہ اور حسرت میں مبتلا ہو کر۔''

یعنی اپنی ضروریات کو ملحوظ رکھ کر خرچ کیا جائے۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے، بہترین صدقہ وہ ہے جو آدمی کو مال دار ہی چھوڑے یعنی کنگال نہ کر دے۔

<u>سوال کی ممانعت:</u> انفاق پر اتنا زور دینے کے باوجود اسلام نے بھیک مانگنے کو سخت ناپسند کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی رسی لے اور لکڑیوں کا گٹھا اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لائے اور اسے بیچے اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اسکی عزت کو محفوظ رکھے، تو یہ اسکے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے مانگے پھر وہ اسے دیں یا نہ دیں۔'' (بخاری، کتاب الزکوٰۃ:1471)

مال میں تنگی والے

انفاق کا تقاضا تو مخیّر حضرات سے ہی ہے لیکن اللہ کی محبت میں ہر کسی کو اپنی حیثیت کے مطابق شوق و جذبہ سے کچھ نہ کچھ ضرور خرچ کرنا چاہئے۔ اللہ کے ہاں مقدار کے بجائے جذبہ اور نیت دیکھی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشکل و آسانی ہر حالت میں انفاق کا تقاضا کیا ہے، فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ﴾ (آل عمران:3:آیت:134)

''جو لوگ آسانی و سہولت اور تنگی کی حالت میں بھی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں''

اس ضمن میں درج ذیل حدیث مبارکہ بڑی زبردست رہنمائی کرتی ہے:

آپ ﷺ سے پوچھا گیا کس صدقے کا اجروثواب سب سے زیادہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''تو صدقہ کرے اس حالت میں کہ تو صحیح وسلامت ہو، مال کی کمی کے باعث اسے بچا کر رکھنے کی ضرورت محسوس کرتا ہو اور اسے کسی کام میں لگا کر زیادہ کما لینے کی امید رکھتا ہو۔ اس وقت کا انتظار نہ کر کہ جان نکلنے لگے تو تو کہے کہ یہ فلاں کو دیا جائے اور یہ فلاں کو۔ اس وقت یہ مال فلاں کو (تو) جانا ہی ہے۔'' (بخاری، کتاب الزکوۃ:1419)

پس سہولت وآسانی میں تو فراغدلی سے انفاق کرنا ہے اور تنگی کی حالت میں بھی کچھ نہ کچھ نکالتے رہنا ہے۔ یعنی تنگی کی حالت میں دس بیس، پچاس سو..... تو نکالنے ہی نکالنے ہیں۔

<u>جن کے پاس کچھ نہ ہو؟</u> بہرکیف جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو انکا: کسب حلال، بھلائی کی دعوت دینا، دوسروں کو ایذا دینے سے باز رہنا اور تسبیح، تحلیل اور تکبیر کرنا انفاق کا نعم البدل بن جائے گا:

سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

''کچھ نادار لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کیا امیر ورئیس لوگ بلند درجات اور ہمیشہ رہنے والی جنت حاصل کر چکے حالانکہ جسطرح ہم نماز پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں اور جیسے ہم روزے رکھتے ہیں وہ بھی رکھتے ہیں لیکن مال ودولت کی وجہ سے انہیں ہم پر فوقیت حاصل ہے کہ وہ حج کرتے ہیں، عمرہ کرتے ہیں، جہاد کرتے ہیں اور صدقے دیتے ہیں (جبکہ محتاجی کی وجہ سے ہم یہ نہیں کر پاتے)۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ لو میں تمھیں ایک ایسا عمل بتلاتا ہوں کہ اگر تم اسکی پابندی کرو گے تو جو لوگ تم سے آگے بڑھ چکے ہیں انہیں تم پالو گے اور تمھارے مرتبہ تک پھر کوئی نہیں پہنچ سکتا اور تم سب سے اچھے ہو جاؤ گے سوائے ان لوگوں کے جو اس عمل کو شروع کر دیں (پھر فرمایا): ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس (۳۳) مرتبہ تسبیح (سبحان اللہ)، تحمید (الحمدللہ) اور تکبیر (اللہ اکبر) کہا کرو۔'' (بخاری: رقم:843)

مزید فرمایا:

''مسلمان پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔ لوگوں نے پوچھا اے اللہ کے نبی ﷺ! اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے کچھ کما کر خود کو بھی نفع پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔ لوگوں نے عرض کیا اگر اسکی طاقت نہ ہو؟ فرمایا کہ پھر کسی حاجت مند فریادی کی مدد

کرے۔لوگوں نے عرض کیا اگر اسکی بھی سکت نہ ہو۔فرمایا پھر اچھی بات پر عمل کرے اور بُری باتوں سے باز رہے یہی اسکا صدقہ ہے۔'' (بخاری:رقم:1445)

سبحان اللہ! دین اسلام کتنا فطری دین ہے کہ ایک کا لحاظ رکھتا ہے۔

انفاق کی دو مدیں

انفاق فی سبیل اللہ کی دو بڑی مدیں ہیں: (۱)۔دین کی اشاعت کیلئے،(۲)۔انسانی ہمدردی کیلئے لہٰذا جو مال بھی اللہ کیلئے نکالا جائے اسے دونوں مدوں میں خرچ کرنا چاہئے:

<u>پہلی مد:</u> اپنے محلے یا علاقے کی مسجد کیلئے،قرآن کی خدمت بالخصوص قرآن فہمی کیلئے،سنت کے احیاء کیلئے، دعوت دین کیلئے۔اس ضمن میں اخلاص کے ساتھ فرقہ واریت سے بالاتر ہوکر دین کی اشاعت کرنے والوں کو تلاش کریں۔

<u>دوسری مد:</u> سب سے پہلے قریبی رشتے دار، پھر پڑوسی، اہل محلّہ، دوست احباب، پھر دیگر لوگ۔اس ضمن میں مستحقین کی بنیادی ضروریات کے ساتھ ساتھ،کھانے کھلانے کا اہتمام خصوصیت سے کیا جائے کہ لوگوں کو کھانا کھلانا اللہ کو بہت محبوب ہے۔

<u>مال خرچ کرنے کا نسخہ:</u> اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا نسخہ یہ ہے:

''حسب توفیق اپنی آمدن یا تنخواہ کا ماہوار کچھ حصہ اللہ کیلئے مختص کردیں،تنخواہ ملتے ہی سب سے پہلے اسے الگ کردیں۔تنخواہ کے علاوہ جب کبھی کوئی زائد رقم ہاتھ لگے تو خوشی کے ساتھ حسب توفیق کچھ حصہ فوراً نکال دیا جائے۔''

مال کہاں سے آئے گا؟

معیار زندگی بلند کرنے کیلئے ڈھیروں مال خرچ کرنے کے بجائے حقیقی ضروریات کو ملحوظ رکھا جائے۔زندگی میانہ روی پر لائی جائے،کم از کم یہ کہ ہر شخص اپنے سٹیٹس کے حساب سے میانہ روی اختیار کرے، بے جا ضروریات اور خواہشات کو محدود کیا جائے.....یوں انشاء اللہ پیسہ ضرور بچے گا جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جاسکے۔یہاں کیا جانے والا یہ صبر انشاء اللہ اخروی نجات اور ہمیشہ کے عیش اور راحتوں کا سبب ضرور بنے گا۔

آخری بات

انفاق کی بابت شیطان انسان کو ڈراتا ہے کہ مت خرچ کرو تم کنگال ہوجاؤ گے۔جب کہ نبی کریم ﷺ نے قسم

اٹھا کر اس بات کی تردید کی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تین چیزیں جن پر قسم اٹھاتا ہوں: (۱) صدقہ کرنے سے بندے کا مال کم نہیں ہوتا، (۲) جس بندے کی حق تلفی کی جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو اس کے بدلے میں اللہ اسکی عزت میں اضافہ فرماتا ہے، (۳) اور بندہ جب کسی سے سوال کرتا ہے تو اللہ اسے فقر میں مبتلا کر دیتا ہے .....الخ'' (ترمذی کتاب الزھد، رقم:2325، ابن ماجہ)

اللہ کو ہمارے انفاق کی حاجت نہیں وہ تو غنی وحمید ہے، یہ تو ہماری ضرورت ہے اللہ کو پانے کیلئے اسی کے دیئے ہوئے سے اسکی رضا کیلئے خرچ کر لیا جائے۔ ہمیں چاہئے کہ اللہ کی محبت، اسکی رضا، اسکے قرب اور ہمیشہ کی راحتوں کی خاطر یہاں صبر اختیار کرتے ہوئے شوق وشدت سے جو جو نعمتیں اللہ نے ہمیں دی ہیں ان میں سے بھرپور اللہ کیلئے قربانی کی جائے۔ ہماری سوچ اور نظریں اس پر لگ جائیں کہ کیا کیا چیز اللہ کیلئے خرچ کی جاسکتی ہے۔ جیسے جیسے ہماری قربانیوں میں اضافہ ہوتا جائے گا، اسی قدر پروردگار عالم سے محبت بڑھتی جائے گی اور اس کا قرب محسوس ہوتا جائے گا۔ جن پر حقیقت کما حقہ کھلی انکی قربانی کی صورت حال کچھ یوں تھی:

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''اگر یہ احد (پہاڑ) میرے لئے سونے کا بن جائے تو میں پسند نہیں کرتا کہ تیسری رات آنے تک اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس نہ رہ جائے، سوائے اس دینار کے جسے میں قرض ادا کرنے کیلئے رکھ چھوڑوں۔'' (بخاری کتاب الاستقراض:2379)

اور اسی طرح کی صورت حال آپ ﷺ کے جانثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تھی، جسے جو چیز سب سے زیادہ پسند ہوتی تھی اسے شوق سے اللہ کی راہ میں دے دیتے تھے۔

یاد رکھیں! آپ انفاق کریں یا نہ کریں وقت گزر جائے گا، زندگی پوری ہو ہی جائے گی، دنیا میں خواہشات کو قابو کرتے ہوئے زندگی میانہ روی پر لا کر انفاق فی سبیل اللہ کرنے والے کسی اور مقام پر ہوں گے۔ اگر آپ نفاق اور دوزخ کی آگ سے بچنا، رب کی رضا اور ہمیشہ کی راحت چاہتے ہیں تو پھر اللہ کی راہ میں ضرور خرچ کریں۔

اللہ رب العالمین ہمیں موت سے پہلے پہلے شوق کے ساتھ بھرپور طریقے سے انفاق کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

9۔ موت.....!!!

(ناقابل فراموش حقائق)

موت وہ اٹل حقیقت ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں، جو بھی دنیا میں آ گیا ایک نہ ایک دن اس نے یہاں سے ضرور جانا ہے:

﴿وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۝﴾

(الاعراف:34)

''اور ہر گروہ کے لیے ایک معیاد معین ہے، پھر جب ان کی موت کا وقتِ مقرر آ جائے گا، اس وقت وہ ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے''

کسی کا دنیا میں آنا اتنا یقینی نہیں جتنا یہاں سے ہمیشہ کیلئے چلے جانا، لیکن اسکے باوجود بھی انسان اپنی موت اور انجام سے جتنا غافل ہے شاید کسی اور چیز سے نہیں، آج تو ہمیں موت کے تذکرے سے ناگواری ہوتی ہے لیکن جب وہ وقت آ گیا تو بھاگ نہ سکیں گے:

﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ۝﴾(ق:19)

''اور موت کی بیہوشی حق کے ساتھ آ ہی پہنچی، یہ ہے وہ چیز جس سے تم بھاگتے تھے''

غفلت کی سب سے بڑی وجہ موت اور آخرت کا یاد نہ ہونا ہے، اسلئے نجات کیلئے موت کی یاد اور اسکی حقیقت سے آگہی ناگزیر ہے۔ لہٰذا دنیا و آخرت کی فلاح کیلئے موت کی بابت ناقابلِ فراموش حقائق پیش خدمت ہیں، اپنا بھلا چاہتے ہیں تو اولین فرصت میں موت کی دستک سے پہلے پہلے جلد ان سے آگاہ ہو جائیں:

<u>بالآخر یہاں سے جانا ہے:</u> جو پیدا ہو گیا اس نے بالآخر مرنا ہے، اور زندگی کا حساب دینے کیلئے اپنے رب کے روبرو پیش ہونا ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ۝﴾(العنکبوت:57)

''اور ہر ذی نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور پھر ہماری طرف ہی تم پلٹائے جاؤ گے''

﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝﴾(المائدہ:105)

''تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، پھر وہ تمھیں بتلا دے گا جو کچھ تم کرتے ہے''

جب بالآخر یہاں سے جانا ہی ہے تو پھر ہمیشہ کی اخروی زندگی سے غفلت کیوں.....؟

ٹالا نہ جا سکے گا: جب قاصد آ گیا تو کوئی بھی رکاوٹ نہ بن سکے گا:

﴿ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ (سورہ نوح:4)

''بلاشبہ جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آ جاتا ہے تو وہ ٹالا نہیں جا سکتا، کاش تم اس حقیقت کو جان جاتے''

جب اس قدر بے بسی ہے، تو پھر اللہ کی نافرمانی اور سرکشی کیوں.....؟

ہنستی مسکراتی زندگی! اکثریت اپنے انجام سے بے خبر، اس فانی زندگی کی عارضی خوشیوں میں گم ہے، دنیوی ٹپ ٹاپ اور لمبی امیدیں انسان کو مقصد حیات سے غافل کئے رکھتی ہیں کہ موت اچانک دستک دے دیتی ہے، پھر انسان پچھتاتا ہے کہ کاش مہلت مل جائے لیکن اب مہلت کہاں! نبی کریم ﷺ نے کچھ خطوط کھینچے پھر فرمایا:

''یہ امید ہے اور یہ اس (انسان) کی موت ہے، وہ اسی اثنا میں ہوتا ہے کہ زیادہ قریب والا خط (یعنی موت) اچانک اس تک آ پہنچتا ہے۔''

(مشکوٰۃ، کتاب الرقاق:5269، بخاری:6418)

کیا ہم طولِ عمل سے نجات اور عارضی خوشیوں کی بجائے ہمیشہ کی راحتوں کے حصول کیلئے موت کی یاد دل میں بسانے کیلئے آمادہ ہیں.....؟

ہر خیر اور ہر شر کا موجب! یہ حقیقت ذہن نشین کر لیں کہ موت کی یاد ہر 'خیر' جبکہ موت سے غفلت ہر 'شر' کا دروازہ کھولنے کا باعث ہے۔ موت کی یاد پتھر دل کو موم جبکہ موت سے غفلت زندہ دل کو بھی مردہ کر دیتی ہے۔ اگر کوئی دنیا و آخرت کی خیر کا طالب ہے تو اسے ہر لمحہ موت کا تصور دل میں بسانے کی محنت کرنا ہوگی، جیسا کہ پیارے رسول ﷺ نے فرمایا:

''لذات کو کاٹ دینے والی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔''

(مشکوٰۃ، کتاب الجنائز، 1607، ترمذی:2307، حسن)

کیا آپ عارضی لذات و خواہشات کے پٹے سے آزادی اور ہمیشہ کے اخروی مزوں سے بہرہ مند ہونے

کیلئے موت کی یاد دل میں بسانے کیلئے آمادہ ہیں.....؟

موت بطور کسوٹی؟ اگر کوئی اپنا محاسبہ کرنا چاہے تو موت ایمان کیلئے کسوٹی بھی ہے، اگر ایمان وعمل کما حقہ درست ہوں تو انسان ہر وقت دنیا سے جانے کیلئے تیار ہوگا، اور دنیا سے جانے کے تصور سے جس قدر خوف ہوگا اسی قدر ایمان وعمل میں کمی ہوگی اور جن کے ہاتھوں نے آگے بھیجی ہی برائی ہے، وہ کبھی مرنا نہ چاہیں گے، اللہ تعالیٰ نے اہل یہود کی بابت فرمایا:

﴿وَ لَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِم﴾ (البقرہ:95)

''اور یہ کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے بسبب ان (کرتوتوں) کے جو بھیجے ہیں ان کے ہاتھوں نے آگے''

بلکہ اس سے اگلی آیت میں فرمایا: ﴿یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ﴾۔ ''بلکہ چاہتا ہے ان میں سے ہر ایک کہ ملے اسے زندگی ہزار برس کی''

ایک دن مرتو جانا ہی ہے، آئیں مذکورہ معیار پر اپنا محاسبہ کرتے ہوئے موت سے پہلے پہلے اصلاح وتزکیے کی فکر کریں۔

موت سے خوف! عموماً لوگ موت سے بہت خوف کھاتے ہیں بلکہ دنیا میں انسان کو سب سے بڑا کوئی خوف ہے تو وہ یہی ہے، لیکن اگر انسان حقیقی طور پر مقصد حیات پر آجائے، مومن اور متقی کی عظیم صفت سے متصف ہوجائے تو موت کا خوف دل سے نکل جاتا ہے، بلکہ دنیا سے جانا اسے پسندیدہ ہوجاتا ہے۔ کیونکہ موت اسکے لئے دنیوی مصائب وآلام سے چھٹکارہ اور پروردگارِ حقیقی سے ملاقات اور اسکی رحمت کا مژدہ ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (النحل:28-29)

''وہ لوگ جن کی جانیں قبض کرتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ نیک پاک ہوں، فرشتے کہتے ہیں تم پر سلام ہو، داخل ہوجاؤ جنت میں ان اعمال کے صلہ میں جو تم کرتے تھے''

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بھی خبر دی: ((تحفة المومن الموت)). ''موت تو مومن کیلئے تحفہ ہے'' (مشکوۃ:1609)

تو پھر بندہ مومن یہاں سے جانے سے گریزاں کیوں ہوگا؟

زندگی کا خاتمہ.....! زندگی کا خاتمہ کوئی مذاق نہیں، موت کا مطلب زندگی کا مکمل خاتمہ نہیں بلکہ نئی ابدی زندگی کا آغاز ہے، مرنے کے بعد یا تو لافانی عیش وعشرت میں جانا ہے یا ہمیشہ ہمیشہ کا دردناک عذاب:

﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ○ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ○﴾ (الانفطار:13-14)

''بلاشک وشبہ نیک وکار ضرور ہوں گے نعمتوں کی بہشت میں اور یقیناً بدکار لوگ ضرور ہوں جہنم میں''

یہ زندگی بڑی قیمتی ہے، وقت کی قدر کی جائے، زندگی کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔ کیا ہم اپنے انجام کی بابت فکرمند ہیں.....؟

دنیا سے حاصل....؟ چندروزہ دنیا کی خاطر انسان ہمیشہ کی نعمتوں کا سودا کر رہا ہے، دیکھا جائے تو یہاں سے حاصل بھی کیا ہے...؟ بیشتر وقت تو مصائب گھیراؤ کئے رہتے ہیں تاہم عموماً روزانہ صبح کا ناشتہ، دوپہر اور شام کا کھانا، کبھی کبھار دعوت وتفریح، مشروبات، پھل، شھوات وغیرہ۔ اور جو کچھ مل بھی رہا وہ بھی دردِسر سے خالی نہیں، پریشانیاں خوشیوں کے تعاقب میں ہی رہتی ہیں، پھر شادی ہونے اور عمر بڑھنے سے نئی امنگیں بھی دم توڑ چکیں، تو اب کیا رہ گیا... سوائے دھوکے کے؟ یہ بھی معلوم نہیں کس وقت موت ان حقیر لذات کا مکمل خاتمہ کردے۔ محض اس کی خاطر آخرت کو بھول کر ہمیشہ کی عظیم لذتوں کو کھو دینا کیا عقلمندی ہے....؟ اگر حقیقت سے دیکھا جائے تو دنیا میں آخرت کیلئے زادِراہ نہ سمیٹنا ہو تو یہ دنیا تو رہنے کی جگہ ہی نہیں، اول تو یہاں ہے ہی مصائب وآلام، اگر راحت نصیب ہو بھی جائے تو وہ بے سکونی سے خالی نہیں، یہاں کا فائدہ بھی نقصان اور خدشات سے خالی نہیں، پھر یہاں کی نعمتیں دیکھتے ہی دیکھتے فنا پذیر بھی ہوتی جاتی ہیں۔ اسلئے یہاں تھوڑی سی زندگی کے عوض ہمیشہ کی اخروی راحتوں کا حصول بڑا سستا سودا ہے۔ کیا ہم یہاں صبر کر کے وہاں رب کی رضا اور لافانی عیش کے حصول کیلئے آمادہ ہیں.....؟

مقصدِ تخلیق پر رہنے کا نسخہ: اگر آپ کما حقہ مقصدِ تخلیق پر رہنا چاہتے ہیں تو:

کسی لمحے بھی مرنے کا تصور دل میں بٹھالیں، زندگی کو صرف ایک دن پر لے آئیں، یعنی ہر دن کو زندگی کا آخری دن سمجھ کر گزاریں، جس پر دنیا کی حقیقت ٹھیک طرح کھل جائے وہ تو ایک سانس پر آجاتا ہے۔ بہر کیف جب تک انسان اپنی زندگی کو ایک دن پر نہیں لے آتا کما حقہ منزل کو نہیں پاسکتا۔ ہر دن کو آخری دن

سمجھ کر نہ گزارنے کے یقینی نتائج:

(۱)۔نیک اعمال میں سستی وکوتاہی، (۲)۔کماحقہ خشوع وخضوع سے محرومی، (۳)۔گناہوں سے کماحقہ بچنے میں ناکامی، (۴)۔خواہشات کے بے ہنگم پھیلاؤ اور لمبی امیدوں میں گرفتاری، (۵) سوزِ دل اور یادِ الٰہی سے محرومی۔

اسکے برعکس انسان جب ہر دن کو آخری دن سمجھ کر گزارتا ہے تو مذکورہ پانچوں محرومیوں سے نجات مل جاتی ہے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''جب تم شام کرو تو صبح کا انتظار مت کرو اور جب صبح کرو تو شام کا انتظار مت کرو اور اپنی صحت میں بیماری کے لئے اور اپنی زندگی میں موت کے لئے (کچھ) حاصل کرلو''

(بخاری، کتاب الرقاق:6416)

<u>نفس وشیطان کے فریب:</u> جونہی انسان اپنی موت کے متعلق سوچتا ہے یا کسی کی موت کی خبر سنتا ہے، شیطان فوراً اسے فریب دیتا ہے، وہ کہتا ہے ابھی تم ہرگز نہیں مرسکتے کیونکہ:

(۱)۔ابھی مرنے کی عمر نہیں (۲)۔ایسی بیماری نہیں جو موت کا سبب بن سکے، (۳)۔تمھارے ذمے بہت سے کام ہیں (۴)۔کتنے لوگوں کا دارومدار تم پر ہے (۵)۔تم ملک وقوم کیلئے فائدے کا باعث ہو (۶)۔وہ لوگ جو دین کے کام میں مشغول ہیں، انہیں وسوسہ دلاتا ہے کہ تمھیں اللہ کیوں مارے گا تو نے ابھی دین کا بہت کام کرنا ہے۔

<u>اس فریب سے نجات!</u> اس فریب سے نجات حاصل کرنا مشکل نہیں، اگر آپ اپنے گردونواح کا جائزہ لیں کہ کتنے لوگ جو آپ سے زیادہ صحت مند، خوبصورت، ذہین، نیک صفات، دین کا کام کرنے والے، آپ سے کم اور زیادہ عمر والے اس فانی دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔انھوں نے بھی کبھی نہ سوچا ہوگا کہ وہ اچانک مرسکتے ہیں۔بلکہ اگر آپ غور کریں کہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اہل علم حضرات میں سے بھی بعض کم عمری میں ہی چلے گئے۔تو پھر ہماری کیا گارنٹی...؟ اللہ اپنے فیصلوں میں بے نیاز ہے، اسکی کسی سے رشتے داری نہیں، لہٰذا طول امل سے بچتے ہوئے جلد از جلد زندگی کو صحیح رخ پر متعین کرلیں۔

پس! ہر دن کو آخری دن سمجھ کر گزاریں، اسکے لئے: اپنے دوست احباب جو دنیا سے جا چکے انکی فہرست بنائیں، انکی شکلوں صورتوں کو ذہن نشین کریں، تصور کریں کہ وہ بھی آپکے ساتھ کھاتے پیتے، چلتے پھرتے

تھے، کس شان سے زندگی بسر کرتے تھے، کس قدر مسرور تھے، وہ بھی ہماری طرح موت سے بے خبر تھے کہ ناگہاں عین بے خبری کے عالم میں قاصد آ گیا، اب کس طرح ان کا گوشت کیڑے مکوڑے نوچ چکے ہوں گے، ہڈیاں گل سڑ چکی ہوں گی، یہ لوگ ہم سے پہلے جان دے کر ہمارے لئے مثال بن گئے اور اب ہماری باری ہے۔

کتابِ زندگی: زندگی کتاب کی مانند ہے جس کے مصنف ہم خود ہیں، ہر دن نیا صفحہ الٹ جاتا ہے، آج کے صفحے پر صرف آج ہی لکھا جا سکتا ہے، جب صفحہ الٹ گیا تو کچھ نہیں لکھا جا سکے گا، کل نیا صفحہ سامنے آ جائے گا، روزانہ کا کام روزانہ کرنے کی ضرورت ہے، بروز قیامت یہ کتاب خالق کائنات کے روبرو ہمارے ہاتھ پکڑا دی جائے گی اور کہا جائے گا:

﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۝﴾ (بنی اسرائیل:14)

''پڑھ اپنی کتاب آج تو اپنا حساب لگانے کیلئے خود ہی کافی ہے''

ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ہم اپنی کتاب کے صفحات پر کیا لکھ رہے ہیں.....؟

زندگی کے ادوار: زندگی کا ۱۰۔سال کا دورانیہ بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، دس سال گزرنے کے بعد انسان اگلے دور میں داخل ہو جاتا ہے۔لہٰذا جو ۳۰۔سال کی عمر کو پہنچ گئے، دین سیکھنے اور طاقت و توانائی کے ساتھ دلجمعی سے عبادت کرنے کا وقت آ گیا، یہ لوگ سنجیدہ ہو کر دین سیکھنے کی طرف بھرپور توجہ دیں، جو ۴۰۔سال کو پہنچ گئے، اب رفتہ رفتہ سستی و تھکن اور بیماریاں آ دستک دیں گی، ان کے پاس بھرپور عبادت و قیام کے آخری دس سال رہ گئے، غنیمت جانتے ہوئے انہیں تو فوراً آنکھیں کھول لینی چاہئیں اور زندگی کے آخری دس سال سمجھ کر جو کرنا ہے اسکے کیلئے کمر کس لینی چاہیے۔خدانخواستہ اب بھی آنکھیں نہ کھلیں تو عظیم سعادتوں سے محروم ہو گئے، کیونکہ ۵۰ یا ۶۰۔سال کے بعد اول تو بھرپور اعمال کی توفیق ملنا ہی مشکل ہے اور مل بھی گئی تو شاید جسم ساتھ نہ دے سکے گا۔

صرف ایک موقعہ! دنیا کے امتحان میں فیل ہو جائیں تو بار بار موقع مل جاتا ہے لیکن اخروی امتحان کا صرف ایک ہی موقعہ (Chance) ہے، جو کرنا ہے اسی زندگی میں موت سے پہلے پہلے کرنا ہے، موت کے بعد جو کیا تھا اسکا حتمی نتیجہ نکل آئے گا، ناکام ہو گئے تو سوائے پچھتاوے کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔اسلئے آخرت کے حوالے سے بغیر کسی کی پرواہ کئے خود غرض ہو جاؤ، عقلمند وہی ہے جو بلا تاخیر فوراً فیصلہ کر لے۔

سب یاد آجائے گا: آج تو انسان دنیا کی مشغولیت میں آخرت سے غافل ہو چکا ہے، لاکھ سمجھائیں بیدار نہیں ہوتا لیکن بروز قیامت سب سمجھ آجائے گی، لیکن اب کیا فائدہ....؟

﴿ وَجِایٓءَ یَوۡمَئِذِۭ بِجَهَنَّمَ یَوۡمَئِذِۭ یَتَذَكَّرُ ٱلۡإِنسَـٰنُ وَأَنَّىٰ لَهُ ٱلذِّكۡرَىٰ ۝ یَقُولُ یَـٰلَیۡتَنِی قَدَّمۡتُ لِحَیَاتِی ۝﴾ (الفجر:23-24)

''اور لائی جائے گی اس دن (سب کے سامنے) جہنم، اس دن سمجھ آجائے گی انسان کو (سب) مگر اب کیا حاصل اسکے سمجھنے کا! اس دن کہے گا ہائے کاش آگے بھیجے ہوتے میں نے (نیک اعمال) اس زندگی کیلئے''

اس وقت پچھتائے کیا ہاتھ جب چڑیاں چگ گئیں کھیت.....!

لیکن ابھی تو آپکے پاس وقت ہے جاگنا چاہیں تو جاگ سکتے ہیں، فوراً جاگ جائیں۔

زندگی کس لئے؟ ہم مزید زندہ کس لئے رہنا چاہتے ہیں..؟ اسکی مختلف وجوہات ہوسکتیں ہیں:

(۱)۔زندہ رہنے کیلئے، زندگی کے مزے اور فوائد کے حصول کیلئے، خواہشات کی برآوری کیلئے... وغیرہ (۲)۔والدین، بیوی بچے، بہن بھائی، اقربا... ملک وقوم کی بہتری کی خاطر، (۳)۔اخروی بہتری، رب کی رضا... آخرت کے زادِراہ میں اضافے کیلئے۔

اگر مقصد صرف پہلا ہے تو دین بھی گیا اور دنیا کا سکون بھی، دنیا کی زندگی شاید اضطراب، خوف و خدشات اور بوجھ کے سایوں تلے ہی گزرے، افسوس کہ اکثریت کا مقصد یہی ہے۔لیکن اگر مقصد دوسرا اور تیسرا ہے تو دنیا بھی بن گئی اور آخرت بھی، اب زندگی ہلکی ہوجائے گی، خوف وخدشات چھٹ جائیں گے، تکالیف بھی گراں نہ گزریں گی اور اطمینان قلب بھی نصیب ہوگا، جینے کا تصور الٹا یعنی دنیا کے بجائے آخرت کرتے ہی حقیقی راحت وسکون سمیت ہر خیر کے دروازے کھلنے شروع ہوجائیں گے۔

کیا ہمیں ایسی عظیم زندگی اور سکون کی ضرورت نہیں.....؟

عظیم راحت وسعادت: درج ذیل تصور عظیم راحت وسکون اور سعادت کا باعث ہے:

ہر وقت موت کی یاد کے ساتھ زندگی گزرنی شروع ہوجائے تو وارے نیارے ہوجائیں۔لمبا عرصہ جینے کی آرزو کو قلیل کرنے سے زندگی بہت جلد درست سمت پر چڑھ جاتی ہے۔اگر ہم موت ہتھیلی پر رکھ کر ہر دن جانے کیلئے تیار ہوجائیں، جو وقت بھی ملتا جائے اسے غنیمت (Bonus) سمجھ کر گزاریں تو چین بھی مل

جائے گا اور زادِ راہ سمیٹنے م کی توفیق بھی۔

کیسے نصیب ہو؟ بات تو سمجھ آ گئی اب بڑا سوال یہی ہے کہ یہ سعادت یعنی موت کی یاد کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟ اس حوالے سے بہت کچھ اس تحریر میں بیان کیا جا چکا ہے، بہر کیف مزید یہ کہ: (۱)۔ پختہ فیصلہ کریں، (۲)۔ اسکی بابت علمی آگاہی پیدا کریں، (۳)۔ اپنی صحبت بہتر کریں: اچھے لوگوں، اچھی کتابوں بالخصوص قرآن مجید اور اچھی جگہوں جیسے مساجد، قبرستاں وغیرہ (۴)۔ جو ساتھی فوت ہو چکے انکی یاد دہانی (۵)۔ دن میں کم از کم ایک مرتبہ ذہن نشین کیا جائے کہ ایک دن مجھے غسل دیا جا رہا ہوگا، کفن پہنایا جا رہا ہوگا، جنازگاہ کی طرف لے جایا جا رہا ہوگا اور قبر میں اتارا جا رہا ہوگا۔ ایک نہ ایک دن آپکے ساتھ یہ سب کچھ ہونا تو ہے ہی، اگر آج اسے یاد کر لیا تو کل اس وقت کے آنے پر شاید پچھتاوے سے بچ جائیں۔ موت کی یاد کے حصول کیلئے آپ ﷺ نے زبردست نسخہ بتلایا: عبداللہ بن عمرؓ، بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے مجھے کندھے سے پکڑ کر فرمایا:

''دنیا میں اسطرح رہو جیسے کوئی اجنبی یا راہ گزر، اور اپنے آپ کو مردوں میں شمار کرو۔''

(مشکوٰۃ، کتاب الرقاق: 5274، بخاری: 6416)

کرنا کیا ہے؟ بات تو سمجھ آ گئی، اب کرنا کیا ہے...؟ کیا دنیا کو ترک کرنا ہے...؟ نہیں بلکہ: دنیا کو دارالامتحان اور دارالآزمائش سمجھتے ہوئے اسے دین اور آخرت کے تابع کرنا ہے، اپنے خالق کی پہچان حاصل کرنی ہے، عارضی اور حقیر مزوں کی بجائے ہمیشہ ہمیشہ کی عظیم راحتوں پر نظر جمانی ہے، آخرت کو پہلی جبکہ دنیا کو دوسری ترجیح پر رکھنا ہے۔ دین کو سمجھنے، اس پر عمل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کیلئے وقت نکالنا ہے۔

معمول کی زندگی پر نظر: شیطان فریب میں مبتلا کرتا ہے کہ، بڑا وقت پڑا ہے، مرنے سے پہلے پہلے ٹھیک ہو جانا، فکر کی ضرورت نہیں۔ یاد رکھیں! موت انہیں حالات میں آنی ہے جن حالات میں معمول کی زندگی گزر رہی ہے، انہیں شب و روز سے آپ کو اچانک نکال کر اپنے خالق حقیقی کے روبرو پیش ہونا ہے، اگر معمول کی زندگی بہتر نہیں تو موت کے وقت اس نے کیسے بہتر ہو جانا ہے.....؟ اگر آپ واقعتاً کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو پھر شب و روز پر نظر رکھیں، معمول کی زندگی کو فوراً درست کریں، معمول کی زندگی کو بہتر نہ کرنا اور خاتمہ بالخیر کی امید رکھنا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔ آپ نے اپنے آپ کو فریب دینا ہے یا فریب سے بچانا ہے.....؟ فیصلہ اب آپ کے اپنے ہاتھ ہے....!

یادرکھیں! ہمیں آخرت کی لافانی زندگی کیلئے پیدا کیا گیا ہے، ہم اسی زندگی کو زندگی سمجھ بیٹھے حالانکہ یہ تو اصل زندگی کی تمہید ہے، یہ تو امتحانی وقفہ ہے جسے موت ڈال کر ابدی زندگی سے کاٹا گیا ہے، موت کا قاصد بغیر بتلائے کسی لمحے بھی دستک دے سکتا ہے، ویسے تو ایک منٹ کی بھی گارنٹی نہیں لیکن زندگی پوری بھی ہوگئی تب بھی ۶۰، ۷۰ سال دیکھتے ہی دیکھتے پل بھر میں گزر جانے ہیں، اس برف کے بلاک نے بہت جلد غائب ہو جانا ہے، جو وقت آنے والا ہو اس میں تو لگتا ہے وقت ہے لیکن جونہی وقت گزر کر ماضی کا حصہ بن جائے تو وہ خواب محسوس ہونے لگتا ہے، سابقہ گزری ہوئی زندگی پر نظر دوڑائی جائے تو پل بھر ہی محسوس ہوتا ہے، بالکل اسی طرح جو وقت آگے رہ گیا اس نے بھی بہت جلد گزر جانا ہے، پھر یہ حقیقت بروز قیامت اچھی طرح کھل جائے گی، اس دن انسان اپنی دنیا کی زندگی کی بابت خود اقرار کرے گا:

﴿ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴾ (النازعات:46)

''جس روز دیکھیں گے وہ قیامت کو تو ایسا لگے گا گویا نہیں رہے وہ دنیا میں مگر ایک شام یا ایک صبح''

موت کے وقت تو سب کو سمجھ آ ہی جانی ہے لیکن عقلمندی جیتے جی ہی اس دھوکے سے نکل جانے میں ہے، کیا آپ اسکے لئے آمادہ ہیں.....؟

اللہ رب العالمین میں ہمیں موت کے آنے سے پہلے پہلے موت کو یاد رکھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

10۔ اخلاص

ہر ممکن کاوش ومحنت کرنی ہے اخلاص وسچائی پر آنے کی کیونکہ اسکے بغیر ساری دوڑ دھوپ، ڈھیروں کئے ہوئے اعمال بے سود ہو جائیں گے۔ اسلئے اسکے اہم پہلوؤں کی بابت آگہی پیش خدمت ہے تا کہ اہل فکر کیلئے بچت کی راہ نکل سکے:

<u>اعمال کا دارومدار:</u> پہلی سمجھنے والی بات یہی ہے کہ سب سے پہلے نیت دیکھی جائے گی کہ کس نیت سے عمل کیا گیا، اگر نیت درست نہ ہوئی تو اعمال کی: مقدار اور تعداد، شکل وصورت اور حسن وخوبصورتی بے فائدہ ہو جائے گی۔ پیارے رسول ﷺ نے انسانیت پر واضح کر دیا:

''(انما الاعمال بالنیات)۔ اعمال کا دارومدار نیتوں ہی پر ہے، ہر شخص کو اسکی نیت کے مطابق بدلہ ملے گا، چنانچہ جسکی ہجرت اللہ اور اسکے رسول ﷺ کیلئے ہوگی، اسکی ہجرت انہی کی طرف سمجھی جائے گی اور جس نے دنیا حاصل کرنے کیلئے یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے ہجرت کی تو اسکی ہجرت اسی کے تحت تصور ہوگی۔'' (صحیح بخاری بدالوحی رقم۔1)

پسِ منظر: دیگر روایات کی روشنی میں ایک شخص نے ام قیس نامی عورت سے نکاح کی غرض سے ہجرت کی..... صحابہ میں انکا نام ہی مہاجر ام قیس سے مشہور ہو گیا۔

<u>دوہرا خسارہ:</u> حسن نیت یا اخلاص کے بغیر کئے گئے اعمال کا دوہرا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ (۱) محنت و مشقت بھی کی اور (۲) اوراجر سے محروم ہو کر دوزخ کی آگ میں بھی جا گرے۔ مسلمان ہو یا کافر جب عمل اللہ کیلئے کیا ہی نہ ہوگا تو اسکا اللہ سے کیا صلہ ملے گا.....؟:

﴿ وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ ﴾ (سورۃ الفرقان:23)

''اور متوجہ ہوں گے ہم انکے کئے ہوئے اعمال کی طرف اور بنا دیں گے ہم انہیں اڑتا ہوا غبار۔''

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمھیں ایک بڑے خطرے سے آگاہ نہ کروں جو میرے نزدیک دجال سے بھی زیادہ خوفناک ہے، صحابہ نے عرض کی کیوں نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''شرک خفی یعنی کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو

اور وہ نماز کو اسلیئے سنوار کر پڑھ رہا ہو کہ کوئی دوسرا شخص اسے دیکھ رہا ہے۔'' (مسند احمد)

پروردگار نے خبردار کر دیا..! اخلاص کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ ابلیس کے ہاتھوں ہلاکت سے بھی صرف وہی بچ سکے گا جو مخلص ہوگا، جیسا کہ ابلیس نے خود اعتراف کیا:

﴿قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ o اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ o ﴾

(ص:38: آیت:82-83)

''شیطان نے کہا (اے رب) تیری عزت کی قسم میں ساری (انسانیت) کو اچک (اغوا کر) لوں گا۔ مگر سوائے تیرے وہ بندے جو ان میں سے مخلص ہوں گے۔''

پروردگار نے واضح کر دیا کہ اس کے لئے قابل قبول اطاعت صرف وہی ہے جس میں کامل اخلاص ہو، ارشاد ہوا: ﴿ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ﴾ (زمر:3:39)

''آگاہ ہو جاؤ! اللہ کیلیئے (قابل قبول) صرف وہی دین ہے جو خالص ہو (صرف اسی کیلیئے)۔''

مزید فرمایا:

﴿اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰہِ وَ اَخْلَصُوْا دِیْنَھُمْ لِلّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ سَوْفَ یُؤْتِ اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًاo﴾ (النساء:4:146)

''مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کر لی، اپنی اصلاح کر لی اور اللہ کے ساتھ مضبوط تعلق جوڑ لیا اور اپنا دین اللہ کیلیئے (مکمل طور پر) خالص کر لیا، تو یہ لوگ (جنت میں) مومنین کی سنگت میں ہوں گے اور اللہ مومنین کو بہت بڑا اجر دے گا۔''

اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص دنیا سے رخصت ہوا، اللہ وحدہٗ کے لئے کامل اخلاص پر، بلاشرک اس کی عبادت پر، نماز قائم کرنے پر اور زکوٰۃ دینے پر، اسکی موت اس حال میں ہوگی کہ اللہ اس

سے راضی ہوگا (سبحان اللہ)۔'' (ابن ماجہ، باب الایمان، المستدرک للحاکم: 362/2)

اس ضمن میں مزید دلائل کیلئے دیکھئے: (سورہ عنکبوت: 69:29)، (البقرہ: 257:2)

پس معلوم ہوگیا کہ اخلاص کے بغیر کچھ بھی نہیں۔

<u>عدم اخلاص کی قباحت:</u> عدم اخلاص کی قباحت کی حقیقت امام محمد غزالیؒ یوں واضح کرتے ہیں:

''جب عبادت کا مقصود خلائق بن جائے تو وہ عبادت نہیں رہی بلکہ مخلوق پرستی ہوگئی، اسی طرح اگر خالق کی عبادت کے ساتھ مخلوق کی خوشنودی بھی مقصود بن جائے تو یہ شرک ہے۔''

(کیمیائے سعادت، باب: ریا کا علاج)

یعنی دین کے کام اللہ کے علاوہ جس مقصد کے لئے کئے جائیں گے، اسی کی پرستش شمار ہوگی۔

<u>حسن نیت کی برکات:</u> حسن نیت کی برکات کے کیا کہنے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک سے واپس لوٹے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''ہمارے پیچھے کچھ لوگ مدینے میں رہے، ہم جس گھاٹی یا وادی میں چلے وہ (اجر وثواب میں) ہمارے ساتھ تھے کیونکہ عذر (بیماری وغیرہ) نے (انہیں) وہاں روکے رکھا۔''

(بخاری، الجہاد ولیسر: 2839)

اسکے برعکس اگر نیت غلط ہوئی تو جہاد جیسا انتہائی مشکل ترین عمل بھی بے فائدہ ہو جائے گا جیسا کہ ایک روایت کے تحت سب سے پہلے شہید، سخی، غنی..... وغیرہ کو ریا کاری کی وجہ سے دوزخ میں پھینکا جائے گا۔ اخلاص کی برکات کا اندازہ اس سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ: نیکی کا ارادہ کرنے سے نامہ اعمال میں ایک نیکی کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے اور نیکی کرنے پر دس سے لے کر سات سو بلکہ اس بھی زائد کا ثواب ملتا ہے، برائی کے ارادے پر نہیں بلکہ برائی کرنے پر ایک برائی کا گناہ لکھا جاتا ہے۔ (دیکھئے: بخاری۔ 6491، مسلم: 131)

<u>اخلاص کا مطلب:</u> اخلاص اور نیت کا محل 'دل' ہے، اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کا مقصد: (۱)۔ اللہ کی رضا کا حصول، یا (۲)۔ اخروی نجات یعنی دوزخ کی آگ سے بچنا اور جنت کا حصول ہو۔ اسکے علاوہ دیگر جذبات یا مقاصد کی آمیزش نہ ہو۔

<u>عدمِ اخلاص یعنی ریا کاری کی شکلیں:</u>

(۱)۔مقام ومرتبہ،عزت وشہرت کی خاطر

(۲)۔دولت ودیگر دنیوی مفادات کی خاطر

(۳)۔اسلام کی بجائے: فرقہ واریت، مسلم کی پہچان کی بجائے دیگر خودساختہ ناموں سے پہچان پرفخر،تحفظِ خواہش نفس، پیدائشی مسلک، آباؤاجداد، اکابرین وبزرگان دین.....وغیرہ۔اس مرض نے بہت برے طریقے سے اہل اسلام کواپنی لپیٹ میں لے کراخلاص سے محروم کردیا ہے۔

<u>عدمِ اخلاص کی وجہ؟:</u> انسان حسن نیت اوراخلاص کی بجائے دیگر ملاوٹوں یاریاکاری کاشکارکیوں ہوجاتا ہے.....؟اسکی وجہ یہ ہے کہ:

''حرص،عزت وشہرت، ناموری سمیت دیگر مفادات کا بڑا شدید جذبہ انسان کے اندر رکھا گیا ہے۔ ہرکوئی چاہتا ہے اسکے علم، اسکی صلاحیتوں اوراسکے تقویٰ وپرہیزگاری کولوگ جانیں اور اسکی ستائش ہو۔انسان کواپنی ناموری اپنی تعریف وتوصیف بڑی عزیز ہے۔چنانچہ شیطان انہیں کمزوریوں کواستعمال کرکے عدمِ اخلاص کے ذریعے انسان کی محنت وکاوش پر پانی پھیرتا ہے۔اللہ تو چونکہ ہمیں نظرنہیں آتا، انسان نظر بھی آتے ہیں اوران سے مدح سمیت دیگر مفادات کانقدونقدحصول بھی اسی وقت ہوجاتا ہے اسلئے کمزورایمان والاشخص بڑی آسانی سے ابلیس کالقمہ بن جاتا ہے۔''

بچاؤ کی تدابیر

(۱)۔ <u>مضرپن سے آگاہی:</u> عدم اخلاص کے مضرپن سے آگاہی کی جائے: یعنی سب محنت اکارت اور صلہ دوزخ کی آگ۔

(۲)۔ <u>ایمان کی پختگی اورمعرفت الٰہی:</u> اللہ کے حاظر وناظر ہونے کا تصور پختہ کیا جائے، یقیناً وہ لوگوں سے بہت بڑھ کرآپکے ہرعمل کودیکھ رہا ہے، ہرفائدہ ونقصان اسی کے ہاتھ میں ہے۔لوگوں کی اللہ کے مقابلے میں کیا حیثیت ہے کہ اللہ کی رضا کی بجائے لوگوں کی خوشنودی کی خاطر اللہ کاحق لوگوں کودے دیا جائے۔جب عمل اللہ نے دیکھ لیا تو پھرمخلوق کودکھانے کی حرص کیوں کی جائے؟۔

بطورعبرت درج ذیل حدیث کودل میں جگہ دے کرشیطان سے بچ جائیں:

ایک ایسا شخص جو دنیا میں بہت ہی صاحب عزت، بڑے مرتبے اورشان وشوکت والا ہو،اسکے

برعکس دوسری طرف ایسا بے حیثیت شخص جس کی کوئی بات سننے کو بھی تیار نہ ہو..... لیکن اس فقیر کی اللہ کے ہاں عزت کی بنا پر آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر اس جیسے (صاحب حیثیت) لوگوں سے زمین بھی بھر جائے تو یہ اکیلا (فقیر) ان سے کہیں بہتر ہے۔'' (مشکوۃ:5236، بخاری ومسلم)

سبحان اللہ! اگر نظر اللہ کے ہاں عزت ومقام پر ہوگئی تو وارے نیارے ہوگئے۔

(۳)۔ <u>دنیا وآخرت کا تقابل</u>: دنیوی زندگی کی مدت اور آخرت کی مدت، دنیا کے فوائد ونقصان اور آخرت کے فوائد ونقصان کا موازنہ کیا جائے۔

(۴)۔ <u>خفیہ اعمال</u>: جہاں تک ممکن ہو خفیہ اعمال بجالائے جائیں، ہر ممکن کوشش کی جائے کہ جو عمل مخلوق سے چھپا کر کیا جاسکتا ہو وہ کیا جائے۔ اگر کہیں اعلانیہ مال وغیرہ دینے کا تقاضا ہو بھی تو کچھ مال اعلانیہ دے دیا جائے جبکہ کچھ خفیہ تاکہ مخفی دیا گیا مال توریا کاری سے بچ سکے۔

(۵)۔ <u>حلیہ ولباس</u>: آپ ﷺ کا بھی اسوہ تھا کہ لوگوں میں بیٹھے ہوئے کوئی الگ شناخت نہ ہوتی تھی۔ لہٰذا حلیہ ولباس (Getup) میں (بالخصوص دینی اعتبار سے) اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز نہ کیا جائے، جہاں تک ممکن ہو اپنا حلیہ ولباس سادہ رکھا جائے تاکہ شیطان سے بچنا آسان ہوجائے۔ شکل وصورت اور جبوں کبوں کے ذریعے لوگوں سے عزت تو شاید مل جائے لیکن اللہ تو دلوں کو دیکھتا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((**ان اللہ تعالٰی لا ینظر الٰی اجسامکم، ولا الیٰ صورکم، ولکن ینظر الٰی قلوبکم و اعمالکم**)) (صحیح مسلم البر واصلۃ والادب باب تحریم ظلم المسلم)

''اللہ تعالیٰ تمھارے جسموں اور تمھاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمھارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔''

(۶)۔ اخلاص کے حصول کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے۔

امام محمد غزالی رحمہ اللہ نے اس مہلک مرض کا زبردست علاج تجویز کیا جسکا مفہوم یوں ہے:

''اسکے علاج کیلئے بڑی کوشش اور سعی کی ضرورت ہے..... انسان جب اسکے ضرر اور نقصان کو پہچان لے گا، جب وہ سمجھ لے گا کہ اسکی مضرت اس قدر ہے کہ وہ اس کو برداشت نہیں کر

سکے گا تو اس لذت سے دست بردار ہونا اس پر آسان ہو جائے گا، مثلاً وہ سمجھ لے کہ اس شہد میں زہر قاتل بھی شامل ہے تو اگر چہ اسے شہد کھانے کا بہت شوق ہے لیکن وہ زہر کے شامل ہونے کی وجہ سے اس سے پرہیز کرے گا۔'' (کیمیائے سعادت، باب: ریا کا علاج)

اخلاص کے یقینی نتائج

اگر اخلاص نصیب ہو گیا تو درج نتائج کا حصول انشاءاللہ ضرور ہوگا:

(۱)۔ اعمال کی اللہ کے ہاں قبولیت

(۲)۔ راہِ ہدایت یعنی صراط مستقیم کا نصیب ہونا

(۳)۔ گناہ سے بچنے، ایمان اور عمل صالح کی توفیق

(۴)۔ اللہ کی رضا اور اس کے قرب کا حصول

(۵)۔ ذہنی سکون اور قلبی اطمینان کا نصیب ہونا

اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کی عظیم نعمت سے نوازے، ظالم شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ فرما کر ہماری کاوش و محنت کو رائیگاں ہونے سے بچائے۔ (آمین)

۞۞۞۞۞

11۔ فریضہ دعوتِ دین

ایمان وعمل کے بعد دین کی دعوت، یعنی اللہ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانا، اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی اہمیت کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ انبیاء ورسل علیہم السلام کی بعثت کا بنیادی مقصد ہی یہی تھا۔ دعوت ہی وہ ذریعہ ہے جس کی بدولت انسانیت اللہ کے پیغام سے باخبر ہوکر نجات وفلاح کی راہ پر گامزن ہوتی ہے۔ فی زمانہ مسلمان اسے اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتے، وہ اللہ کا یہ اہم ترین کام چھوڑ چکے ہیں حالانکہ دعوتِ دین ہر شخص پر اسکی حیثیت کے مطابق فرض ہے۔ انبیاء کرامؑ کے بعد اگر انسان اسے اپنی ذمہ داری نہ سمجھیں تو شیطان کا انسانیت کو دبوچنا بہت آسان ہوجائے۔ اہل اسلام کو اس کے بھولے ہوئے سبق کی یاد دہانی کیلئے فریضہ دعوتِ دین کے مختلف پہلو پیش خدمت ہیں:

نجات کیلئے کم ازکم ذمہ داری!

سورۃ العصر کی روشنی میں عام افراد کیلئے وہ کم ازکم ذمہ داری جس کی ادائیگی پر وہ اللہ کے ہاں ناکام ونامراد ہو کر ابدی خسارہ پانے والوں کے بجائے کامیاب وکامران ہونے والے خوش نصیبوں کی صف میں داخل ہوگا، وہ قسم کھا کر پروردگار نے یہ بتلائی ہے:

﴿وَالْعَصْرِ o اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ o اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ o﴾ (سورۃ العصر)

''قسم ہے زمانے (کہ) انسان خسارے میں ہے مگر (خسارے سے بچنے والے) وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور صالح اعمال اختیار کیے، جو حق (یعنی سچ بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔''

پس ابدی خسارہ سے بچنے کیلئے: (۱)۔ایمان، (۲)۔عمل صالح، (۳)۔سچائی یعنی حق بات کی تلقین اور (۴)۔صبر کی تاکید، ناگزیر ہے

ان میں سے ایک کڑی بھی حذف ہوگئی تو انسان مارا گیا۔ جب کہ مسلمان ایمان، اعمال اور صبر کو تو ضروری سمجھتے ہیں لیکن حق بات کی تلقین یعنی دعوتِ دین کو اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتے، بلکہ اسے صرف علماء کی ذمہ داری

سمجھتے ہیں، جب کہ سورۃ العصر میں خطاب عام انسانوں کو ہے۔ دعوتِ دین کو بطور ذمہ داری اپنانے کے حوالے سے سورۃ العصر ہی کافی ہے۔

سب سے بڑا کام: ایمان وعمل کے بعد سب سے بڑا کام اللہ کے دین کی دعوت ہے:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۝﴾ (حم السجدہ۔ 33:41)

''اور اس سے اچھی بات کس کی جو دعوت دے اللہ کی طرف اور نیک اعمال کرے اور کہے کہ میں بھی (عام) مسلمانوں میں سے ہوں۔''

عظیم اجر وثواب: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا تو اسے ان تمام لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو اسکی پیروی کرنے والوں کو ملے گا۔'' (مسلم، الامارۃ:1893)

آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جہاد کیلئے بھیجا تو فرمایا:

''اللہ کی قسم! اگر اللہ تیرے ذریعے ایک آدمی کو بھی ہدایت عطا فرمادے تو یہ تیرے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔'' (بخاری کتاب الجہاد:2942)

لازمی ذمہ داری: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم کرو اور ضرور برائی سے روکو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیج دے، پھر تم اس سے دعائیں کرو گے لیکن وہ قبول نہیں کی جائیں گی۔'' (ترمذی، کتاب الفتن:2169)

کیا اب بھی شک باقی ہے.....؟ کیا اب بھی ہم اسے اپنا فریضہ نہیں سمجھیں گے....؟

ایمان کیلئے ناگزیر: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص تم میں سے کسی برائی کو (ہوتے) دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر (ہاتھ سے روکنے کی) طاقت نہیں ہے تو زبان سے روکے (یعنی برائی کو واضح کرے)، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (اسے برا جانے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔'' (مسلم الایمان:49)

اور ایک دوسری روایت میں ہے: ''اور اسکے بعد ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی موجود نہیں۔''

اسلامی معاشرے کی بہتری کیلئے انتہائی اہم حکم دے دیا گیا ہے، معاشرے کی بہتری کیلئے یہ حکم ناگزیر ہے۔ ہاتھ سے برائی اور ظلم کے آگے رکاوٹ بننے کا وہاں حکم ہے جہاں طاقت ہو، جہاں لوگ کسی کے ماتحت ہوں جیسے اولاد، اور معاشرتی سطح پر یہ ذمہ داری بالخصوص حکمرانوں کی ہے۔ ایمان کی سلامتی کیلئے یہ ضروری ہے کہ برائی اور ظلم و ناانصافی کے خلاف حکمت اور مواعظ حسنہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے زبان ضرور استعمال کی جائے، اور اگر اتنی بھی ہمت نہ ہو تو دل میں ضرور شدید ناگواری ہونی چاہئے جو کہ کمزور ترین ایمان ہے اور اگر خدانخواستہ برائی کو دیکھ کر بھی دل نہ کڑھے اور پریشانی لاحق نہ ہو پھر ایمان برائے نام ہی ہے۔

<u>ہمارا امتیازی وصف!</u> خالق کائنات نے امت محمدیہ ﷺ کا امتیازی وصف یوں بیان فرمایا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰه﴾ (آل عمران:110)

''تم بہترین امت ہو جنہیں لوگوں (کی ہدایت) کیلئے نکالا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

لیکن افسوس کہ ہم تو اس امتیازی وصف کو بھول چکے ہیں.....!

<u>بچے گا صرف وہی:</u> بچے گا صرف وہی جو دعوت کی ذمہ داری پوری کرے گا، اصحاب سبت کے تین گروہ: (۱) مچھلی کا شکار کرنے والے نافرمان، (۲)۔ کنارہ کش ہو جانے والے یعنی نہ شکار کرنے والے اور نہ ہی منع کرنے والے اور (۳)۔ نافرمانوں کو منع کرنے والے۔ ان میں سے صرف وہ گروہ بچا جو منع کرنے والا تھا، جیسا کہ پروردگار نے فرمایا:

﴿اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ﴾. (اعراف:165:7)

''تو جو لوگ برائی سے منع کرتے تھے ان کو ہم نے نجات دی''

کیا ہمیشہ کی آسانی کیلئے یہاں تھوڑی سی مشقت اٹھانے کیلئے ہم تیار ہیں.....؟

<u>حضرت لقمانؑ کی نصیحت:</u> اپنے بیٹے کو صبر اور نماز کے ساتھ دعوت دین کی یوں تلقین کی:

ترجمہ: ''اے میرے بیٹے نماز قائم کرو، اور حکم دیتے رہو نیک کاموں کا اور منع کرتے رہو برائی سے اور صبر کرتے رہو اس تکلیف پر جو تمھیں پہنچے، یقیناً یہ بڑے ہمت کے کام ہیں۔''

(لقمان۔17:31)

عام فرد کی دعوت: علماء کی بجائے عام افراد کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے جسکا ایندھن ہوں گے انسان اور پتھر۔'' (تحریم:6)

﴿وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (التوبہ:71)

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، باہم بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔''

چونکہ آپ ﷺ کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا اسلئے یہ ذمہ داری تا قیامت آنحضور ﷺ کے امتیوں کے سپرد کر دی گئی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے حکم دیا:

(بلغوا عنی ولو ایة) (بخاری، کتاب احادیث الانبیاء)

''تم پہنچا دو میری طرف سے آگے چاہے ایک آیت ہی ہو۔''

مزید فرمایا:

''تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اس سے اسکے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔'' (بخاری، الجمعۃ:893)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے حکم دیا:

''اب پہنچائیں وہ جو یہاں موجود ہیں ان کو جو موجود نہیں ہیں'' (بخاری، کتاب الحج)

ان احکام کی رو سے عام فرد کے ذمہ بھی دعوت ہے جو کہ: اپنے اپنے دائرہ اختیار میں معروف، منکر، بنیادی وضروری دین: بیوی بچوں، بہن بھائیوں سمیت دیگر اقربا، حلقہ اثر دوست احباب، ہمسائے، محلے داروں تک ضروری ہے۔ ہم میں سے ہر ایک ہر حال میں اسکا مکلّف ہے، یہ کم از کم ذمہ داری ادا کیے بغیر نجات پانا محض خام خیالی ہے۔

علماء حضرات کی دعوت: علماء حضرات کی ذمہ داری عام افراد کی نسبت بہت زیادہ ہے انکی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ

لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۝﴾

(التوبہ:122)

''اور سب مسلمانوں کیلئے تو ممکن نہ تھا کہ وہ اس کام (دین کی بصیرت) کیلئے نکل کھڑے ہوتے، لیکن ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے تا کہ دین کی گہری سمجھ بوجھ حاصل کرتے اور جب (علم سیکھ کر) واپس پلٹتے تو اپنی قوم کو انذار کرتے، تا کہ وہ بچ جاتے۔''

اسلام دین فطرت ہے، یہ حکم ہر مسلم فرد کو نہیں بلکہ ہر علاقے، محلے اور گروہ میں سے کچھ لوگ اگر وقف ہو کر دین کا تفصیلی علم حاصل کریں، گہری بصیرت کے بعد اپنے اپنے علاقوں میں انذار و تبشیر (حیات اخروی کیلئے لوگوں کو تیار) کریں تو معاشرے کو کفایت کر جائیں۔ افسوس کہ آج دین خدمت کی بجائے کمائی کا ذریعہ (Source of Income) بن چکا ہے۔ مدارس میں علماء حضرات اسلام کی بصیرت کی بجائے دوسرے فرقوں کی کاٹ سیکھ کر نکل رہے ہیں، انذار کی بجائے اپنے اپنے فرقے کا دفاع اور دوسروں کی تردید ہو رہی ہے، اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ (آمین)۔ ان حالات میں عام تعلیم یافتہ افراد پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کیلئے وقت نکالیں۔

<u>دعوت کی بنیاد:</u> پروردگار نے قیامت تک کیلئے اپنا حتمی تکمیلی پیغام قرآن حکیم کی صورت میں نازل کر دیا ہے۔ قرآن کے ہوتے ہوئے اس حقیقی ضابطہ حیات کی بجائے دیگر چیزوں کی بنیاد پر دعوت و اصلاح کرنا سمجھ سے باہر ہے۔ دیگر مبلغین تو درکنار اللہ تعالیٰ نے تو اپنے پیارے رسول ﷺ کو بھی تخصیص کے ساتھ حکم دیا کہ آپ اس قرآن کے ذریعے لوگوں کو نصیحت کیجئے:

☆ ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾ (سورۃ ق، آیت:45)

''پس نصیحت کرتے رہیے اس قرآن کے ذریعے ہر اس شخص کو جو (میرے) عذاب سے ڈرتا ہے''

☆ ﴿فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا﴾ (الفرقان، آیت:52)

''ان کافروں کی پیروی نہ کرنا اور ان سے اس (قرآن) کے ذریعے (نصیحت و تبلیغ) کر کے بڑا جہاد کرو''

کیا ہمیں اپنی دعوت کی بنیاد قرآن پر رکھنے کی ضرورت نہیں؟ ہماری مذہبی جماعتیں اگر اپنے اپنے مسالک کے موافق لکھی ہوئی کتابوں کی بجائے اللہ کی کتاب کو بنیاد بناتیں تو لوگوں کی حقیقی اصلاح کے ساتھ ساتھ فرقہ واریت سے بھی جان چھٹ جاتی۔

دعوت کی اولین ترجیح: متعدد آیات گواہ ہیں کہ آپ ﷺ سمیت تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا مرکز ومحور خالق کائنات کا تعارف اور اسکی وحدانیت کا بیان تھا۔ آپ ﷺ نے جب سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف (گورنر بنا کر) بھیجا تو فرمایا:

((**فلیکن اول ماتدعو هم الی ان یوحدوا اللہ تعالٰی**)) (صحیح بخاری کتاب التوحید)

''تم انہیں سب سے پہلے اللہ کی توحید کی طرف دعوت دو۔''

توحید کے ساتھ: رسالت، ایمانیات، عبادات، اخلاقیات اور انذار ترجیح ہو۔

فرقوں کی بجائے اسلام کی دعوت: فرقے، مسالک، جماعتیں اگر اسلام کے تحت ہوتے تو خیر تھی لیکن افسوس کہ یہ اسلام پر غالب آ چکے ہیں۔ اسلام اور مسلمان کی پہچان ختم جبکہ بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث، شیعہ..... کی پہچان بنیاد بن چکی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے فرقوں کے ساتھ وابستگیوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اسلام کے ساتھ وابستگی پیدا کی جائے۔ یاد رہے اسلام سے مراد: اللہ تعالٰی، اسکا رسول ﷺ، قرآن مجید، سنت رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے، انکی پیروی سب سے اوپر باقی سب کی انکے بعد ہو۔

دعوت کے آداب: اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ (النحل:125)

''بلاؤ اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ، عمدہ نصیحت کے ساتھ اور (مجادلے کی نوبت آ جائے تو) مجادلہ (مکالمہ، بحث وتکرار) کرو ان کے ساتھ بہترین طریقے سے۔''

یعنی داعی کو حکمت ودانائی، عمدہ اسلوب وعظ اور مہذب طریق پر بحث وتکرار، دلائل وبراہین اور علم وعقل کی روشنی میں کرنی چاہیے۔ مدعو پر دھونس جمانے اور اسے نیچا دکھانے کی بجائے شفقت ومحبت کے ساتھ اسکی خیر خواہی پر نظر ہونی چاہیے۔ لیکن افسوس کہ ان احکامات کو سب بھول چکے ہیں۔ یاد رکھیں! اگر آپ اللہ کو خوش

کرنا چاہتے ہیں تو مذکورہ ضابطہ لازمی ملحوظ رکھیں۔ایک اور جگہ نہایت احسن انداز سے رہنمائی فرمائی:

ترجمہ: ''اور اس سے بہتر کس کی بات جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں بھی (عام) مسلمانوں میں سے ہوں۔ بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہو سکتے، تم برائی کو اس نیکی سے دفع کرو جو زیادہ بہتر ہے، اسطرح تم دیکھو گے کہ وہ شخص جس کے ساتھ تمھاری دشمنی ہے، وہ گویا تمھارا ایک سرگرم دوست بن گیا ہے۔ یہ (دانائی اور توفیق) صرف انہیں کو عطا ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ (مقام) بڑے نصیب والوں کو ملتا ہے۔'' (حم السجدہ:33-35)

<u>اس عظیم مقام کو پانے کیلئے</u>: سراپا صبر بننے، دوسروں سے اپنے آپ کو ممتاز نہ کرنے، حتی الامکان احسن اسلوب اختیار کرنے اور دوسروں کی تلخی کو اپنی ذات میں سہنے کی ضرورت ہے۔اس ضمن میں کیا خوبصورت بات لکھی ہے کسی نے، جسے دل میں نقش کرنے کی ضرورت ہے:

''ہرانے کے بجائے دل جیتنا، منوانے کی بجائے متاثر کرنا، حریف اور رقیب بننے کی بجائے ہمدرد اور ناصح بن کر سامنے آنا، فریق ثانی سے نفرت کرنے کی بجائے محبت کرنا یہاں تک کہ اس کے حق میں دعائیں نکلنے لگیں، دعوت نام ہے خیر خواہی کا نہ کہ مقابلہ آرائی کا (اسلئے لوگوں کی) انا مت بھڑکائیں (بلکہ انکا) ضمیر جگائیں۔''

(دعوت دین: کرنے کا اصل کام: www.pyamedost.org)

نوٹ: اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ خالق نے قرآن میں ظالم لوگوں سمیت جو اللہ کی بات کو رد کریں ان پر بہت شدید سختی کی ہے تاکہ وہ اخروی ہلاکت سے بچ جائیں۔اس سختی کو تو ضرور واضح کرنا چاہیے لیکن اسوہ رسول ﷺ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں بحیثیت انسان جس قدر تحمل و برداشت، صبر اور حکمت کو ملحوظ رکھ سکیں اسکی بھرپور کاوش کرنی چاہیے۔

<u>دعوت کی راہ میں آلودگیاں!</u> دعوت کی راہ میں درج ذیل آلودگیاں حائل ہو کر مقصد کو کھوٹا کرتی ہیں، جن سے بچنے کی بھرپور محنت کرنی ہے:

(۱)۔ ریاکاری، (۲)۔ اسلام کی بجائے مسلک، گروہ، فرقہ کے بھوت کا سوار ہونا، (۳)۔ اللہ کی رضا کی بجائے مال و عزت، (۴)۔ بے صبری کا مظاہرہ اور غیر اخلاقی طرز عمل، (۵)۔ ضروری و بنیادی دین کی

بجائے غیر ضروری چیزوں کو دعوت کی بنیاد بنانا، (۶)۔لوگوں کی اصلاح کی بجائے انہیں نیچا دکھانا، (۷) کاوش ومحنت کی بجائے نتائج پر نظر رکھنا۔اس ضمن میں یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ ساری دنیا مل کر بھی کسی کو ہدایت پر نہیں لاسکتی مگر جب اللہ چاہے، ہمارا کام صرف اپنا فرض ادا کرنا ہے۔

دعوت کے ذرائع

اگر آپ پر حقیقت کھل چکی ہے اور آپ نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ دعوت دین ہم سب کی ذمہ داری ہے، تو آیئے دعوت کے مختلف ذرائع سے واقفیت حاصل کرلیں تا کہ یہ کام کرنا ہمارے لئے آسان ہوجائے:

(۱)۔تحریر وتقریر: اگر کسی میں دین کی گہری بصیرت اور استعداد پیدا ہوچکی ہے کہ وہ خود وعظ ونصیحت کرسکتا ہے، خود تحریر لکھ سکتا ہے تو اخلاص اور تہذیب سے انذار وتبشیر، ضروری دین اور اہم چیزوں کیلئے ان دونوں ذرائع تحریر وتقریر سے 'فرقوں' کی بجائے 'اسلام' کی خدمت کرنا بہت بڑے اجر کا باعث ہے لیکن ہوشیار رہیں اس طریقے کی دو بڑی قباحتیں فرقہ واریت کا تحفظ اور ریا کاری کا اندیشہ ہے۔عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ دعوت کا کام صرف خود وعظ کرنا اور خود تحریر لکھنا ہی ہے، بلاشبہ یہ بھی ہے لیکن صرف یہی طریقہ نہیں، دیگر بہت سے ذرائع بھی ہیں۔

(۲)۔پیغام ودعوت: خود وعظ کرنے کے بجائے لوگوں کو اچھے پروگرام جہاں خالص قرآن وسنت کا احیاء ہوان میں شرکت کی دعوت دینا، اچھا دینی لٹریچر دوسروں تک پہنچانا بھی بڑا مفید ذریعہ ہے۔

(۳)۔بات چیت: وعظ وبیان کی زیادہ مہارت نہ بھی ہو تو تھوڑی بہت بات چیت، لکھی ہوئی تحاریر سے درس وبیان کیا جاسکتا ہے۔

(۴)۔مالی معاونت: دین کی اشاعت کیلئے مال خرچ کرنا: ترجمے والے قرآن مجید سمیت دیگر اچھی کتابوں کی پرنٹنگ کرانا، انہیں خرید کر لوگوں میں تقسیم کرنا، مساجد ومکاتب پر، اچھے پروگرامز کے انعقاد پر خرچ کرنا، پروگرامز کیلئے جگہ کی دستیابی کرنا، دین کی اشاعت میں مستعمل ذرائع: کمپیوٹر، سی ڈی.....وغیرہ مہیا کرنا۔

(۵)۔صلاحیتیں: جدید علمی وذہنی صلاحیتوں (انٹرنیٹ، کمپیوٹر، سافٹ ویئرز) کو دین کی اشاعت کیلئے استعمال کرنا۔

<u>فی زمانہ دعوت کی آسان راہیں:</u> ہمارے اسلاف نے پرمشقت دور میں دور دراز کے پیدل سفر اختیار کر

کے بھی دعوت کا حق ادا کیا۔آج کے جدید دور میں دنیا ایک گلوبل ہاؤس بن چکی ہے، دعوت کے بے شمار نئے ذرائع کھل چکے ہیں۔انٹرنیت کے ذریعے گھر بیٹھے ساری دنیا میں اللہ کا پیغام پہنچایا جا سکتا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اللہ کی محبت میں ان نئے ذرائع سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔

<u>حقیقی ایمان!</u> دلائل سے تو ثابت ہو ہی چکا ہے کہ دین کی دعوت ہر فرد کے ذمہ ہے لیکن یاد رکھیں! جس کسی کو بھی حقیقی ایمان نصیب ہو گیا، وہ اللہ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچائے بغیر رہ نہیں سکے گا۔اللہ کی محبت اسے چین سے نہیں بیٹھنے دے گی، اس کی روح دعوتِ دین کیلئے بے تاب ہو جائے گی۔اسکے برعکس اگر کسی میں یہ شوق اور جذبہ پیدا نہیں ہوا تو اسے اپنے ایمان و عمل کو درست کرنے کی بھرپور فکر کرنی چاہئے۔

آخری بات

آج پروردگار نے علمی انقلاب کے ذریعے انسان کے شعور کو بیدار کر دیا ہے، دعوت کیلئے زمین تیار ہے، ساری دنیا میں مسلمان وہ واحد قوم ہیں جن کے پاس اللہ کا حتمی پیغام بالکل اصلی حالت میں موجود ہے، ہے کوئی سمجھدار تعلیم یافتہ جو بصیرت، اعتدال اور اخلاقیات سے قرآن کا دامن تھامتے ہوئے اپنی صلاحیتوں کو اللہ کیلئے خرچ کرنے کیلئے پیش کر دے؟ جو مسائل کی فکر اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ مواقع استعمال کرنے کی بھی فکر پیدا کرے، نفرت و دشمنی کی بجائے صبر محبت و ہمدردی دے، دین سے کمانے یعنی بینک بیلنس بنانے کی بجائے ایثار و قربانی پیش کرے۔قرآن تو آواز دے رہا ہے، کون ہے اللہ کا مددگار؟ ہمیں جواب دینا ہے، ہم حاضر ہیں تیرے کام کیلئے۔

اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو دعوتِ دین کو اپنی ذمہ داری سمجھنے اور اسے نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

12۔ اللہ کے قرب کا حصول

ساری کائنات کا خالق و مالکِ (حقیقی) اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ دنیا کے حصول کی خواہش تو سب کو ہے لیکن دنیا کے خالق کی جستجو کسی کسی کو ہی نصیب ہے۔ جس خوش نصیب کو خالق کی توجہ اور قرب نصیب ہو گیا وہ تو سب خیر پا گیا۔ بلاشبہ دنیا و آخرت کی سب سے بڑی سعادت اللہ رب العالمین کا قرب ہی ہے۔ یہ سعادت پانے والے تمام مخلوقات میں قابل رشک بن گئے۔ اللہ کے قرب سے کیا مراد ہے؟ اور یہ کیسے نصیب ہو سکتا ہے اس حقیقت کو کھولنا اس تحریر کا بنیادی مقصد ہے۔

اللہ کے قرب سے مراد؟

قرب قریب سے ہے، اللہ کے قرب سے مراد اللہ کے قریب ہونا ہے۔ قرآن وسنت کے دلائل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کما حقہ اللہ کے قرب پانے والے خوش نصیب درج ذیل عظیم سعادتوں سے بہرہ مند ہو جاتے ہیں:

(۱)۔ اللہ کی خصوصی توجہ میں آ جانا۔ (۲)۔ گناہوں سے بچاؤ۔ (۳)۔ اعمال صالحہ سمیت دین کی خدمت کیلئے اللہ کا امر جاری ہو جانا۔ جب کسی کام کیلئے اللہ کا امر جاری ہو جائے تو انسان اسکی طرف کھنچا چلا جاتا ہے، انسان اس کام کو کرنے کیلئے بے چین ہو جاتا ہے۔ اگر خدانخواستہ اللہ کا قرب نصیب نہ ہو تو اعمالِ صالحہ اور دین کی خدمت انسان پر بہت گراں ہو جاتی ہے۔ (۴)۔ اللہ کی حفاظت نصیب ہونا۔ (۵)۔ دعاؤں کی قبولیت۔ (۶)۔ اطمینان سمیت دل و دماغ پر تسکین و راحت کی طرح طرح کی کیفیات کا وارد ہونا۔ (۷)۔ سب سے بڑھ کر اخروی فلاح کا حصول۔

ہر کسی کے اخلاص اور طلب و محنت کے حساب سے مذکورہ تمام سعادتیں یا ان میں سے کچھ نصیب ہو سکتی ہیں۔ سبحان اللہ! اگر آپ میں ان عظمتوں کے حصول کا شوق و جذبہ پیدا ہو چکا ہے تو اس عظیم سعادت کو پانے کے راستے کو بھی اچھی طرح من میں جگہ دیجیے۔

قرب کیسے نصیب ہو؟

دنیا میں کسی کی توجہ یا قرب کا حصول اسکے ساتھ ایثار، ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ مشروط ہے۔ اللہ کے قرب اور اسکی توجہ کیلئے بھی اسی قسم کا ضابطہ کار فرما ہے۔ اللہ کو پانے کیلئے جد و جہد اور قربانی لازمی شرط ہے، بغیر قربانی اللہ کا قرب نصیب ہو جائے یہ ممکن نہیں، اخلاص کی موجودگی میں جو جس قدر اللہ کے حقوق کی

حفاظت کرے گا، اسکے لئے قربانی وکاوش کیلئے تیار رہے گا اسی قدر اللہ کی توجہ اور قرب پائے گا۔قربانی کے بغیر انسان نیکی کی گردِراہ کو نہیں پاسکتا:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (آل عمران:92)

''تم ہرگز نیکی کو نہیں پاسکتے جب تک تم خرچ نہ کردو (اللہ کی راہ میں) ان چیزوں میں سے جو تمھیں بہت محبوب ہیں''

اگر حقیقی ایمان نصیب ہوگیا تو آپ اللہ کیلئے بے چین ہوجائیں گے، بغیر قربانی نہیں رہ سکیں گے، اللہ کیلئے خرچ کرنے کا شوق وجذبہ اُمڈ آئے گا۔

<u>اللہ کا وعدہ:</u> جس کسی نے بھی اخلاص کے ساتھ اللہ کو پانے کا فیصلہ کرلیا اور اخلاص کے ساتھ اس کیلئے کاوش وقربانی کیلئے تیار ہوگیا، ایسے خوش نصیب کی بابت اللہ نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ وہ اسے اپنی راہ اور قرب ضرور نصیب کرے گا:

﴿وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ o﴾ (سورہ عنکبوت:69)

''اور جنھوں نے کوشش کی ہمارے لئے، ان پر ہم ضرور کھولیں گے اپنی راہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہے۔''

ایک اور مقام پر بڑے زوردار انداز سے فرمایا:

﴿وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ o﴾ (سورۃ الحج:40)

''اور لازماً مدد کرتا ہے اللہ انکی جو مدد کرتے ہیں اللہ کی (انفاق، جہاد، دعوت اور دین پر کاربند رہنے سے)، یقیناً اللہ بہت طاقتور اور بہت غالب ہے۔''

اللہ نے تو اپنا قانون واضح کر دیا ہے، ہے کوئی اسے پانے کیلئے کاوش وقربانی کے ذریعے لبیک کہنے والا.....؟

<u>اللہ تو قدردان:</u> گئے گزرے انسان سے بھی ہمدردی کی جائے تو وہ یاد رکھتا ہے، تو اللہ تو سب سے بڑھ کر انصاف کرنے والا، صلہ دینے والا بلکہ قدر کرنے والا ہے۔تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ کیلئے قربانی کی جائے اور قدردانی نہ ہو، وہ تو فرماتا ہے:

﴿ وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیْم o﴾ (البقرہ:158:2)

''اور جو کوئی نیکی کا کام کرے تو اللہ تو قدردان اور دانا ہے۔''

اگر کسی باوفا شخص کو قرض دیا جائے تو رقم ضائع نہیں ہوتی بلکہ پوری کی پوری واپس ہو جاتی ہے تو کیا خیال ہے اللہ کے بارے میں؟ اسکے لئے خرچ کیا ہوا واپس نہ ہوگا؟ پورے کا پورا نہیں بلکہ بہت بڑھ چڑھ کر واپس ہوگا۔

داخلہ بھیجنا

موت سے پہلے پہلے شوق وشدت سے اللہ کو پانے کیلئے کاوش وقربانی کر لیں۔ اگر آپ بھی ان خوش نصیبوں میں جنہیں اللہ کا قرب نصیب ہے انکی صف میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو پھر یاد رکھیں امتحان دینے کیلئے پہلے داخلہ بھیجا جاتا ہے، اسکے بعد امتحان ہوتا ہے، پھر نتیجہ نکلتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ دیگر لوگوں کیلئے عموماً یہی طریقہ ہے کہ 'قرب' کے امتحان کیلئے پہلے داخلہ بھیجنا ہے۔ داخلہ جانے کی درج ذیل تین شرائط ہیں:

۱۔ اخلاص: یعنی مقصد اللہ کی رضا اور اخروی نجات کے علاوہ کچھ اور نہ ہو۔ اسلام (قرآن، سنت اور اجماعِ صحابہؓ) کی جگہ مسالک، فرقے، جماعتیں اور مذہبی اکابرین نہ لے لیں۔ افسوس کہ یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔ اللہ، رسول، اسلام، قرآن، سنت اور اجماعِ صحابہؓ پیچھے جبکہ مذہبی اکابرین، مسالک، فرقے اور جماعتیں آگے آ چکی ہیں۔ ان حالات میں مخلوق کا قرب تو شاید نصیب ہو جائے لیکن خالق کا قرب کیسے نصیب ہو.....؟

۲۔ پختہ فیصلہ: اللہ کو پانے کا پختہ فیصلہ کر لیا جائے۔ فیصلے کا مطلب محض ارادہ نہیں۔ جس کام کا فیصلہ کر لیا جائے تو اسکے لئے کاوش شروع کر دی جاتی ہے۔ اسکی راہ میں حائل رکاوٹیں دور کرنے کی محنت شروع ہو جاتی ہے۔

۳۔ کاوش وقربانی: دین سیکھنے اس پر عمل پیرا ہونے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کی کاوش شروع کر دینا۔ جس طرح ہم اپنی قیمتی چیزوں (جان و مال) کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح اللہ کے حقوق (اوامر ونواہی) کی ہر ممکن حفاظت کیلئے سنجیدہ ہو جانا۔ دنیا کو دین کے تابع کرنا، دین اور آخرت کو پہلی ترجیح پر لانا۔ شوق وجذبہ سے اللہ کیلئے جان و مال کی قربانی کرنا۔ بیٹھے بٹھائے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ کسی کام کی توفیق نصیب ہونے کیلئے ضروری ہے اسکی نیت ارادہ اور پختہ فیصلہ کے بعد اسکے لئے جدوجہد اور کاوش وقربانی کی جائے۔

اب امتحان ہوگا

مذکورہ تین شرائط کے پورا ہونے سے امتحان کیلئے داخلہ چلا گیا۔اب مختلف طرح سے لازماً امتحان ہوگا۔اللہ کی سنت اور طریقہ ہے کہ کھرے اور کھوٹے کی جانچ پڑتال کیلئے ضرور آزماتا ہے،اسے پانے کیلئے آزمائش اور امتحان سے لازمی گزرنا پڑے گا:

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ ھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ o وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَo﴾

(عنکبوت،آیت:2-3)

''کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنا کہنے پر کہ وہ ایمان لے آئے،چھوڑ دیا جائے گا؟،اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔یقیناً آزمایا گیا تھا ان لوگوں کو بھی جو ان سے پہلے تھے،اللہ تعالیٰ ضرور جانچ کر رہے گا سچوں کو اور ضرور جانچ کر رہے گا جھوٹوں کو بھی۔''

ان آیات کے شان نزول کے تحت آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے جب کفار مکہ کے ظلم وستم کی شکایت آپ ﷺ سے کی تو آپ نے فرمایا کہ:

''یہ تشدد ظلم تو اہل ایمان کی تاریخ کا حصہ ہے،تم سے پہلے مومنوں کا یہ حال کیا گیا کہ ایک گڑھا کھود کر اس میں انہیں کھڑا کر دیا گیا اور پھر ان کے سروں پر آرا چلا دیا گیا،جس سے ان کے جسم دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔اسی طرح لوہے کی کنگھیاں ان کے گوشت پر ہڈیوں تک پھیریں گئیں لیکن یہ ایذائیں انہیں دین حق سے پھیرنے میں کامیاب نہ ہوئیں۔

(بخاری،کتاب احادیث الانبیاء:6943)

صحابہ کرامؓ میں بھی سیدنا بلال ومقداد،حضرت صہیب،سیدنا عمار انکی والدہ اور انکے والد حضرت یاسر.....رضی اللہ عنہم پر بھی شدید ظلم ڈھائے گئے لیکن وہ ثابت قدم رہے۔لیکن افسوس کہ ہم پر تھوڑی سی تکلیف آجائے تو اللہ پر شک اور شکوے شکایات شروع ہو جاتے ہیں۔اللہ ہمیں بھی ایمان اور استقامت نصیب فرمائے۔(آمین)

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَ لَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ o الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ o اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَ رَحْمَۃٌ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَo﴾

(البقرہ:2:155-157)

''اور لازماً آزمائیں گے ہم تمھیں کسی قدر خوف اور بھوک سے اور (مبتلا کر کے) نقصان میں مال و جان کے اور ثمرات کے اور بشارت دو صبر کرنے والوں کو۔ وہ (صبر کرنے والے کہ) جب پہنچتی ہے انہیں کوئی مصیبت تو کہتے ہیں بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر ہم نے جانا ہے۔ دراصل یہی وہ لوگ ہیں جن پر عنائیتیں ہیں ان کے رب کی اور رحمتیں بھی اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔''

الحمدللہ بات کو بالکل واضح کر دیا گیا ہے، امتحان اور آزمائش سے ثابت قدمی سے گزرنے کے بعد ہی انسان اللہ کے قرب اور اسکی رحمت کی ڈگری کا مستحق ٹھرتا ہے۔ بغیر آزمائش اور مذکورہ شرائط کو پورا کئے امید رکھنا شائد خام خیالی ہی ہو۔

اب جبکہ امتحان میں کامیابی نصیب ہوگئی، اب انشاءاللہ ہاتھ پکڑ لیا جائے گا، دین اور اخروی فلاح میں اللہ کی تائید و نصرت ہم رکاب ہوجائے گی۔ اب روز بروز امتحان و ترقی کا سفر شروع ہوجائے گا۔ بقدرِ اخلاص و کاوش ایک منزل طے کریں گے تو دوسری منزل آگے کھڑی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسے خوش نصیبوں کی صف میں شامل فرمائے۔ (آمین)

<u>قابل غور:</u> اخروی فلاح کے لئے امتحان و آزمائش کی بات تو انسان پر بڑی ناگوار گزرتی ہے لیکن یہ بھی سوچا جائے کہ کیا دنیا بغیر امتحان اور محنت کے ہی حاصل ہوجاتی ہے؟ دنیاوی امتحان میں اچھے نمبرز، اچھی ملازمت، اعلیٰ مقام..... کیلئے کیا ہمیں بھرپور محنت اور امتحان سے نہیں گزرنا پڑتا؟ دنیا کی کون سی چیز ہے جو بغیر محنت و کاوش حاصل ہوتی ہے؟ افسوس کہ چند روزہ حقیر دنیا کیلئے تو ہم ہر مشقت اٹھانے کیلئے تیار ہیں لیکن ہمیشہ کی آخرت کیلئے نہیں۔

قربانی کن چیزوں میں؟

جب یہ واضح ہوگیا کہ اللہ تک پہنچنے کیلئے کاوش و قربانی ناگزیر ہے، تو کاوش و قربانی کے حوالے سے کچھ تفصیل پیش خدمت ہے تاکہ رکاوٹیں دور ہوسکیں۔ یاد رکھیں قربانی پانچ چیزوں میں ہے یعنی: (۱)۔ خواہشات، (۲)۔ وقت، (۳) صلاحیتیں، (۴)۔ جان اور (۵)۔ مال میں

اور ان قربانیوں کی قبولیت کیلئے 'اخلاص' بنیادی شرط ہے، یعنی مقصد: اللہ کی رضا یا اخروی نجات یا اسلام کی سربلندی ہو نہ کہ اپنے اپنے فرقے، مسالک اور اکابرین۔

<u>(۱)۔ خواہشات:</u> اللہ کے قرب کیلئے خواہشات کو قابو کرنا ہے، خواہش نفس کو اللہ کے احکامات کے تابع کرنا

ہے، جو جذبہ بھی اللہ کی نافرمانی پر اکسائے اسے شکست دینی ہے، شہوات کی تکمیل پر نظر رکھنے کے بجائے اللہ کے احکامات کی بجا آوری پر نظر رکھنی ہے، یعنی صبر کی راہ اپنانی ہے۔

(۲)۔وقت: یہ بڑا قیمتی سرمایہ ہے، جسکی قربانی اللہ کو بہت عزیز ہے، وقت کی قربانی کے بغیر اللہ کو نہیں پایا جاسکتا۔ وقت کی عظیم دولت کو محض دنیا کیلئے خرچ کرنا انسان کو بہت محبوب ہے۔ اگر آپ واقعتاً اللہ کیلئے سنجیدہ ہیں تو پھر اسکے لئے وقت کی قربانی کا فیصلہ کرلیں، فرائض و واجبات کے علاوہ بھی اللہ کیلئے وقت نکالیں۔ سب سے اہم یہ کہ مطالعہ: (ضروری دین، نماز کے ظاہر و باطن کی درستگی ،صورتوں کا حفظ، قرآن فہمی، دعوت دین، اذکار دعائیں یاد کرنا، دیگر کتب کا مطالعہ ،مراقبہ، نوافل..... وغیرہ) کیلئے لازمی وقت نکالیں۔ جونہی اللہ کیلئے وقت نکالنا شروع کریں گے، انشاءاللہ بہت جلد اللہ کی توجہ اور قرب نصیب ہونا شروع ہوجائے گا۔

(۳)۔صلاحیتیں: جن جن صلاحیتوں (دیکھنے، سننے، چلنے، بولنے، سوچنے، عقل و دانش وغیرہ) سے اللہ نے نوازا ہے انہیں زیادہ سے زیادہ اللہ کی راہ (دین سیکھنے، عمل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے) میں خرچ کیا جائے۔

(۴)۔جان: اوامر و نواہی کی بجا آوری جان جوکھوں میں ڈال کر ہی ممکن ہوتی ہے، خواہشات کو قابو کرنے کیلئے جان کو تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، نماز فجر کیلئے گرم بستر چھوڑنا، ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا..... حرام سے رکنا.... دین کی دعوت دینا..... وغیرہ سب 'خواہشات' کے ساتھ ساتھ 'جان' کی قربانی کی شکلیں ہیں۔ اسکے علاوہ دکھ درد، تنگی و تکلیف، بیماری اور اللہ کی راہ میں جہاد وغیرہ۔

(۵)۔مال: تعلق باللہ کیلئے انفاق کی بڑی اہمیت ہے۔ خالق کائنات نے مال کی قربانی کا بڑی شدومد سے تقاضا کیا ہے، اسی سے ایمان کی آزمائش ہوتی ہے۔ نہ صرف قربِ الٰہی بلکہ نفاق اور دوزخ کی آگ سے بچنے کیلئے بھی انفاق فی سبیل اللہ ناگزیر ہے۔ اگر کسی میں راہ خدا میں مال خرچ کرنے کا جذبہ نہیں تو وہ خیر سے بہت دور ہے۔ اگر بخیلی اور کنجوسی کی بیماری سے نجات مل جائے اور اللہ کیلئے خرچ کرنے کا شوق و جذبہ پیدا ہوجائے تو ہر خیر اور نیکی کی راہیں کھل جائیں۔ انفاق فی سبیل اللہ کی تفصیل کے حوالے سے ملاحظہ کریں ہماری تحریر ''انفاق فی سبیل اللہ نجات کی پکار نمبر۔۱۰''

کم از کم ذمہ داری

ایمان لانے کے بعد اولین درجے کی کم از کم ذمہ داری جسے نبھانے پر انسان شیطان کے لشکر کی بجائے حزب اللہ (اللہ کے گروہ) میں داخل ہو سکے وہ:

جزوی دین کے بجائے پورے دین (ایمانیات، اخلاقیات اور عبادات) میں تمام فرائض و واجبات کی پاسداری ہے۔یعنی چوبیس گھنٹے اللہ کے احکامات کے تابع رہنا،ایسے خوش نصیب کو اللہ کی رفاقت نصیب ہو جائے گی،جیسا کہ سیدنا ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن (سواری پر) رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا،آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے لڑکے میں تجھے چند اہم باتیں بتلاتا ہوں (انہیں یاد رکھ:) تو اللہ (کے احکام) کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت فرمائے گا۔تو اللہ (کے حقوق) کا خیال رکھ،تو اُسے اپنے سامنے پائے گا (یعنی اسکی حفاظت اور مدد تیرے ہم رکاب رہے گی).....الخ''

(ترمذی صفۃ القیامہ والرقائق،رقم:2516)

اب جب کم از کم ذمہ داری اٹھالی تو اس کے بعد اللہ کیلئے مزید قربانی وکاوش جتنی بڑھتی جائے گی اللہ سے تعلق اور قرب میں اسی قدر اضافہ ہوتا جائے گا۔

مصائب وآلام کی حقیقت

قربِ الٰہی کے تحت امتحان وآزمائش کے حوالے سے ضروری وضاحت کے بیان ہو جانے کے بعد اب دنیا میں پیش آنے والے مصائب وآلام کی حقیقت پیش خدمت ہے۔سکون کی جگہ تو جنت ہے،یہ زندگی چونکہ ہے ہی دارالامتحان اسلئے تنگی وتکالیف اسکا لازمی حصہ ہے۔اس ضمن میں قرآن وسنت کی تعلیمات سے درج ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:

<u>فرمانبرداروں کیلئے</u>:اگر مصائب وآلام اللہ کے فرمانبردار پر آئیں تو اسکی ممکنہ وجوہات یہ ہو سکتی ہیں:

(۱)۔ابتلا یعنی آزمائش وامتحان کیلئے، (۲)۔گناہوں کی معافی کیلئے، (۳)۔درجات کی بلندی کیلئے اور (۴)۔مزید اصلاح وتصحیح کیلئے۔

یعنی مومن کیلئے مصیبت بھی باعث خیر ہی ہوتی ہے۔ان حقائق سے عدم واقفیت کی بنا پر اکثر لوگ تنگی و تکالیف پر صبر کرنے کی بجائے اللہ پر شکوہ شکایت اور نافرمانی کی راہ اپنا لیتے ہیں حالانکہ صاحب ایمان کیلئے خوشحالی اور تنگی دونوں باعث رحمت ہی ہوتی ہیں۔اللہ ہمیں نعمتوں پر شکر ادا کرنے اور مصیبت پر صبر و استقامت نصیب فرمائے۔(آمین)

نافرمانوں کیلئے: اگر مصائب وآلام اللہ کے نافرمان پر آئیں تو اسکی دو وجوہات ہوسکتی ہیں:
(۱)۔نافرمانی کی پاداش میں بطورِ عذاب یا پکڑ، (۲)۔اپنی راہ کی طرف پلٹانے کیلئے۔
آزمائش اور عذاب میں فرق: حتمی طور پر تو آزمائش اور عذاب میں فرق کرنا مشکل ہے لیکن عموماً: امتحان وآزمائش کے طور پر آنے والی مشکل اللہ سے دور کرنے کی بجائے اللہ کے مزید قریب کرنے کا باعث بنتی ہے، (۲)۔مایوسی کی بجائے حوصلہ اور امید پیدا کرتی ہے، (۳)۔طوالت پکڑنے کی بجائے جلد ختم ہوجاتی ہے اور تباہ وبرباد، ہلاکت کی بجائے زندگی بخشتی ہے۔(واللہ اعلم) تفصیل کیلئے دیکھئے:
(امتحان تو ہوگا، نجات کی پکار نمبر۔۱۹، دکھوں کا مرہم نجات کی پکار نمبر۔۲۰)
اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو فرمانبرداری اور فرمانبرداروں کو سکون وعافیت اور صبر واستقامت عطا فرماتے ہوئے اپنا قرب نصیب فرمائے۔(آمین)

☆.....☆.....☆

13۔ پورا اسلام

تحریر کا مقصد: اس وقت اہل اسلام میں پیدا ہونے والی خرابیوں میں سے ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ پورے دین کو ضروری سمجھنے اور اختیار کرنے کی بجائے جزوی دین پر اکتفا کیا گیا ہے۔ دین کے ادھورے تصور سے دنیا و آخرت دونوں کا نقصان ہوا ہے۔ اخلاقی بگاڑ کی وجہ سے معاشرتی سطح پر بڑے برے اثرات مرتب ہوئے ہیں جو اسلام کی بدنامی کا باعث بنے ہیں۔ دنیا میں ایک ارب سے مسلمان زائد ہونے کے باوجود بھی عزت نام کی کوئی چیز ان کے پلے نہیں۔ اسلئے معاملے کی نزاکت کو سمجھنے اور فوراً تائب ہوتے ہوئے پورے دین کو اختیار کرنا انتہائی ناگزیر ہے۔ اختصار سے مذکورہ مسئلے کی اہمیت واضح کرنا اور پورے دین کا خاکہ بیان کرنا اس تحریر کا بنیادی مقصد ہے۔

پروردگار کا مطالبہ

اللہ تعالیٰ نے جزوی احکامات پر عمل کرنے کی بجائے اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونے کا حکم دیا ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴾ (البقرہ، آیت:208)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔''

یہاں جزوی دین کی بجائے پورے اسلام کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ پورے دین کو اپنانے کی بجائے جزوی دین اپنانا درحقیقت شیطان کی پیروی کرنا ہے اور ساتھ ہی یہ یاد دہانی بھی کرا دی گئی ہے کہ شیطان ہمارا کھلا دشمن ہے نہ کہ دوست، پھر اسکی بات مان کر اس سے دوستی کیوں بڑھائی جائے؟۔ اگر کسی نے فلاح کی راہ اختیار کرنی ہو تو بات تو واضح کر دی گئی ہے۔

ہمارے امتحان کی بنیاد فائدے و نقصان پر ہے، اللہ نے یہ دیکھنا ہے کہ کون اخروی مفادات کو پہلی جبکہ دنیوی مفادات کو دوسری ترجیح پر رکھتا ہے، انسان کو دنیوی مفادات بہت عزیز ہیں اسلئے کمزور اور ناقص ایمان والے

دنیا کے فائدے ونقصان کو مدنظر رکھتے ہوئے کلی دین کی بجائے جزوی دین کو اپناتے ہیں، جو کہ بہت بڑا خسارہ ہے جیسا کہ خالق نے واضح کر دیا:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۝﴾ (الحج۔11)

''لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ اللہ کی بندگی اختیار کرتے ہیں کنارے کنارے رہ کر، تو اگر (دین اپناتے ہوئے) بھلائی مل رہی ہو تو مطمئن رہتے ہیں اور اسکے برعکس اگر مصیبت آجائے تو اپنے چہرے (دین سے) پھیر لیتے ہیں۔ خسارہ اٹھالیا (ایسے لوگوں نے) دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی، یہ ہے خسارہ بالکل کھلم کھلا۔''

الحمدللہ یہاں اہل فکر کیلئے مذکورہ بات بالکل کھول کر بیان کر دی گئی ہے کہ دین کوئی مذاق نہیں کہ جتنا جی نے چاہا اپنالیا اور جسے چاہا نظر انداز کر دیا، نجات کیلئے ضروری دین سارے کا سارا اختیار کرنا ہے۔

نوٹ: اس ضمن میں یہ حدیث کہ صحابہؓ کے بعد آنے والے لوگ اگر دین کے دسویں حصے پر بھی عمل کر لیں تو نجات یافتہ ہو جائیں 'ضعیف' ہے۔ ویسے بھی یہ بات قرآن کے احکامات کے خلاف ہے۔

<u>ضروری پورا دین:</u> وہ دین جسے سارے کا سارا اختیار کرنا ضروری ہے، جس میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا جا سکتا وہ: اوامر ونواہی یعنی فرض وواجب اور حلال وحرام پر مبنی احکامات ہیں جن کی تفصیل انشاءاللہ آگے بیان ہوگی۔ ان میں کہیں خطا، بھول چوک ہو جائے تو فوراً معافی کے ذریعے اللہ کی طرف پلٹا جائے۔ لیکن دانستہ طور پر کسی بھی بڑی نافرمانی کو اختیار کر لینا یعنی زندگی کا حصہ بنالینا انسان کو ہلاک کر سکتا ہے:

﴿ بلىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝﴾ (البقرہ، آیت:81)

''کیوں نہیں یقیناً جس نے بھی برائی کمائی اور اسکی برائی نے اسے گھیر لیا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں وہ رہیں گے (دوزخ میں) ہمیشہ ہمیش۔''

<u>ادھورے دین کا نقشہ:</u> فرقہ واریت کی بنا پر دین میں بگاڑ تو ایک بہت بڑی مصیبت ہے ہی، اسکے علاوہ جزوی دین کو اپنانے کی نقشہ کشی کچھ یوں ہے: مذہبی لوگ عموماً صرف وہ دین جسکا تعلق مسجد کے ساتھ ہے:

یعنی عقائد ونظریات، عبادات، ذکراذکار، حلیہ ولباس..... پر ہی زور دیتے ہیں، اس میں بھی ترجیحات یعنی ضروری وغیر ضروری کے فرق کو ٹھیک طرح ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ جبکہ دنیادار لوگ صرف اخلاقیات ومعاملات کو ہی نجات وعافیت کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں، حقیقت میں یہ لوگ بھی پوری طرح اخلاقیات پر عمل پیرا نہیں، اخلاقیات کی پاسداری میں انکے پیش نظر اخروی نجات کی بجائے صرف ذاتی مفادات ہوتے ہیں۔ مذکورہ دونوں رجحانات چونکہ معاشرتی کلچر کا حصہ بن چکے ہیں، اسکی جڑیں گہری ہوچکی ہیں اسلئے نہ تو مذہبی لوگ مسجد سے باہر والے اسلام کو دین میں داخل کرنے کیلئے تیار ہیں اور نہ ہی دنیادار لوگ مسجد والے دین کو پسند کی نظر سے دیکھنے کیلئے آمادہ ہیں۔

کم از کم ضروری دین کا خاکہ

اسلام کی ساری تعلیمات کے چار بڑے عنوان ہیں:

(1)۔ایمانیات (2)۔ عبادات (3)۔ اخلاقیات ومعاملات، (4)۔معاشیات اور(5)۔ان سب کا ضروری علم حاصل کرنا

<u>ضروری علم</u>: ان سب کے بنیادی وضروری احکامات کو سیکھنے کیلئے قرآن وسنت سے آگہی حاصل کرنے کیلئے وقت نکالنا، جدوجہد کرنا بھی ہم سب پر فرض عین ہے جسے ہم بھول چکے ہیں۔

(1)۔<u>ایمانیات:</u> توحید کو اپنانا اور شرک سے ہر ممکن بچنا، رسالت کو اپنانا اور رسالت اور سنت کی ضد اندھی تقلید، بدعات اور رسول ﷺ کی نافرمانی سے بچنا، آخرت کا یقین دل میں بٹھانا۔ دیگر ایمانیات: کتابیں، فرشتے، تقدیر وغیرہ۔ انہیں اچھی طرح سمجھنا اور ایمان ویقین کی پختگی کی محنت کرنا۔

نوٹ: توحید ورسالت کے حوالے سے، فرقہ واریت سے بچتے ہوئے اعتدال اور سچائی پر مبنی تحاریر: ''صراط مستقیم کی حقیقت''، ''پیارے رسول ﷺ کا سیدھا راستہ''، اور ''عظمت ومحبت مصطفیٰ ﷺ'' قارئین کیلئے مرتب کی گئی ہیں۔

(2)۔ <u>عبادات:</u> پانچ نمازوں کو قائم کرنا، رمضان کے روزے، اخروی نجات کیلئے دعا کرنا، [زکوٰۃ، حج، قربانی صاحب نصاب، صاحب استطاعت پر]

ان کو ترجیح اور پابندی کے ساتھ زندگی میں نہ لانے پر اللہ اور اسکے پیارے رسول ﷺ نے واضح طور پر اخروی

ناکامی کی خبر دی ہے۔

(3)۔ اخلاقیات ومعاملات

خالق اور مخلوق کے حوالے سے اپنے عمل ،کردار کا تزکیہ یعنی اسے پاکیزہ بنانا دین کا بڑا اہم تقاضا ہے۔اخلاقیات کے حوالے سے بنیادی اوراصولی رہنمائی یوں فرمائی گئی:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾(النحل۔90:16)

''یقیناً اللہ تمھیں حکم دیتا ہے عدل اوراحسان اورقرابت مندوں کو دیتے رہنے کا اورمنع کرتا ہے تمھیں بے حیائی، برائی اور سرکشی (ظلم و زیادتی) سے، وہ نصیحت کرتا ہے تمھیں تاکہ تم یاد رکھو۔''

فطرت انسانی کو جن فضائل کو اپنانے اور جن رذائل سے بچانے کی ضرورت ہے، یہاں اجمالی طور پر انکا احاطہ کردیا گیا ہے۔صرف اس ایک آیت کو سمجھ کر ٹھیک طرح عمل کر لیا جائے تو اس ضمن میں سرخروئی ہوجائے۔

چونکہ مذہبی لوگ اس طرف کم توجہ دیتے ہیں اسلئے اخلاقیات ومعاملات کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا تاکہ یہ بھی ہماری زندگیوں کا حصہ بن جائے اور ہم اللہ کی ناراضگی اور پکڑ سے بچ جائیں۔دین میں اسکی اہمیت کے پیش نظر یہ بات ذہن نشین رہے کہ:

(۱)۔یہ عنوان کل دین کے قریباً ۶۰ فیصد حصہ کو محیط ہے۔(۲)۔اسے ترک کرنا اللہ کی ناراضگی اوراخروی خسارے کے ساتھ ساتھ دنیا میں انسان کی ذلت اوراسلام کی بدنامی کا بھی باعث ہے جسے اللہ تعالیٰ ہرگز معاف نہیں کرے گا۔(۳)۔سابقہ اقوام وملل جو عذاب الٰہی کے ذریعے نیست ونابود کی گئیں انکی اکثریت کی وجہ اخلاقیات ومعاملات کا بگاڑ ہی تھی۔

اخلاقیات ومعاملات میں اوامر ونواہی کی تفصیل کیلئے الگ سے کتاب درکار ہے، یہاں انتہائی اختصار سے ضروری چیزیں بیان کی جائیں گی۔اس حوالے سے عموماً کوئی بھی معاملہ ہو دوزخ کی آگ سے دامن بچانے کیلئے درج ذیل بنیادوں کو ملحوظ رکھنا لازم ہے:

ا۔سچائی،۲۔عدل وانصاف،۳۔دیانتداری،۴۔اخلاق اور۵۔شرم وحیاء

یعنی انکے متضاد: جھوٹ، ظلم و ناانصافی، بددیانتی اور خیانت، بداخلاقی گالی گلوچ اور بے حیائی سے ہر ممکن بچنا از حد ضروری ہے۔اس ضمن میں یہ بھی ذہن نشین رہے کہ سب سے بڑی بداخلاقی اور سب سے بڑا ظلم اللہ کے ساتھ 'شرک' کرنا ہے، اسکے بعد رسالت کے حوالے سے بداخلاقی، پھر دیگر امت کے حوالے سے۔

اسکے علاوہ دیگر اوامر جن کی پاسداری بہت ضروری ہے:

(۱)۔دعوت دین، (۲)۔حسن سلوک: والدین، فیملی، اقربا، ہمسائے پھر دیگر لوگ (۳)۔ کفالت کی ذمہ داری (۴)۔تحفظ جان (۵)۔تحفظ مال (۶)۔گواہی دینا (۷)۔ ایفائے عہد (۸)۔امانت کی حفاظت (۹)۔اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند کرنا جو اپنے لیے پسند کرتے ہوں، (۱۰)۔انفاق فی سبیل اللہ (۱۱)۔ پاکیزگی، تعاون اور اعتدال، (۱۲)۔ضرورت پڑنے پر اللہ کی راہ میں مال و جان سے جہاد کرنا۔(جہاد یہ نہیں کہ ہر کوئی قتل و غارت کیلئے اٹھ کھڑا ہو، اس کے فرض ہونے کی اپنی مخصوص شرائط ہیں، فی زمانہ خودکش حملوں کے ذریعے لوگوں کا قتل..... ہرگز جہاد نہیں، اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔آمین)

دیگر مزید قبیح چیزیں جن سے دامن بچانا ضروری ہے:

(۱)۔ چوری، (۲)۔غیبت (۳)۔ بدکاری، (۴)۔سود، (۵)۔بغض، (۶)۔ بہتان، (۷)۔دھوکہ و فریب، (۸)۔ وعدہ خلافی۔(۹)۔ امانت میں خیانت، (۱۰)۔ ملاوٹ، (۱۱)۔ بدظنّی، (۱۲)۔بخل و کنجوسی، (۱۳)۔اسراف۔(۱۴)۔لڑائی جھگڑا، بداخلاقی، گالی گلوچ (۱۵)۔ناحق قتل

<u>حلیہ و لباس:</u> شکل وصورت، وضع قطع میں ایسی صورت اختیار کرنا جو کسی دوسرے مذہب کی علامت ہو یا جس سے روکا گیا ہو جیسے: بالوں کا قزع، بھنوں کا ڈیزائن، فرنچ کٹ، جسم گندوانا..... وغیرہ ممنوع ہے۔ایسا تنگ لباس جس سے جسم کے چھپائے جانے والے اعضاء کا اظہار ہو یا وہ لباس جو کسی دوسرے مذہب کی علامت ہو ممنوع ہے۔کئی اہل علم کے نزدیک شیو کی بجائے بالوں کا اتنا بڑھانا کہ جس پر ڈاڑھی کا اطلاق ہو سکے واجب ہے، اس کے بعد مزید بڑھا کر کم از کم ایک مشت کرنا سنت ہے۔(واللہ اعلم)۔

ہمارے اخلاقی بگاڑ کی صورتِ حال

اس وقت امت مسلمہ بدترین اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو کر تباہی کی راہ پر چڑھ چکی ہے، جسکی صورت

حال (جس سے ہم سب کا واسطہ رہتا ہے) کچھ یوں ہے:

کھلے گناہ: قتل وغارت، گالی گلوچ، چوری چکاری، جیب تراشی..... وغیرہ جیسے کھلے گناہوں میں تو مسلمان ملوث ہیں ہی، لیکن اسکے علاوہ بھی بہت کچھ ہے جس کی لپیٹ میں سب دین دار اور غیر دین دار آ چکے ہیں، الا ماشاءاللہ کیا نمازی کیا غیر نمازی سب کے ہاتھ آلودہ ہیں۔ چند چیزوں کی نشاندہی کی جاتی ہے:

معاش کا حصول: مال کی محبت کے ہاتھوں ہماری ہلاکت کی صورت حال کچھ یوں ہے:

☆ ملازمت: عہدہ واختیارات کے غلط استعمال کے ذریعے ملک وقوم کی حق تلفی۔ عائد شدہ ذمہ داری پوری نہ کرنا۔ ڈیوٹی ٹھیک نہ کرنا۔ وقت پورا نہ دینا۔ دوسروں کو ان کا حق دینے کی بجائے ان کا حق چھیننا۔ فائدہ لیتے ہوئے یہ نہ دیکھنا کہ یہ ہمارا حق ہے بھی یا نہیں۔ سرکاری اشیاء کو ناحق ذاتی استعمال میں لانا..... وغیرہ۔ رزق حرام کے متعلق بطور عبرت آپ ﷺ کا حج جیسے پر مشقت کام کیلئے روانہ ہونے والے شخص کی بابت فیصلہ سن لیں:

''جو لمبا سفر طے کر کے آتا ہے، اس کے بال پراگندہ ہیں، جسم خاک آلود ہے، وہ آسمان کی جانب اپنے ہاتھ اٹھاتا ہے اور یارب! یارب! پکارتا ہے تو اسکی دعا کیسے قبول ہو جبکہ اس کا کھانا حرام سے، پینا حرام سے، اسکا لباس حرام سے اور اسکی غذا حرام سے ہے۔''

(مشکوٰۃ کتاب البیوع:2760، مسلم)

☆ کاروبار: ناپ تول میں کمی، ملاوٹ، دھوکہ دہی، جھوٹی قسموں کے ذریعے خرید وفروخت، ناجائز منافع، مزدور کو پوری اجرت نہ دینا، ذخیرہ اندوزی سے غریب عوام کا استحصال، حالانکہ پروردگار نے متنبہ فرمایا:

''ہلاکت وبربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے۔'' (المطففین:1)

☆ مذہب کی خدمت: اسلام کی بجائے فرقوں کے احیاء کی غرض سے قرآن وسنت کی تحریف ہو رہی ہے۔ مذہب تو جان ومال کی قربانی کا تقاضا کرتا ہے لیکن مذہبی رہنماؤں کی اکثریت کی صورت حال یہ ہے کہ مذہب کے ذریعے مال، جائیدادیں، گاڑیاں.... بنا کر اللہ کے غضب کے مستحق ہو رہے ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے یوں رہنمائی فرمائی:

''کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کبھی کوئی کھانا نہیں کھایا اور اللہ کے پیغمبر

داؤد (علیہ اسلام) اپنے ہاتھ سے کما کر کھایا کرتے تھے۔'' (بخاری کتاب البیوع)

بات یہاں تک نہیں رکی بلکہ مذہبی منافرت اور تعصب کی بنا پر جنگ وجدل، خونریزی، املاک کی توڑ پھوڑ اور قانون شکنی کے ذریعے اسلام، امن وسلامتی اور ملکی بقا کو خطرے میں ڈال دیا گیا ہے۔

<u>دیگر خرابیاں:</u> دیگر ملی جلی اخلاقی خرابیاں جو عموماً نظر آتی ہیں:

''دین کی خدمت کے نام پر دوسرے فرقوں کی مساجد پر قبضہ.... حالانکہ کوئی چیز اگر کافر کی ملکیت ہو تو اسے بھی ہتھیانے کا حق نہیں۔ دوسروں کا حق چھیننے کیلئے رشوت وسفارش۔ وراثت ہتھیانہ، بالخصوص خواتین کو انکا حق نہ دینا۔ بداخلاقی۔ ہمسائیوں سے ناروا سلوک۔ اپنی باری کی بجائے لائن توڑ کر دوسروں کی حق تلفی کرنا یہاں تک کہ عبادت کی غرض سے واش روم..... وضو کیلئے .... بھی خیال نہیں کیا جاتا۔ چونکہ کوئی دیکھ نہیں رہا ہوتا اسلئے واش روم وغیرہ کے استعمال کے بعد صفائی کا خیال نہ رکھنا، پانی بہا کر اپنی ذمہ داری پوری نہ کرنا۔ ضرورت مندوں کی جس حد تک مدد کی جاسکتی ہو وہ بھی نہ کرنا۔ لوگوں کو تکلیف دینا، انکی دل آزاری کرنا۔ صفائی ستھرائی، ڈسپلن نظم وتنظیم کا خیال نہ رکھنا۔ اپنا کوڑا کرکٹ دوسروں کے گھروں کے آگے پھینکنا۔ لوگوں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا۔ گھریلو ذمہ داریاں پوری نہ کرنا۔ عہد وپیمان کی پاسداری نہ کرنا۔ دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری ادا نہ کرنا۔ شرم وحیاء کو ملحوظ نہ رکھنا، شادی بیاہ سمیت دیگر رسوم دین کے تابع نہ ہونا۔''

افسوس کہ ان سب غلاظتوں میں ڈوب کر بھی ہم کہیں کہ ہم حقیقی مسلمان ہیں اور اس زعم میں مبتلا رہیں کہ ہم ہی جنت کے وارث ہیں..... باعث حیرت ہے۔ یہ سب کچھ بھی کریں اور پھر شکوہ بھی کریں کہ: مسلمان مظلوم ہیں، دنیا میں ہماری عزت نہیں، ہم پس رہے ہیں.....؟ ان حالات میں اللہ کا عذاب تو واقع ہونا ہی تھا۔ اخلاقیات کے ضمن میں چند مزید فرامین رسول ﷺ بھی ملاحظہ کرلیں:

(۱)۔ (الدین النصیحۃ)۔ ''دین خیر خواہی (کرنے کا نام) ہے۔'' (مسلم، الایمان:55)

(۲)۔ ''مسلمان وہ ہے جسکی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں'' (مشکوٰۃ:33، ترمذی، نسائی)

(۳)۔ ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اسکی خیانت کرتا ہے نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اسے بے سہارہ چھوڑتا ہے۔ ایک مسلمان کی عزت، اسکا مال اور اسکا خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔''

(ترمذی البر والصلۃ:1927، بخاری ومسلم)

(۴)۔ ''جس نے زمین کا ایک بالشت حصہ بھی ظلم سے ہتھیا لیا، تو بروز قیامت سات زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔'' (بخاری:3198)

(۵)۔ عام لوگ تو درکنار حق تلفی، خیانت تو (بالفرض) صحابہ کرامؓ بھی کریں تو وبال سے نہ بچ سکیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں تم میں سے کسی کو بھی قیامت کے دن اس حالت میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر بکری لدی ہوئی ہو اور وہ چلا رہی ہو یا اسکی گردن پر گھوڑا لدا ہوا ہو اور وہ چلا رہا ہو اور وہ شخص مجھ سے کہے کہ: یا رسول اللہ میری مدد فرمایئے لیکن میں یہ جواب دے دوں کہ میں تمھاری کوئی مدد نہیں کرسکتا، میں تو اللہ کا پیغام تمھیں پہنچا چکا تھا۔'' (بخاری، کتاب الجھاد:3073)

(۶)۔ آپ ﷺ کے ایک فرمان کا مفہوم ہے کہ:

(۷)۔ ''میری امت کا مفلس وہ ہے جو بروز قیامت نماز، روزہ، زکوٰۃ لے کر آئے لیکن دنیا میں لوگوں پر ظلم اور ان کے حقوق مارنے کی وجہ سے اسکی ساری نیکیاں مظلوموں میں بانٹ دی جائیں، پھر بھی مظلوموں کے حقوق باقی ہوں تو مظلوموں کی بدیاں اسکے نامہ اعمال میں ڈال کر جھنم میں پھینک دیا جائے۔'' (تفصیل کیلئے دیکھئے: مسلم، البر والصلۃ، رقم:2581)

(۸)۔ ''جو شخص وارث کو میراث سے محروم کردے گا تو اللہ تعالیٰ بروز قیامت اسکو جنت کی میراث سے محروم کردے گا۔'' (ابن ماجہ، باب: وراثت میں ظلم:2703)

مزید یہ کہ 'وراثت' کو اللہ نے قرآن میں اپنی حدیں قرار دے کر ظلم سے بچنے کی تنبیہ فرمائی ہے۔

(۹)۔ حقوق العباد میں سروخروئی کیلئے اللہ کی رضا کی خاطر صبر اختیار کرتے ہوئے نبی رحمت ﷺ کے اس سنہری اصول کو اپنا لیا جائے کہ: ''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک اپنے مسلمان بھائی کیلئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

(بخاری، کتاب الایمان، رقم:13)

یعنی لینے اور دینے کا معیار ایک ہوجائے، دوران تقسیم اچھی چیز خود رکھ لینا اور ناقص دوسروں کو دے دینا مسلمانی نہیں۔ اگر ہمیں خود نقصان سے بچنا پسند ہے تو دوسروں کیلئے بھی یہی خواہش ہونی چاہیے۔

بچت کی راہ: ان حالات میں بچت کی واحد صورت یہی ہے کہ اخلاص کے ساتھ قرآن حکیم اور اسوہ رسول ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے۔قرآن کو من وعن مانتے ہوئے اپنی ترجیحات مرتب کی جائیں،قرآن کی رہنمائی سے پورے دین: ایمانیات، اخلاقیات ومعاملات اور عبادت کو اختیار کیا جائے۔انشاءاللہ دنیا میں امن وعزت بھی ملے گی، اسلام کی رفعت بھی بڑھے گی،لوگ بھی سکون کا سانس لیں گے،آخرت بھی بن جائے گی اور اللہ بھی ہم سے راضی ہوجائے گا۔(انشاءاللہ)

نوٹ: فرض وواجب پورے کا پورا دین اختیار کرنے سے ذمہ داری ادا ہوجاتی ہے،اسکے بعد نوافل و مستحبات مزید فائدے کا باعث ہیں۔فرض واجب کی کما حقہ ادائیگی کے بعد جس حد تک ممکن ہو نوافل و مستحبات میں اضافہ کرنا مزید قرب کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو جزوی دین کی بجائے جلد از جلد پورے دین کو کما حقہ اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

۞۞۞۞۞

14۔ آزادی ونجات

(Vaccination)

ہماری روح کے چین واطمینان کا دارومدار اللہ کی فرمانبرداری پر ہے۔جب تک پوری طرح ہم اللہ کے احکامات اپنے جسم پر لاگو نہیں کر لیتے ہماری روح کو خوف وخدشات سے آزادی نہیں مل سکتی۔اگر ہم خوف و خطرات سے آزادی چاہتے ہیں تو جلد از جلد ضروری دین (فرض وواجب اور حلال وحرام پر مشتمل) پورے کا پورا اختیار کر لیا جائے۔فوراً بیدار ہونے کی ضرورت ہے کیونکہ زندگی کسی وقت بھی ساتھ چھوڑ سکتی ہے، اسکی مہلت کسی وقت بھی ختم ہوسکتی ہے، ہم درج ذیل کے حوادث کی زد میں ہیں:

☆ <u>حادثات:</u> کوئی حادثہ: دوران سفر 'Accident'، قتل، بمب بلاسٹ، آگ لگنا، زلزلے وغیرہ پیشگی اطلاع دیے بغیر کسی وقت بھی ہماری زندگی چھین سکتے ہیں، بلکہ آئے روز ہم کئی لوگوں کو انکی لپیٹ میں دیکھتے ہیں۔موجودہ دور میں ایسے خطرات کا امکان بہت بڑھ چکا ہے۔

☆ <u>بیماری:</u> ہم ہر وقت بے شمار جراثیم اور کئی بیماریوں کی زد میں ہیں، کسی وقت بھی کوئی مہلک بیماری: فالج، ہارٹ اٹیک، کینسر (خون، دل، دماغ، جلد اور جسم کے دیگر تمام اعضاء کا) ،جگر ،گردوں کا فیل ہونا، دماغ سمیت جسم کے اندر کہیں بھی خاموش رسولیوں کا بننا..... وغیرہ، عمر کے کسی بھی حصے میں اچانک ظاہر ہوکر مہلت ختم کر سکتی ہیں یا جسم کے کسی حصے کو اپاہج کر سکتی ہیں۔

☆ <u>مصروفیت:</u> وقت ہمارا بڑا قیمتی سرمایہ ہے، فراغت کے لمحات کی تو کوئی بھی قدر نہیں کرتا، اکثریت وقت ضائع ہی کرتی ہے۔کوئی بڑی مصروفیت انسان کا گھیراؤ کر کے اس کا وقت چھین سکتی ہے، اب وہ کچھ کرنا بھی چاہے تو شاید نہ کر سکے۔

صحت اور فراغت کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''دو نعمتیں جن کے متعلق اکثریت خسارے اور گھاٹے کا شکار رہے گی وہ 'الصحۃ والفراغ' یعنی صحت اور فراغت ہیں'' (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، 6412)

☆ <u>بڑھاپا:</u> جوانی کے پچیس تیس سال گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلتا، پھر اسکے بعد ہر آنے والا دن بڑی خاموشی سے انسان کی صحت، طاقت وتوانائی، خوبصورتی..... پر حملہ آور ہوکر بڑی تیزی سے اسے

زوال پذیر کرتے ہوئے کمزوری و لاغری کی طرف دھکیلتا جاتا ہے، جب ہوش آتا ہے تو وقت ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے۔

☆ فقر وفاقہ: فقر وفاقہ اور حالات کی تنگی انسان کو بے بس کرتے ہوئے ہوش اڑا دیتی ہے۔

☆ موت: باقی سب کو نظر انداز کر بھی دیا جائے تو موت تو اٹل ہے، اس سے تو کسی کو فرار نہیں، موت بغیر بتلائے اچانک کسی لمحے بھی وارد ہو کر زندگی کی مہلت کو ہمیشہ کیلئے ختم کر سکتی ہے۔

انہیں حوادث کے متعلق محسنِ انسانیت ﷺ نے بڑے زوردار انداز میں خبردار کیا:

''سات چیزوں سے پہلے نیک اعمال میں جلدی کر لو: (۱) کیا تمھیں ایسے فقر کا انتظار ہے جو بھلا دینے والا ہے؟ (۲) یا ایسی تونگری کا جو تمھیں حد سے تجاوز کرا دے؟ (۳) یا ایسی بیماری کا جو بگاڑے؟ (۴) ایسے بڑھاپے کا جو عقل و ہوش کو زائل کر دے؟ (۵) یا موت کا جو نہایت تیزی سے اپنا کام تمام کر دے؟ (۶) یا دجال کا جو ہر اس برائی سے بدتر ہے جسکا انتظار کیا جائے؟ (۷) یا قیامت کا؟ پس قیامت تو بہت ہی ہولناک اور نہایت تلخ ہے۔'' (ترمذی کتاب الذہد: رقم:2306)

آزادی پا گیا وہ خوش نصیب

آزدی ونجات پا گیا وہ خوش نصیب جس نے ان تمام حوادث کے آنے سے پہلے پہلے پورے دین کو اختیار کر لیا..... لیکن ان حوادث کے رونما ہو جانے کے بعد آنکھیں کھلیں تو سوائے حسرت وندامت کے کوئی فائدہ نہ۔ مثال کے طور پر اگر کسی نے صحت وتندرستی کی حالت میں مسجد میں باجماعت نمازِ پنجگانہ کی سچے دل سے ادائیگی کو زندگی کا حصہ بنالیا، خدانخواستہ کسی حادثہ یا بیماری کی وجہ سے وہ اس قابل نہ رہا کہ اب وہ مسجد میں جا سکے یا قیام کر سکے، اب مجبوری کی حالت میں وہ جیسے بھی نماز کی ادائیگی کرے گا: گھر میں، بیٹھے یا لیٹے..... انشاء اللہ موت تک اسے مسجد میں باجماعت نماز کا ثواب ملتا رہے گا، لیکن جس نے صحت کی حالت میں ایسا نہ کیا تھا، پھر بیماری نے اسے گھر تک محدود کر دیا تو اسے وہ ثواب نہیں ملے گا۔ اسی طرح دین کے باقی تمام احکامات (ایمان واخلاقیات اور عبادات) کا معاملہ ہے۔

اسی حقیقت کو رسول اللہ ﷺ نے کھول کر یوں بیان فرمایا:

((اذا مرض العبد او سافر کتب له مثل ما کان یعمل مقیماً صحیحاً))

''جب بندہ بیمار ہوتا یا سفر اختیار کرتا ہے تو اسکے لئے اسکے مثل عمل لکھ دیے جاتے ہیں جو وہ اقامت یا صحت کی حالت میں کرتا تھا۔'' (صحیح بخاری، الجہاد ولیسر:2996)

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک سے واپس لوٹے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ہمارے پیچھے کچھ لوگ مدینے میں رہے، ہم جس گھاٹی یا وادی میں چلے وہ (اجروثواب میں) ہمارے ساتھ تھے کیونکہ عذر (بیماری وغیرہ) نے انہیں وہاں روکے رکھا۔''

(صحیح بخاری، الجہاد ولیسر:2839)

پس! بنیادی وضروری پورے کا پورا دین جلد از جلد زندگی میں لا کر حوادث کے خوف سے آزادی اور نجات پالیں۔ اسکے بعد مزید جس جس خیر کو اختیار کرنا چاہتے ہیں کر کے زندگی کا حصہ بنالیں۔ فوراً آج ہی نیت کر لیں، اگر آج سچی اور پکی نیت کر کے عمل شروع کر دیا گیا، خدانخواستہ کل ہی حوادث نے عمل کی بجا آوری سے محروم کر دیا تو انشاءاللہ موت تک صحیح وسلامت عمل کا ثواب ملتا رہے گا۔

جس طرح بیماری کی ویکسی نیشن سے انسان بیماری سے محفوظ ہو جاتا ہے اسی طرح حوادث کے آنے سے پہلے پہلے اعمال کو اختیار کر لینے سے انسان حوادث کے اعمال میں رکاوٹ بن کر اخروی خسارے کا باعث بننے سے بچ جاتا ہے۔ آپ اس حقیقت کو سنجیدہ لیں یا نہ لیں دنیا کی زندگی تو گزر ہی جائے گی لیکن آخرت کے نتیجے میں بہت بڑا فرق پڑ جائے گا....! پروردگارِ عالم نے بھی یہ مژدہ سنا دیا ہے:

﴿ فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ (الانعام:48:6)

''پھر جو لوگ ایمان لے آئیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو نہیں ہے انکے لئے کوئی خوف اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔''

یعنی جو کوئی بھی ایمان لانے کے بعد اپنی اصلاح (شرک سمیت دیگر رذائل سے اجتناب اور اعمال صالحہ کو اختیار) کر لے گا تو وہ خوف وحزن سے نجات پالے گا۔

کیا اس حقیقت سے آگہی پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے آپ جلد از جلد یعنی آج ہی غفلت اور طولِ عمل سے چھٹکارہ اختیار کرتے ہوئے پورا دین اولین ترجیح کے ساتھ زندگی میں لانے کیلئے آمادہ ہیں.....؟

اللہ تعالیٰ ہمیں آج ہی اسکی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

15۔ عظیم ترین دولت

(قانونِ طمانیت ورحمت)

تحریر کا مقصد: بلاشبہ دنیا وآخرت کی عظیم ترین دولت 'ایمان واسلام' ہی ہے، جسکی بدولت تعلق باللہ، تعلق بالرسل کے ساتھ ساتھ دنیا وآخرت بنتی ہے۔لیکن اس عظیم دولت کی ناقدری کی وجہ سے فی زمانہ مسلمان انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر زوال کا شکار ہیں۔اس ضمن میں سچائی اور حقیقت کو واضح کرنا تا کہ انفرادی اوراجتماعی زندگی میں نورِاسلام سے بہاریں لوٹ آئیں، اس تحریر کا بنیادی مقصد ہے۔

زوال کی وجہ: دورِحاضر میں مسلمانوں اوراسلام کے زوال کی وجہ: تعلیماتِ قرآن سے دوری، پورے دین کی بجائے جزوی دین اختیار کرنا اور بالخصوص اخلاقی پستی کا شکار ہونا ہے۔اگر ہمیں واقعتاً ایمان اور تقویٰ نصیب ہوجائے اور ہم فرض وواجب پر مشتمل پورے دین بشمول حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اختیار کر لیں تو انفرادی اوراجتماعی دونوں سطحوں پر اَمن ہوجائے۔

اب ہم نورِایمان واسلام اور تعلق باللہ کے دنیوی اوراخروی زندگی کے حوالے سے مختلف پہلو واضح کرتے ہیں تا کہ حقیقتِ حال سے آگاہی حاصل ہواورانسان کو سکھ کا سانس نصیب ہوسکے۔

دوقوانین کا اطلاق: دنیا کی زندگی میں جہاں طبعی قوانین لاگو ہیں وہیں اخلاقی وروحانی قوانین بھی کارفرما ہیں۔دنیا میں عام طور پر کفاراور نافرمانوں پر ایک اخلاقی قانون جبکہ حقیقی اہل ایمان جورب کی راہ اختیار کریں ان پر دوقوانین لاگو ہوجاتے ہیں۔نافرمانوں کو عام طور پر حالات اورنفس وشیطان کے سپرد کر کے دنیا کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔کھائیں پئیں، عیش کریں اور دنیا بنائیں۔جبکہ خوش نصیب حقیقی اہل ایمان پروردگار کی خصوصی نگرانی میں آجاتے ہیں۔ان خوش نصیبوں پر دو اخلاقی قوانین ایک میٹھا (قانون طمانیت و رحمت) اوردوسرا کڑوا (بظاہر کڑوا لیکن حقیقتاً میٹھا) یعنی قانونِ ابتلا لاگو ہوجاتا ہے۔

قانون تسکین ورحمت میں اللہ کا قرب، اسکی رحمت، اسکی تائید ونصرت اورتسکین وراحت کی بہاریں نصیب ہوتی ہیں۔جبکہ قانون ابتلا (جس کا ذکر اگلی دوتحاریر نمبر:۱۹اور۲۰ میں کیا جائے گا) میں مزید قرب اوررافت وبلندی کے حصول کیلئے امتحان وآزمائش سے گزارا جاتا ہے۔ابتلا میں مصائب ضرور

آتے ہیں لیکن اللہ کی رحمت سے تذلیل کے بغیر ہی گزر کر رفعت و بلندی عطا کرتے ہیں۔تفصیلات کیلئے دیکھئے ابوتحی صاحب کی تحاریر[''قسم اس وقت کی'' اور ''خدا بول رہا ہے''،انذار پبلشرز کراچی]

قانونِ طمانیت ورحمت

راہِ خدا کو اپنانے اور نہ اپنانے کے اخروی زندگی پر تو اٹل نتائج ہیں ہی جن سے ہم سب کسی حد تک آگاہ ہیں ۔لیکن آخرت سے پہلے اسی زندگی میں بھی اسکے انفرادی اور اجتماعی سطح پر گہرے اثرات ہیں جن سے ہم عموماً آگاہ نہیں۔دینِ اسلام یعنی اللہ کی راہ کو اپنانے سے دنیا کی زندگی میں کس طرح اللہ کی قربت، اسکی تائید، طمانیت ورحمت نصیب ہوتی ہے، چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

پروردگارِ عالم نے حقیقتِ حال سے یوں پردہ اٹھایا:

☆ ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ وَ لَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ۝﴾(نحل:16:آیت:30)

''ان لوگوں کیلئے جو نیکو کار ہیں ان کیلئے اس دنیا کی زندگی میں بھی حسنہ(خیر و بھلائی) ہے اور آخرت کا گھر تو ہے ہی بہت بہتر اور کیا ہی خوب ہے گھر اہل تقویٰ کا۔''

انہیں الفاظ کے ساتھ سورہ الزمر آیت:۱۰ میں اسی بات کا تکرار ہوا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

☆ ﴿وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝﴾(الاعراف:7:آیت:96)

''اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات(کے دروازے) کھول دیتے(اسی دنیا میں)۔مگر انہوں نے تو تکذیب کی سو ان کے اعمال کی سزا میں ہم نے ان کو پکڑ لیا۔''

مزید تاکید سے فرمایا:

☆ ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾(نحل:16:آیت:97)

''جو کوئی بھی کرے گا نیک اعمال خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو لازماً بسر کرائیں گے اسے(اس دنیا میں)اچھی زندگی''

ایک ہی بات ایک جیسے الفاظ کے ساتھ تکرار کے ساتھ زور دے کر تین دفعہ بیان کر دینے کا مطلب ہے خبر بڑی اہم ہے اگر ہم اسے سمجھ کر عمل میں لے آئیں۔ابن کثیر رحمہ اللہ سورہ نحل:۹۷ کے تحت لکھتے ہیں:

''دنیا میں: 'پاک اور حلال روزی' 'قناعت' 'خوش نفسی' 'سعادت' 'پاکیزگی' 'عبادت کا لطف' 'اطاعت کا مزہ' 'دل کی ٹھنڈک' 'سینے کی کشادگی' سب ہی اللہ کی طرف سے ایماندار نیک عامل کو عطا ہوتی ہے۔''

سبحان اللہ دنیا کی زندگی میں اسکے علاوہ اور کیا چاہیے.....؟ دنیاوی زندگی میں مذکورہ عظیم سعادتوں سے محروم رہنا کیا بدنصیبی نہیں؟

ایک اور مقام پر بڑے زوردار انداز سے حقائق یوں منکشف فرمائے:

☆ ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝﴾

(الطلاق:65:2-3)

''اور جو کوئی بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا وہ اسکے لئے (ہر چیز سے) نکلنے کی راہ پیدا کر دے گا۔اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اسکا وہم و گمان بھی نہ ہو۔اور جو اللہ پر توکل اختیار کرے گا تو وہ اس کو کافی ہو جائے گا۔یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے کام کو (جسے وہ کرنا چاہتا ہے) پورا کر دیتا ہے۔اللہ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں بڑے خزانے ہیں۔جو کوئی بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا، اسکے لئے اللہ ہر قسم کے حالات سے نکلنے کی سبیل پیدا فرما دے گا۔اپنے خزانوں سے رزق کی دستیابی فرمائے گا۔اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے گا تو اللہ اسکو کافی ہو جائے گا۔اگر ہم ان عظیم سعادتوں سے محروم ہیں تو کمی ہمارے اپنے اندر ہے، قرآن کی خبر تو یقیناً سچی ہے۔

اس ضمن میں خالق کائنات نے انسانیت کی عظیم ترین رفعت اور معراج کا تذکرہ یوں فرمایا:

☆ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ

رَّحِیۡمٍ ۝﴾ (حم السجدہ:41:آیت:30-32)

''یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ڈٹ گئے۔ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں ، جو کہتے ہیں تم خوف نہ کرو اور غم نہ کرو اور بشارت دیتے ہیں جنت کی جسکا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ہم تمھارے رفیق تھے دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے۔جس چیز کو تمھارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو وہ سب تمھارے لئے (جنت میں) موجود ہوگا۔یہ سب کچھ بطور مہمانی ہے تمھارے رب غفور رحیم کی طرف سے۔''

سبحان اللہ! اور کیا چاہئے۔اہل استقامت کو دنیا و آخرت میں خالق کائنات کا ساتھ اُسکی محبت وقربت، فرشتوں کا نزول، تسکین وراحت کی بہاریں اور ہمیشہ ہمیشہ کی جنت کی عظیم نعمتیں..... کیا اب بھی ہم ان بہاروں سے محروم زندگی گزاریں گے؟

الحمدللہ بات بالکل واضح ہے کہ جو کوئی بھی خوش نصیب پورا دین پورا تقویٰ اختیار کرلے گا اسکی آخرت تو بنے گی ہی ساتھ ہی دنیا کی زندگی بھی بن جائے گی۔چونکہ ہمارا قلب و ذہن اور روح براہ راست اللہ کے امر سے منسلک ہے،اور سکون واطمینان کا تعلق بھی اُسی سے وابستہ ہے،اسلئے فرمانبردار انسان پر اللہ کے امرِ تسکین کی بدولت اسکے قلب وروح کی بے چینی ختم ہوجائے گی،اضطراب جاتا رہے گا اور سکون واطمینان آجائے گا۔زندگی قناعت پر آجائے گئی،مصائب وآلام اسکا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے،مشکلات پر صبر کا مرہم نصیب ہوجائے گا اور نعمتوں پر شکر کی توفیق ملے گی۔اگر خدانخواستہ تقویٰ نصیب نہ ہوا تو سب کچھ ہوتے ہوئے بھی زندگی اجیرن بن جائے گی، پروردگار نے انسان کو متنبہ فرمادیا:

﴿وَ مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِکۡرِیۡ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیۡشَۃً ضَنۡکًا وَّ نَحۡشُرُہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ اَعۡمٰی﴾ (طٰہٰ:20:آیت:124)

''اور جس نے منہ پھیرا میرے ذکر سے تو اسکے لیے زندگی کا جامہ تنگ کردیا جائے گا اور ہم (اٹھائیں گے) قیامت کے دن اسے اندھا کرکے۔''

اللہ کی یاد اور قرآنی احکامات کو فراموش کرنے والے بدنصیبوں کی دنیا کی زندگی قلبی وروحانی سکون واطمینان سے محروم ہوجاتی ہے۔مصائب وآلام کمر توڑ دیتے ہیں جبکہ دولت کی فراوانی ان گنت خواہشات کے جال اور عیش وعشرت میں جکڑ کر بے چینی واضطراب میں مبتلا کرکے زندگی اجیرن بنادیتی ہے۔

پیارے ساتھیو! کیا ہمیں اچھی دنیا کی زندگی نہیں چاہیے؟ کیا ہمیں بے چینی واضطراب سے نجات نہیں

چاہیے؟ کیا ہمیں دنیا کی زندگی میں اطمینان وسکون کی ضرورت نہیں؟ اور سب سے بڑھ کر کیا ہمیں اللہ کا قرب نہیں چاہئے؟

اگر جواب ہاں میں ہے تو پھر وہ راستہ کیوں اختیار نہیں کرتے جس سے یہ سب سعادتیں میسر آجائیں؟۔آئیں اسلام کا دامن تھام لیں، اللہ کے ساتھ وابستہ ہوجائیں، شرک سمیت دیگر تمام رذائل سے اجتناب کرتے ہوئے اسوہ رسولکو اپنا کر اپنی اصلاح کرلیں انشاء اللہ دنیا وآخرت میں امن وسکون نصیب ہوجائے گا:

﴿ فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ (الانعام:48:6)

''پھر جولوگ ایمان لے آئیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو نہیں ہے انکے لئے کوئی خوف اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔''

اللہ کی بات کبھی غلط نہیں ہوسکتی، اگر ہمیں دنیا میں یہ کیفیات نصیب نہیں تو یقیناً ہمارے اپنے اندر نقص موجود ہے۔ہم فہمِ دین اور قرآن کو وقت نہ دیں، اللہ کے ساتھ شرک کریں، اہتمام اور ترجیح کے ساتھ عبادات نہ کریں.... اشیاء میں ملاوٹ کریں، ماپ تول میں کمی کریں، جھوٹ اور فریب سے کام لیں، تنخواہ پوری لیں لیکن ڈیوٹی ٹھیک نہ کریں، عہد شکنی کریں، دھوکا دہی کریں، دوسروں کے حقوق کا خیال نہ رکھیں، دعوت دین کی ذمہ داری ادا نہ کریں.... تو پھر ہمیں دنیا وآخرت کا چین کیسے نصیب ہوسکتا ہے...؟ مذہبی پیشوا جب دین میں خیانت کریں، رزقِ حلال کی بجائے دوسروں کا مال بٹوریں تو پھر جبے کبے انہیں کیسے بچا سکیں گے؟۔گارنٹی ہے آج اخلاص کے ساتھ جزوی دین کی بجائے پورا دین (نظریات، عبادات، اخلاقیات و معاملات اور معاشیات) اختیار کرلیں اور شرک چھوڑ دیں، ان شاء اللہ کل نتیجہ لے لیں۔

<u>اجتماعی زندگی پر اثرات:</u> اگر ہمارے اندر اخلاص آجائے، دین کو ٹھیک طرح سمجھ کر پورے دین (حقوق اللہ اور حقوق العباد) پر عمل پیرا ہوجائیں تو انفرادی سکون کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی میں بھی: سچائی، دیانتداری، عدل واحسان، ایثار وقربانی، شرم وحیاء، قرابت داری کے آنے اور جھوٹ، بددیانتی، ظلم و ناانصافی، بخل، قرابت داری کے عدم لحاظ اور بے حیائی کے خاتمے سے امن وچین کی بہاریں اُمڈ آئیں۔اللہ کے قانون کی بالادستی سے دنیا وآخرت بن جائے۔اگر اس عظیم خوش نصیبی کی راہ پر آنے کی آمادگی پیدا ہوگئی ہے تو اس راہ کو پانے کیلئے ہماری درج ذیل تحاریر کا مطالعہ فرمالیں:

['اخلاص': نجات کی پکار نمبر۔12، 'پورا اسلام': نجات کی پکار۔15، 'آزادی ونجات': نجات کی پکار۔16 'حقوق العباد':

اخروی بدلہ

زندگی اللہ کے قانون یعنی دین اسلام کے تابع کرنے سے اللہ کے قرب اور دنیوی بہاروں کا حصول تو آپ نے ملاحظہ فرماہی لیا ہے لیکن اصل بدلہ تو آخرت میں ملنا ہے۔دنیا کی زندگی تو بہت قلیل اور بہت حقیر ہے۔یہ تو دیکھتے ہی دیکھتے بہت جلد آسان ومشکل سب کی گزرجانی ہے لیکن آخرت کی ہمیشہ کی زندگی نے تو ختم نہیں ہونا۔وہاں اگر مشکل میں پھنس گئے تو کیا بنے گا؟اسلئے اپنی ذات پر رحم کھاتے ہوئے پورے کا پورا دین یعنی مکمل تقویٰ جلد از جلد اختیار کرلیں،اسکے بغیر نہ دنیا کا چین ہے نہ آخرت کا۔اللہ رب العالمین نے آخرت کی اہمیت کی بابت فرمایا:

﴿ وَ مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾(عنکبوت:29:آیت:64)

''اورنہیں ہے دنیا کی زندگی مگر کھیل اور تماشا اور یقیناً آخرت کا گھر ہی حقیقی زندگی ہے،کاش تم جان جاؤ۔''

اخروی نقصان سے بچ کر تقویٰ پر آنے کی تلقین یوں فرمائی:

﴿ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴾(الزمر:39:آیت:16)

''انکے لئے ہوں گے آگ کے لحاف اوپر بھی اور نیچے بھی۔یہ ہے وہ چیز جس سے ڈراتا اللہ بندوں کو،اے لوگو تقویٰ اختیار کرلو''

پھر ہم تقویٰ کی بجائے اللہ کی نافرمانی کی راہ پر چلیں تو قصور کس کا ہوا؟ اور اخروی نعمتوں کیلئے رغبت کی دعوت یوں دی:

﴿وَ سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾(آل عمران:3:آیت:133)

''اوراپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لئے۔''

یہاں تو ۱۰ مرلہ یا کنال کے گھر کیلئے انسان مرمٹتا ہے تب بھی مکمل نہیں ہو پاتا۔غور فرمائیں ہمارا خالق ہمیں

کتنے بڑے گھر کیلئے جدوجہد کی دعوت دے رہا ہے؟ کیا اسکے لئے بھرپور جدوجہد کی ضرورت نہیں؟

اللہ کا ہم پر احسان

انسان تو اللہ پر احسان جتلاتا ہے کہ اس نے راہِ خدا پر آکر، دین قبول کر کے، عبادت اختیار کر کے، منکرات سے بچ کر، اسلام کیلئے ایثار و قربانی کر کے اللہ پر احسان کیا ہے۔ لیکن مذکورہ حقائق سے آگاہی کے بعد بلا شک وشبہ آپ کو یہ بات سمجھ آچکی ہوگی کہ یہ تو ہم پر اللہ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ہمیں ایمان کی دولت سے نوازا۔ ایسی عظیم دولت عطا فرمادی جس سے دنیا و آخرت سنور گئی۔ اگر یہ دولت نصیب نہ ہوتی تو دنیا و آخرت برباد ہو جاتی، سوائے شدید حسرت وندامت کے کچھ ہاتھ نہ آتا۔ صرف اس ایک نعمت پر ہی زندگی بھر اللہ کا شکر ادا کیا جائے تو کم ہے، لیکن افسوس کہ ہمیں اس عظیم ترین نعمت کی کچھ قدر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی مذکورہ کوتاہ نظری پر فرمایا:

﴿یَمُنُّوْنَ عَلَیْکَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدَاکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَo﴾ (الحجرات:49، آیت:17)

''احسان جتلاتے ہیں یہ لوگ تم پر کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا، فرما دیجیے نہ احسان جتلاؤ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا بلکہ یہ تو اللہ کا احسان ہے تم پر کہ اس نے ہدایت دی تمھیں ایمان کی، اگر ہو تم فی الواقع (اپنے دعویٰ ایمان میں) سچے۔''

پس یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ دین کی چھوٹی بڑی خدمت کر کے نہ تو کوئی اللہ و رسول ﷺ پر احسان کرتا ہے، نہ اسلام پر بلکہ وہ خود اپنے اوپر احسان کرتا ہے اپنی دنیا و آخرت سنوار کر۔ یہ تو درحقیقت اللہ کا احسان ہے کہ وہ کسی سے دین کی خدمت لے کر دنیا اور ابدی آخرت کی سعادت کی راہیں کھول دے۔

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد اہلِ اسلام کو فوراً سجدہ شکر بجالاتے ہوئے دل و جان سے پورے اسلام کو من وعن زندگی میں لے آنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے دل سخت کر دیے جائیں اور ناقدری و ناشکری کی بنا پر دنیا و آخرت کی رسوائی مقدر ہو جائے۔ اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ (آمین)

چند اعتراضات

اسلام کی حقانیت اور دنیا و آخرت پر مرتب ہونے والے اسکے یقینی اثرات و نتائج سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم غیر مسلم اور بعض نام نہاد ہم پیالہ مسلمانوں میں سے کئی لوگوں نے اسلام پر اعتراضات کے

ذریعے شکوک وشبہات پیدا کرنے، اسکا انکار یا اسے جھوٹا مذہب ثابت کرنے کی جسارت کی ہے۔جن میں سے چند ایک کی نشاندہی کی جاتی ہے:

اعتراض۔1: لوگوں کی کثیر تعداد بغیر خدا اور مذہب کے پُرسکون اور کامیاب زندگی بسر کر رہی ہے ان کی زندگی خدا اور مذہب پر ایمان رکھنے والوں سے بہتر ہے تو پھر خدا اور مذہب کے اقرار کی آخر کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟

اعتراض۔2: دنیا میں پائے جانے والے منکرین مذہب اور خدا(Atheists) مہذب، با اخلاق، اور متوازن (Balanced) لوگ ہیں جبکہ مذہب پر عمل پیرا ہونے والے بد اخلاق، بد دیانت، فریبی، لڑائی جھگڑا اور خونریزی کرنے والے ہیں۔ مذہب کو تسلیم کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ اچھے لوگ بھی بُرے بن جائیں۔

اعتراض۔3: کائنات میں اگر کوئی خدا اور آسمانی مذہب ہوتا تو لوگ ظلم و بربریت کا شکار نہ ہوتے جب رزق کا ذمہ خدا نے لیا ہے تو لوگ بھوکے کیوں مر رہے ہیں؟ کوئی خدا ہوتا تو ضرور ان کو رزق دیتا۔

اعتراض۔4: زمانہ آگے کو جا رہا ہے جدید دریافتوں نے انقلاب برپا کر دیا ہے، ارتقائی عمل سے گزرتے ہوئے جدید سائنس اور علوم کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں۔ جدید چیزیں پرانی چیزوں کی جگہ لیتی جا رہی ہیں جبکہ مسلمانوں نے ابھی تک 1400 سال پرانی کتاب کو تھاما ہوا ہے اور آج کے جدید ترقی یافتہ دور میں 1400 سال پرانی کتاب لوگوں پر لاگو(Apply) کی جا رہی ہے۔

اعتراض۔5: دنیا میں فساد کی بڑی وجہ اسلام ہے، جہاد کے نام پر مسلمانوں نے دنیا بھر میں خونریزی اور دہشتگردی پھیلا رکھی ہے۔

اسی طرح بعض الناس نے قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ پر مختلف اعتراضات کیے ہیں جو حقیقت سے بہت دور ہیں۔

ان اعتراضات کے ازالے کیلئے دیکھیے ہماری کتاب: ''کائنات سے خالق کائنات تک''، باب ۷: 'خدا اور مذہب کا انکار' اور ابو یحیٰ صاحب کی تحاریر[''قسم اس وقت کی'' اور ''خدا بول رہا ہے''، انذار پبلشرز کراچی]

یادرکھیں! اعتراض تو ہر چیز پر کیا جا سکتا ہے، عیب تو ہر شے میں تلاش کیا جا سکتا ہے، اچھی سے اچھی چیز میں بھی خامی نکالی جا سکتی ہے لیکن بات تو دیانتداری کے ساتھ حقیقت کی پہچان اور اسے تسلیم کرنے کی ہے۔ جو لوگ بھی: منصف مزاج، امین اور سچے ہوں گے انشاءاللہ وہ حق تک ضرور پہنچ جائیں گے۔

سوچنے کی بات! قرآن کی صداقت کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی کثیر آیات کو نظر انداز کرتے ہوئے چند آیات پکڑ کر غلط نیت سے غلط مفہوم کی بنا پر قرآن اور اسلام کا انکار کرنا کیا انصاف ہے؟ آج اگر قرآن مجید اپنی لازوال طاقت، لاریب صداقت، قطعی دلائل و براہین اور جدید سائنسی انکشافات کی تصدیق کے باوجود بھی الہامی کتاب نہیں بلکہ اسے مخلوق نے تیار کیا ہے تو پھر روئے زمین پر اور کون سی ہدایت ہے جو اصلی حالت میں موجود ہو اور اللہ کی طرف سے ہو جسے معیار بنایا جائے.....؟۔ قرآن مجید کے علاوہ دیگر الہامی کتابوں (تورات و انجیل) کی جزوی تحریف کے تو خود یہود و نصاریٰ بھی معترف ہیں۔ شیطانی فریب میں آ کر اگر قرآن مجید کو بھی رد کر دیا جائے تو اسکا مطلب یہی نکلے گا کہ اب انسانیت کیلئے اسکے خالق کی طرف سے کوئی رہنمائی اور ہدایت نہیں بلکہ انسانیت کو اب پیدا کر کے قیامت تک بغیر قانون و ضابطے کے بے شتر مہار، حالات کے حوالے کر دیا گیا ہے جیسے چاہیں زندگی گزاریں۔ اگر یہ بات مان لی جائے تو اسکا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ انسان اور کائنات کی تخلیق بے مقصد ہے۔ کیا عقل و دانش کو مسخ کرتے ہوئے اور حقائق کو رد کرتے ہوئے یہ بات مانی جا سکتی ہے.....؟ مرضی آپ کی اپنی ہے دیانتداری اور سچائی پر رہیں یا بددیانتی، جھوٹ اور فریب پر.....؟ جیسی زندگی گزاریں گے ویسا ہی نتیجہ نکلے گا۔ لیکن یاد رکھیں نزولِ اسلام کے بعد اب اسلام کے خلاف کوئی اور دین قابل قبول نہ ہوگا:

﴿وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝﴾ (آل عمران:85:3)

''اور جو اختیار کرنا چاہے اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تو اس سے یہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ ہوگا آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے۔''

آئیں ابھی وقت ہے دامنِ اسلام میں آ کر رب کی راہ پا کر دنیا و آخرت کی حقیقی کامرانیاں سمیٹ لیں۔

ایمان وعمل کے یقینی نتائج

قرآن وسنت کے پختہ دلائل اور حقائق کی بنا پر دین اسلام کو کما حقہ اختیار کرنے کے درج ذیل یقینی نتائج ان شاءاللہ ضرور نکلیں گے:

(۱)۔خالقِ کائنات کی رضامندی اور اسکے قرب کا حصول، (۲)۔اللہ کی تائید کے ذریعے صبر، قناعت اور سکون واطمینان والی پاکیزہ قلبی وروحانی زندگی، (۳)۔اسلام کے بے نظیر اور حتمی نظامِ عدل وانصاف اور احسان کے ذریعے سکھ چین سے لبریز مثالی، اجتماعی ومعاشرتی زندگی، (۴)۔اسلام کے حرمتِ جان اور حرمتِ مال کے سخت احکامات کے ذریعے پرامن انفرادی واجتماعی زندگی، (۴)۔سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی میں اللہ کی رضا اور لافانی پرعیش اخروی بہاریں۔

کیا یہ سب کچھ ہمیں نہیں چاہیے.....؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو پھر چند روزہ عارضی زندگی میں صبر اختیار کرتے ہوئے فوراً قانون خداوندی کے تابع ہوکر اسوہ مصطفیٰ ﷺ کو صحیح معنوں میں اپنالیں۔

<u>یہ سب کچھ کیسے نصیب ہو؟</u> بات تو سمجھ آ گئی لیکن یہ سب کچھ کیسے نصیب ہو؟ اسکے حصول کیلئے:

(۱)۔اپنے اندر اخلاص پیدا کریں، مسالک اور فرقوں کی بجائے اسلام سے محبت پیدا کریں۔اگر اخلاص نہ ہوا تو سب محنت اکارت ہوجائے گی، (۲)۔دین کو اختیار کرنے اور آخرت بنانے کا پختہ عزم وارادہ اور فیصلہ کرلیں، (۳)۔اللہ کیلئے کاوش وقربانی کو زندگی کا مقصد بنالیں، (۴)۔دینی مطالعہ کا شغف پیدا کریں، معمول کے ساتھ کچھ وقت فہم قرآن اور دیگر کتب کیلئے روزانہ ضرور نکالیں، (۵)۔بری صحبت سے بچیں اور اچھی صحبت اختیار کرنے کیلئے بھرپور جدوجہد کریں، انشاءاللہ منزل پر چڑھ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں موت سے پہلے پہلے جلد از جلد حقیقی طور پر نورِ ایمان واسلام سے فیضیاب فرما کر اپنی راہ پر چڑھادے تاکہ انفرادی اور اجتماعی زندگی سکھی ہو اور لافانی اخروی بہاریں مقدر ہوجائیں۔(آمین)

۞۞۞۞۞

16۔امتحان تو ہوگا!

(قانون ابتلا۔حصہ اول)

تحریر کا مقصد: تحریر۔۱۸میں میٹھے قانون (طمانیت ورحمت) کی حقیقت سے آگاہی کے بعد اب بظاہر کڑوا لیکن حقیقتاً میٹھا قانونِ ابتلا کی حقیقت تحریر۔۱۹اور۲۰ دوحصوں میں واضح کی جائے گی۔حقیقت سے نا آشنائی کی وجہ سے کلی طور پر انسان سہولت وآسانی کو اللہ کا قرب جبکہ مشکل ومصیبت کو پکڑ اور عذاب سمجھتا ہے، بلکہ مشکل مصیبت کے نہ ٹلنے پر خیال کرتا کہ جیسے اللہ کے علم میں ہی نہیں یا وہ میری سن ہی نہیں رہا۔اس ضمن میں حقیقت کیا ہے؟ الا ماشاءاللہ اکثریت تو اسکی آشنائی سے ویسے ہی کوسوں دور ہے۔جن کو معلوم بھی ہے ان میں سے بھی بہت کم ایسے ہیں جو اس تلخ حقیقت پر یقین رکھتے ہوں اور اسے تسلیم کرتے ہوں۔اس تحریر کا مقصد یہ ہے کہ نقلی اور عقلی دلائل کی روشنی میں اس بہت بڑی تلخ حقیقت کے مختلف پہلو واجاگر کر دیے جائیں تاکہ اہل ایمان کیلئے مرہم اور حقیقی فلاح نصیب ہو۔

ہمارا طرزِ عمل: اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہمیں اللہ سے مشکل مصیبت کی بجائے ہمیشہ عافیت وآسانی کی ہی دعا مانگنی چاہیے۔لیکن جب مشکل مصیبت آجائے تو پھر مایوسی سے بچتے ہوئے، اسے آزمائش وامتحان یا اپنے گناہوں کی پاداش میں سزا سمجھتے ہوئے، صبر کا دامن تھامتے ہوئے مشکل سے نکلنے کیلئے دعا، دوا اور تدبیر اختیار کرتے ہوئے اپنی اصلاح کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔اسکے ساتھ ساتھ اللہ کیلئے شوق وجذبہ سے جان مال وقت اور صلاحیتوں میں قربانی کیلئے ہمہ تن آمادہ بھی رہنا چاہیے۔

ہماری حالت: ہم تو چُوری کھانے والے مجنو ہیں، حقیقت سے دوری کی بنا پر خیال کرتے ہیں کہ اللہ کی رضا اور ہمیشہ ہمیشہ کی اخروی فلاح تو مفت ہی مل جانی ہے۔حالانکہ عارضی اور حقیر دنیا کے لئے تو ہمارا معیار بالکل مختلف ہے، ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ دنیا کا فائدہ جتنا بڑا ہوگا اسی قدر کاوش محنت زیادہ کرنی پڑے گی۔لیکن اللہ کی رضا، اسکا قرب اور ہمیشہ کی عظیم ابدی نعمتیں کیا مفت بغیر بھرپور محنت کئے ہی حاصل ہوجائیں گی.....؟ قرآن مجید سے دوری کی بنا پر انسان اس بڑی خوش فہمی کا شکار ہوکر خسارے کی راہ پر گامزن ہوچکا ہے۔آپکے بھلے کیلئے حقائق پیشِ خدمت ہیں، جلد از جلد مطلع ہوجائیں۔

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَالَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝﴾ (بنی اسرائیل:17:18-19)

''جوکوئی بھی طلبگار رہوگا (صرف) دنیا کا تو جلد دے دیں گے ہم اسے یہیں جتنا چاہیں گے جسکے لئے، پھر مقرر کردیں گے اسکے لئے ہم جہنم، داخل ہوگا وہ اس میں ذلیل وخوار ہوکر۔ اور جوکوئی طلبگار رہوگا آخرت کا اور اسکے لئے اتنی کوشش کرے جو اسکے لائق ہو اور وہ ہو بھی مومن تو یہی وہ لوگ ہیں جن کی کاوش مقبول ہوگی۔''

بات بالکل واضح کردی گئی کہ جو آخرت کو پسِ پشت ڈال کر محض دنیا کا طلبگار رہوگا اسے دنیا تو مل جائے گی لیکن آخرت میں ابدی خسارہ ہوگا۔ اور جوکوئی آخرت کو مقصد بنائے اور جتنا بڑا اخروی فائدہ ملنے والا ہے اسی کے بقدر محنت و کاوش بھی کرے ایمان کی موجودگی میں تب اخروی کامیابی میسر آئے گی۔ کیا خوب حقیقت واضح کی ہے ابوتحیٰ صاحب نے:

''جنت کا حقیقی مستحق وہ ہے جو قربانی کے درجے میں اس کا طلبگار بنے، آج کا مسلمان تو خواہش کے درجے میں بھی اس کا طلبگار نہیں۔'' (حکمت کی باتیں، ابوتحیٰ، انذار پبلشر)

آیئے نجات یافتہ ہونے کیلئے جلد از جلد اپنی ذمہ داری کی پہچان پیدا کرتے ہوئے اسے نبھالیں۔

مصائب وآلام کی وجوہات؟

اب سوال یہ ہے کہ دنیا میں انسان کو دکھ درد، بیماری اور مشکل اور مصیبت سے دوچار کیوں کیا گیا ہے.....؟ اسکی تین بنیادی وجوہات ہیں:

1۔ امتحان وآزمائش کیلئے، 2۔ رحمتِ الٰہی کی آغوش میں آنے والوں کو دنیا پرستی کے جادو سے بچانے، گناہوں کی معافی اور مزید اصلاح کیلئے، 3۔ نافرمانوں کو بطور عذاب کیلئے

حقیقت تک رسائی کیلئے نمبر۔1 کی وضاحت پیش خدمت ہے جبکہ نمبر۔2 اور نمبر۔3 کی وضاحت اگلی تحریر نمبر۔20 میں پیش کی جائے گی۔

1۔ آزمائش وامتحان

انسان کو ہمیشہ کی اخروی زندگی کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ دنیا کی زندگی ایک قلیل امتحانی وقفہ ہے، یہاں انسان کو

مختلف حالات میں گزار کر کھرے اور کھوٹے کی جانچ پڑتال کیلئے ٹسٹ (Test) کیا جارہا ہے۔ اللہ اور آخرت کو پانے کیلئے آزمائش اور امتحان سے لازمی گزرنا پڑے گا۔ بات کو سمجھنے کیلئے درج ذیل آیات پر سنجیدگی کے ساتھ غور کریں:

☆ ﴿وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ o الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ o اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ o﴾

(البقرہ:2:155-157)

''اور لازماً آزمائیں گے ہم تمھیں کسی قدر خوف اور بھوک سے اور (مبتلا کر کے) نقصان میں مال و جان کے اور ثمرات کے اور بشارت دو صبر کرنے والوں کو۔ وہ (صبر کرنے والے کہ) جب پہنچتی ہے انہیں کوئی مصیبت تو کہتے ہیں بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر ہم نے جانا ہے۔ دراصل یہی وہ لوگ ہیں جن پر عنائیتیں ہیں ان کے رب کی اور رحمتیں بھی اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔''

☆ ﴿لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ وَ اَنْفُسِکُمْ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَذًی کَثِیْرًا وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ o﴾ (آل عمران:3:186)

''لازماً تمھیں آزمایا جائے گا تمھارے مالوں اور تمھاری جانوں سے اور یقیناً تمھیں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے اور مشرکوں کی بہت سی دکھ دینے والی باتیں بھی سننی پڑیں گی اور اگر تم (ان سب پر) صبر اختیار کئے رہو اور تقویٰ پر قائم رہو تو یقیناً یہ بہت بڑی ہمت کا کام ہے۔''

☆ ﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ o وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ o﴾ (عنکبوت، آیت:2-3)

''کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ صرف اتنا کہنے پر کہ وہ ایمان لے آیا چھوڑ دیا جائے گا اور اسکی آزمائش نہیں کی جائے گی؟ یقیناً آزمایا گیا تھا ان لوگوں کو بھی جو ان سے پہلے تھے، تو اللہ لازماً جانچ کر رہے گا سچوں اور جھوٹوں کو۔''

☆ ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا یَاْتِکُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ مَسَّتْهُمُ

الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ o﴾(البقرہ:214:2)

''پھر کیا سمجھ رکھا ہے تم نے (اے مسلمانو!) کہ (یونہی) جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تو تم پر نہیں آئے وہ حالات جو تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے، پہنچی انہیں تنگدستی اور مصائب اور الم اور جھنجھوڑ دیے گئے وہ (اس قدر) یہاں تک کہ پکارا اٹھا وقت کا رسول اور وہ لوگ جو ان پر ایمان لائے تھے اس کے ساتھ کہ کب آئے گی اللہ کی مدد، (تب آیا جواب) سن لو اللہ کی مدد قریب ہے۔''

ان آیات کے شانِ نزول کے تحت آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے جب کفار مکہ کے ظلم وستم کی شکایت آپ ﷺ سے کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہ ظلم وتشدد تو اہل ایمان کی تاریخ کا حصہ ہے، تم سے پہلے مومنوں کا یہ حال کیا گیا کہ ایک گڑھا کھود کر اس میں انہیں کھڑا کر دیا گیا اور پھر ان کے سروں پر آرا چلا دیا گیا، جس سے ان کے جسم دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ اسی طرح لوہے کی کنگھیاں ان کے گوشت پر ہڈیوں تک پھیریں گئیں لیکن یہ ایذائیں انہیں دین حق سے پھیرنے میں کامیاب نہ ہوئیں۔''

(بخاری، کتاب احادیث الانبیاء:6943)

صحابہ کرامؓ میں بھی سیدنا بلال ومقداد، حضرت صہیب، سیدنا عمار انکی والدہ اور انکے والد حضرت یاسر..... رضی اللہ عنہم پر بھی شدید ظلم ڈھائے گئے لیکن وہ ثابت قدم رہے۔ لیکن افسوس کہ ہم پر تھوڑی سی تکلیف آجائے تو اللہ پر شک اور شکوے شکایات شروع ہو جاتے ہیں۔ اللہ ہمیں بھی ایمان اور استقامت نصیب فرمائے۔ (آمین)۔ اب ذرا اس آئینے کے روبرو اپنا محاسبہ بھی کر لیجئے ہم کس کھاتے میں ہیں۔؟ فرض واجب کو اختیار کرنا اور حرام سے بچنا ہمارے لئے اگر مشکل ہو جائے تو ہمارا کیا بنے گا.....؟

لہٰذا جب بھی مصیبت آجائے تو چوکنے ہو جائیں کہ امتحان آگیا ہے اور میں نے ثابت قدمی اختیار کرنی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس وقت ایمان ڈولنے لگے جیسا کہ اللہ نے واضح فرما دیا:

﴿وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا o﴾(احزاب:10:33)

''اور (جب شدید مصیبت آئی) تو اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔''

الحمدللہ بات کو بالکل واضح کر دیا گیا ہے، امتحان اور آزمائش سے ثابت قدمی سے گزرنے کے بعد ہی انسان اللہ کے قرب اور اسکی رحمت کی ڈگری کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ کم از کم آزمائش اللہ کے قانون یعنی حلال وحرام اور

فرض وواجب کی ترجیح کے ساتھ پاسداری ہے۔آزمائش اور مذکورہ شرائط کو پورا کئے بغیر امید رکھنا شائد خام خیالی ہے۔اورتو اورانبیاء کرام علیہم السلام کو بھی اس گھاٹی سے گزارا گیا:

﴿ وَ اِذِابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ o﴾(البقرہ:124:2)

''اور جب (بھی) آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں سے تو انہوں نے پورا کر دکھایا تو (پھر) ارشاد ہوا میں بنانے والا ہوں تمھیں سب لوگوں کا پیشوا، ابراہیم نے عرض کیا اور کیا میری اولاد میں سے بھی، فرمایا: نہیں پہنچے گا میرا وعدہ ظالموں کو۔''

اور جو تکالیف کا باب ہمارے پیارے رسول ﷺ پر گزرا ان سے کون آگاہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کی راہ میں جتنی مجھے اذیت دی گئی ہے اتنی کسی اور کو نہیں دی گئی۔''

(جامع ترمذی، صفۃ القیامہ والرقاق، رقم:2472)

اب جبکہ امتحان میں کامیابی نصیب ہوگئی، اب انشاءاللہ ہاتھ پکڑ لیا جائے گا، دین اور اخروی فلاح میں اللہ کی تائید ونصرت ہم رکاب ہوجائے گی۔اب روز بروز امتحان وترقی کا سفر شروع ہوجائے گا۔بقدرِ اخلاص و کاوش ایک منزل طے کریں گے تو دوسری منزل آگے کھڑی ہوگی۔اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسے خوش نصیبوں کی صف میں شامل فرمائے۔(آمین)

<u>قابلِ غور:</u> اخروی امتحان وآزمائش کی بات تو انسان پر بڑی ناگوار گزرتی ہے لیکن یہ بھی سوچا جائے کہ کیا دنیا بغیر امتحان اور محنت کے ہی حاصل ہوجاتی ہے....؟ دنیاوی امتحان میں اچھے نمبرز، اچھی ملازمت، اعلیٰ مقام..... کیلئے کیا ہمیں بھرپور محنت اور امتحان سے نہیں گزرنا پڑتا.....؟ دنیا کی کون سی چیز ہے جو بغیر محنت وکاوش کے حاصل ہوتی ہے....؟ افسوس کہ چندروزہ حقیر دنیا کیلئے تو ہم ہر مشقت اٹھانے کیلئے تیار ہیں لیکن اللہ کیلئے نہیں۔

<u>یقینی نتیجہ:</u> نقلی اور عقلی دلائل سے یہ بات یقینی طور پر سامنے آگئی کہ:

''اخروی نجات کیلئے دنیا میں امتحان سے لازمی گزرنا پڑے گا۔جو بھی اخروی فلاح کا عزم کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے اسکی سکت اور ظرف کے مطابق امتحان سے ضرور گزارے گا۔جسکا کم ازکم لازمی ٹسٹ اللہ کے قانون: یعنی حلال وحرام اور فرض وواجب کی ترجیح کے ساتھ پاسداری

کا تقاضا ہے۔امتحان کی مزید شکلیں مصائب وآلام ہیں۔''

جب انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی دردناک حالات پیش آئے تو اور کون بچے گا؟ چونکہ یہ نتائج طبیعت پر گراں ہیں اسلئے انسان عموماً انکی حقیقت شنائی سے گریز کرتا ہے۔لیکن حقیقت تو حقیقت ہی رہتی ہے،اس پر پردے تو ڈالے جاسکتے ہیں لیکن اسے تبدیل نہیں جاسکتا۔

یادرکھیں! دنیا تو بہت قلیل اور حقیر ہے۔اسکی خاطر ابدی عظیم راحتوں سے محروم ہوجانا کوئی عقلمندی نہیں۔یہ عارضی اور حقیر ایام تو امیر غریب سب کے گزر جانے ہیں لیکن آخرت نہیں گزرنی۔ہلاک وبرباد ہوگیا وہ جس نے اپنی آخرت کو فراموش کردیا۔

پیارے ساتھیو! ان حقائق سے آگاہی پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے جلد از جلد زندگی کو امتحان سمجھ کر گزارنا شروع کردیں۔مذکورہ حقائق سے کترانے کی بجائے انکا فہم حاصل کریں،انہیں تسلیم کریں۔اگر اللہ نے دولت،صلاحیتیں اور سہولت وآسانی کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں تو انکی قدر کریں،اللہ کا شکر ادا کریں،ان میں سے بھرپور اللہ کیلئے خرچ کرلیں۔اللہ کی رضا اور آخرت کو منزل ومقصود بنا کر دنیا کو اللہ کے قانون کے تابع کرلیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان وسلامتی،تسلیم ورضا اور نجات وعافیت والی زندگی عطا فرمائے۔(آمین)

17۔دُکھوں کا مرہم

(قانونِ ابتلا۔حصہ دوم)

تحریر کا مقصد: امتحان وآزمائش کی دنیاوی زندگی میں بہت سے لوگ تو صحت وتندرستی عافیت وخوشحالی میں ہیں جبکہ بعض بیماری وتنگدستی میں گرفتار زندگی کے شب وروز پورے کر رہے ہیں۔یہ تحریر بالخصوص ان غموں کے ماروں کیلئے تیار کی گئی ہے تاکہ اس ضمن میں حقائق کو واضح کیا جائے جنکی آگاہی سے دکھیاروں کیلئے دکھوں کا مرہم نصیب ہو سکے۔انشاءاللہ یہ تحریر ایسے ساتھیوں کیلئے زندگی گزارنے کیلئے حوصلے کا باعث ثابت ہوگی۔

دردکا احساس: تندرست وخوشحال تو اپنی موج میں مگن رہتے ہیں۔دردکا احساس تو اسی کو ہوسکتا ہے جس پر گزر رہی ہو۔مولف نے بھی سخت بیماری کے دن دیکھے جس سے دکھیاروں کے دردکا احساس ہوا اور اس موضوع کی حقیقت واضح کرنے کا شدید جذبہ پیدا ہوا۔ان شاءاللہ حقیقت سے آگاہی پر ضرور مرہم نصیب ہوجائے گا۔

عمومی تصور: عمومی تصور یہی ہے کہ جو صحت ومال کے حوالے سے خوشحال ہوں وہ چاہے نافرمان بھی ہوں انہیں اللہ کا پسندیدہ جبکہ مصائب میں گرفتار اللہ سے ڈرنے والے بھی ہوں تو انہیں اللہ کا ناپسندیدہ اور قابل گرفت سمجھا جاتا ہے۔لیکن حقیقت کچھ مختلف ہے۔

تنگی وتکالیف کی وجوہات

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان پر جو مشکلات (دکھ درد،تنگدستی،بیماری،تکالیف) آتی ہیں انکی وجوہات کیا ہیں؟اسکی درج ذیل ممکنہ وجوہات میں سے کوئی وجہ ہوسکتی ہے:

(۱)۔امتحان وآزمائش کیلئے، (۲)۔رحمتِ الٰہی کی آغوش میں آنے والوں کو دنیا پرستی کے جادو سے بچانے، گناہوں کی معافی اور مزید اصلاح کیلئے، (۳)۔نافرمانوں کو بطور عذاب کیلئے

نمبر۔۱ کی تفصیل (امتحان تو ہوگا۔دکھوں کا حقیقی مداوا،نجات کی پکار نمبر۔19) میں پیش کردی گئی ہے۔

2۔گناہوں کی معافی اور مزید اصلاح کیلئے بطورِ رحمت

حقائق سے بےخبر انسان کیلئے دنیا بڑی شیریں اور شاداب ہے۔دنیا کی زیب وزینت اسکی مٹھاس انسان کو

جکڑ لیتی ہے۔ جب تک زندگی کی آرزوئیں پوری ہوتی رہیں، خوشحالی ہو، صحت وتندرستی ہو..... تو انسان کی خواہش نفس انسان پر غالب رہتی ہے اور انسان کو آخرت کی یاد نہیں آنے دیتی۔ خواہش نفس کا زور اسی وقت ٹوٹتا ہے جب سر پر پڑتی ہے۔ جب تنگی وتکالیف پہنچتی ہیں تبھی انسان کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ وہی گاڑی روڈ سے اتر کر مکینک کے پاس جاتی ہے جس میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے۔ اسلئے ہمارے ہی بھلے کیلئے ہمارے خالق نے اس عارضی زندگی میں مصائب وآلام بھی رکھے ہیں تا کہ اس دنیا کا فریب ابدی فوائد کی راہ میں رکاوٹ نہ بن جائے۔

حقیقتِ حال سے آگاہی کیلئے درج ذیل دلائل پر بھرپور غور فرمائیں:

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ o وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّ لٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ 0 وَ لَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ o الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ o اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَ رَحْمَۃٌ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَo﴾ (البقرہ:2:153-157)

''اور لازماً ہم آزمائیں گے تمھیں کسی قدر خوف، بھوک اور مال، جان اور ثمرات میں کمی کر کے، بشارت ہے صابرین (ثابت قدمی اختیار کرنے والوں) کیلئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جب بھی انہیں مصائب میں گرفتار کیا گیا، انہوں نے یہی کہا ہم تو اللہ ہی کیلئے ہیں اور اسی کی طرف پلٹ جانا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کا درود اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔''

معلوم ہو گیا کہ زندگی کے ہر رخ میں مصائب آنے پر ثابت قدم رہنے والے اللہ کے مقربین بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو نافرمانی سے بچانے اور اپنا مطیع وفرمانبردار بنانے کیلئے انہیں مصائب میں مبتلا کرتا ہے شائد کہ وہ راہ پر آجائیں:

﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَاَخَذْنٰھُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّھُمْ یَتَضَرَّعُوْنَo﴾ (انعام:6:42)

''اور البتہ بھیجے ہم نے رسول بہت سی امتوں کی طرف تم سے پہلے، پھر مبتلا کیا ہم نے ان کو مصائب و آلام میں تا کہ وہ جھک جائیں عاجزی سے۔''

﴿وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ o﴾

''اور ضرور چکھائیں گے ہم ان کو مزہ دنیاوی عذاب کا بڑے عذاب سے پہلے شاید کہ وہ پلٹ آئیں۔'' (السجدہ:21:32)

نبی کریم ﷺ نے بالکل واضح انداز میں حقیقت حال سے پردہ اٹھادیا، بار بار پڑھیں اور غور وتدبر کریں:

☆ ((من یرد الله به خیراً یصب منه)) (بخاری، المرضیٰ، رقم:5645)

''جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اس کو مصیبت سے دوچار کردیتا ہے۔''

☆ ''مسلمان کو جو بھی تکان، بیماری، فکر، غم اور تکلیف پہنچتی ہے، حتیٰ کہ کانٹا بھی چبھتا ہے تو اسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسکے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔'' (بخاری، المرضیٰ، رقم:5641، مسلم)

☆ دنیا میں عموماً نافرمانوں کی ڈور ڈھیلی چھوڑ دی جاتی ہے جبکہ اہل ایمان کا امتحان لیا جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے (اسکے گناہوں کی) سزا جلد ہی دنیا میں دے دیتا ہے۔ اور جب اپنے بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ (بندے کی اپنی بدنیتی کی وجہ سے) کرتا ہے تو اس سے اسکے گناہوں کی سزا (دنیا میں) روک لیتا ہے، یہاں تک کہ بروز قیامت اس کو پوری سزا دے گا۔'' (ترمذی، الزہد، رقم:2396، سندہ حسن)

☆ ''مومن مرد اور مومن عورت پر اسکی جان، اولاد اور مال میں آزمائشیں آتی رہتی ہیں (جن سے انکے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ جب وہ اللہ کو ملتے ہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔'' (جامع ترمذی، الذہد، رقم:2399، سندہ حسن صحیح)

☆ ((اذا احب قوم ابتلاهم)) (ترمذی، الزھد، حسن)

''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے محبت فرماتا ہے تو اسے آزمائشوں میں مبتلا کردیتا ہے۔''

بلکہ اہل ایمان کی جانیں اور مال تو اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ (دیکھئے سورہ توبہ آیت۔۱۱۱)۔

مولانا امین احسن اصلاحی صاحبؒ نے بڑے زبردست انداز سے مذکورہ موضوع پر روشنی ڈالی:

''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اسطرح کے امتحانوں میں اسلئے نہیں ڈالتا کہ لوگ اپنے ایمان ضائع کر بیٹھیں بلکہ یہ امتحان اللہ تعالیٰ کی رافت ورحمت کے مظہر ہیں۔ انہیں امتحانوں سے بندوں

کی صلاحیتیں نشونما پاتی ہیں۔انہیں کے ذریعے سے انکی وہ قوتیں اور صلاحیتیں بروئے کار آتی ہیں جن کے خزانے قدرت نے ان کے اندر ودیعت کئے ہیں۔انہیں کے ذریعے سے انکے کھرے اور کھوٹے، سچے اور جھوٹے میں امتیاز ہوتا ہے۔یہ امتحان نہ ہوتو اچھے اور بُرے، خام اور پختہ، گہرا اور پشنیز میں کوئی فرق ہی نہ رہ جائے..... مزید غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس کارخانہ کائنات کا سارا حسن و جمال اور اسکی ساری حکمت و برکت اللہ تعالیٰ کی اسی سنت ابتلا کے اندر مضمر ہے۔اگر یہ نہ ہوتو یہ سارا کارخانہ بالکل بے حکمت اور بے مصلحت بلکہ کھلنڈرے کا ایک کھیل بن کر رہ جائے۔'' (تدبر قرآن، تفسیر سورہ البقرہ:2:153-157)

ابو یحیٰ صاحب نے مذکورہ حقیقت کی کمال نقشہ کشی یوں فرمائی:

''یہ ابتلا کا قانون ہے۔جو شخص خدا کے راستے پر چلتا ہے، ہر تھوڑے عرصے بعد اسے کسی نہ کسی امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔یہ امتحان نہ ہوتو انسان مردہ ہوجاتے ہیں۔خدا اپنے نیک بندوں کو مردہ نہیں دیکھنا چاہتا۔اسلئے وہ ہر تھوڑے عرصے بعد ان کی روح پر ضرب لگاتا ہے۔یہ ضرب وہ سازِ دل چھیڑ دیتی ہے جس کا وجد آفریں ترنم بندہ مومن کو خدا سے قریب کر دیتا ہے۔مگر یہ بعد کی بات ہوتی ہے۔جب یہ ضرب لگتی ہے تو ہتھوڑے کی طرح انسان کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔'' (خدا بول رہا ہے، ص۔122، ابو یحیٰ، انذار پبلشرز)

الحمدللہ، امید ہے حقیقت حال واضح ہونے پر ذہنی کیفیت بالکل تبدیل ہوچکی ہوگی۔تکالیف اور محرومیوں پر صبر کی عظیم دولت میسر آنے سے دکھوں کا مرہم نصیب ہو چکا ہوگا۔پس وہ لوگ جنہوں نے توبہ کرلی ہے، اللہ کی طرف رجوع کرلیا ہے، زندگی کو اللہ کے قانون تابع کرلیا ہے، انہیں غم کس چیز کا؟۔اللہ ہمیں صحت کے ساتھ عافیت و آسانی، ایمان و عمل والی لمبی زندگی عطا فرمائے۔(آمین)

3۔ظالموں کو بطور عذاب کیلئے

جہاں تک معاملہ ظالموں کو بطور عذاب کا ہے تو اسکی داستانوں سے تو قرآن بھرا پڑا ہے۔کس طرح قوم نوح، لوط، عاد، ثمود، تبع..... وغیرہ کے ظالموں کا قلعہ قمہ کیا گیا کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔

<u>امتحان اور عذاب میں فرق:</u> انسان پر آنے والی مشکل مصیبت امتحان کیلئے ہے یا عذاب کیلئے، اس میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن درج ذیل باتیں فرق کا باعث ہوسکتی ہیں:

i۔ امتحان ہمیشہ اسی کا ہوتا ہے جو امتحان کیلئے داخلہ بھیجے یعنی امتحان صرف اہلِ ایمان ہی کا ہوگا۔

ii۔ امتحان نیک وکاروں کے درجات کی بلندی کیلئے بھی ہوسکتا ہے اور انسان کے گناہوں کو مٹانے کیلئے بطور سزا بھی۔گھبرانا نہیں چاہیے، ان دونوں صورتوں میں آنے والے مصائب بالآخر خیر و رحمت کا باعث ہی ہوتے ہیں۔

iii۔ ہر وہ مشکل جو بالآخر اللہ کی طرف پلٹنے کا سبب بن جائے وہ امتحان ہوگی اسکے برعکس جو اللہ سے دور ہونے کا سبب بنے وہ عذاب یا غضب ہوگی۔بطور امتحان آنے والی مشکلات مایوسی کی بجائے حوصلہ اور امید پیدا کرتی ہے جبکہ بطور پکڑ اور عذاب آنے والی مصیبت ناامیدی اور مایوسی۔

iv۔ بطورِ امتحان آنے والی مصیبت عموماً طوالت پکڑنے کی بجائے جلد ختم ہوسکتی ہے اور تباہ و برباد، ہلاکت کی بجائے زندگی بخشتی ہے (لیکن یہ ضروری نہیں)۔(واللہ اعلم)

یقینی نتائج

الحمدللہ نقلی اور عقلی دلائل سے درج ذیل یقینی نتائج اخذ ہوتے ہیں:

☆ اخروی نجات کیلئے دنیا میں امتحان سے لازمی گزرنا پڑے گا۔جو بھی اخروی فلاح کا عزم کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے اسکی سکت کے مطابق امتحان سے ضرور گزارے گا۔جسکا کم از کم لازمی ٹسٹ اللہ کے قانون: یعنی حلال وحرام اور فرض و واجب کی ترجیح کے ساتھ پاسداری کا تقاضا ہے۔امتحان کی مزید شکلیں مصائب وآلام ہیں۔جب انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی دردناک حالات پیش آئے تو اور کون بچے گا؟

☆ جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا رادہ فرمالے اسے: غفلت سے نکالنے، کما حقہ اپنا کام لینے اور ابدی رفعتیں عطا کرنے کیلئے دنیا میں گاہے بگاہے یا کبھی کبھار مشکل حالات سے دوچار کرتا رہتا ہے تاکہ ٹسٹ بھی ہوجائے اور شیریں اور شاداب دنیا کے جادو سے نجات بھی نصیب بھی ہوجائے۔تاہم ہمیں عافیت وآسانی کی ہی دعا کرنی چاہیے۔

☆ اہل ایمان فرمانبرداروں کیلئے مصیبت و پریشانی گناہوں کے خاتمے اور درجات کی بلندی کا سبب جبکہ ظالموں کیلئے عذاب اور انکے خاتمے کا باعث بنتی ہے۔

چونکہ یہ نتائج طبیعت پر گراں ہیں اسلئے انسان عموماً انکی حقیقت شنائی سے گریز کرتا ہے۔لیکن حقیقت تو حقیقت ہی رہتی ہے، اس پر پردے تو ڈالے جاسکتے ہیں لیکن اسے تبدیل نہیں جاسکتا۔

<u>سب سے بڑا روگ:</u> عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ دنیاوی زندگی کی چھوٹی چھوٹی چیزوں (مال و دولت،

جائداد، اولاد) کی کمی کو زندگی موت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ حالانکہ ایمان کے بعد صحت و عافیت جیسی عظیم نعمت اگر میسر ہے تو انسان کے پاس سب کچھ ہے۔ صحت و عافیت نہیں تو سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں۔ دنیا کی سب بہاریں صحت و عافیت کے ساتھ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ سے معافی اور عافیت کا سوال کرو، کیونکہ کسی کو دولت ایمان نصیب ہو جانے کے بعد عافیت سے بہتر کوئی چیز عطا نہیں کی گئی۔'' (ترمذی، الدعوات، رقم:3558)

مصائب سے بچنے کیلئے کاوش

اللہ نے بطور امتحان بطور اصلاح مصائب تو بھیجنے ہی بھیجنے ہیں لیکن ہمیں آنکھوں دیکھے زہر پینے اور کنویں میں چھلانگ لگانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ اپنی طرف سے نقصان سے بچنے کی ہر ممکن کوشش اور دعا کرنے کا ہی حکم دیا گیا ہے۔ دنیا کی زندگی کو اللہ نے اسباب و قوانینِ طبیعہ کے تابع کیا ہے۔ زندگی گزارنے کیلئے انسان کو عقل و شعور سے نوازا گیا ہے تاکہ فائدے و نقصان کی پہچان کر سکے۔ ان قوانین طبیعہ کی پرواہ نہ کرنے یعنی رہنے سہنے، کھانے پینے..... میں صحت و زندگی کا خیال نہ رکھنے سے انسان خود اپنی صحت و زندگی کیلئے مشکلات کا باعث بن سکتا ہے۔ تقدیر تو برحق ہے مگر زندگی گزارتے ہوئے اللہ کے بنائے ہوئے قوانینِ طبیعہ کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ اس ضمن میں نبی کریم ﷺ نے انسانیت کی بڑی زبردست رہنمائی فرمائی:

''تو اپنے لئے (۱)۔ نفع بخش چیز کے لئے محنت کر اور (۲)۔ اللہ سے (دعا کے ذریعے) مدد طلب کر اور (۳)۔ عاجزی و سستی نہ کر، اور (اب) اگر تجھے کوئی نقصان پہنچے تو ایسے نہ کہو اگر میں (اسطرح اسطرح) کرتا تو اسطرح اسطرح ہوتا، بلکہ یوں کہو: اللہ نے مقدر کیا اور جو اس نے چاہا سو کیا، کیونکہ لفظ 'اگر' شیطان کا عمل کھول دیتا ہے۔'' (مسلم، کتاب القدر، رقم:6774)

معلوم ہوا تقدیر پہلے نمبر پر نہیں بلکہ چوتھے نمبر یعنی کوشش، دعا اور چاق و چوبند رہنے کے بعد برآمد ہونے والے نتائج پر ہے۔ ایسا نہیں کہ ہاتھ تک نہ ہلایا جائے اور ہر چیز کو تقدیر پر ڈال دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بیماری میں بچت کی راہیں

اصل خوش نصیب کامیاب لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے صحت و تندرستی کی حالت میں اللہ اور آخرت کو سنجیدہ لیتے

ہوئے زندگی میں نیک اعمال داخل کر لئے ہیں۔ بیماری کی وجہ سے اب اگر وہ ان اعمال کو بخوبی نہ بھی ادا کر پائیں تب بھی صحت وتندرستی جیسا اجر انہیں انشاءاللہ ملتا رہے گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب بندہ بیمار ہوتا یا سفر اختیار کرتا ہے تو اسکے لئے اسکے مثل عمل لکھ دیے جاتے ہیں جو وہ اقامت یا صحت کی حالت میں کرتا تھا۔'' (صحیح بخاری، الجہاد ولیسر:2996)

لیکن بیماری آجانے کے بعد تو اسی عمل کا اجر ہوگا جو عمل جسطرح کیا جائے گا۔ بہرکیف بیماری میں عافیت کی راہ جاننے کیلئے بات کو مزید آگے بڑھاتے ہیں۔

<u>بیماری کی نوعیت:</u> بیماری کی نوعیت دو طرح کی ہوسکتی ہے: (۱)۔ہلکی بیماری، (۲)۔جان لیوا مرض

<u>(۱)۔ہلکی بیماری:</u> ایسی بیماری جس میں دوائی یا پرہیز کے ذریعے زندگی چلتی رہے، ایسے لوگوں کیلئے عافیت کی راہ یہ کہ:

i۔ بیماری کی دوا اور دعا کے ساتھ ساتھ صبر اختیار کریں جسکا بڑا اجر ہے۔

ii۔ چونکہ زندگی چل رہی ہے، موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے فرائض واجبات کی اولین ترجیح پر ادائیگی کے ساتھ ساتھ جو جو نیک اعمال: صلہ رحمی، قربانی، صدقہ وخیرات، نوافل ومستحبات ادا کئے جاسکتے ہوں بھرپور زندگی میں شامل کر لئے جائیں۔

iii۔ اپنا موازنہ اپنے سے زیادہ مشکلات میں مبتلا لوگوں سے کیا جائے تاکہ صبر کے ساتھ ساتھ شکر کی توفیق بھی نصیب ہوتی رہے۔

<u>(۲)۔جان لیوا مرض:</u> وہ قابل ترس لوگ جو جان لیوا مہلک امراض میں مبتلا ہیں، اگر تو زندگی بیماری سے قبل اعمالِ صالحہ پر تھی تو بس صبر کرلیں خیر ہی خیر ہے جتنی بھی زندگی اس مشکل میں گزرے گی بیش بہا اجر کا باعث ہوگی۔ لیکن خدانخواستہ ایسا نہیں تھا تو اب بھی:

i۔ دنیا کو فانی اور آخرت کو ہمیشہ کا ٹھکانہ سمجھتے ہوئے سچے دل سے گڑگڑا کر اللہ سے توبہ کر لی جائے، انشاء اللہ وہ معاف فرمادے گا۔

ii۔ توبہ کے بعد ہر ممکن صبر اختیار کرتے ہوئے اللہ کے ساتھ وابستگی پیدا کی جائے، اللہ پر توکل اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کیا جائے۔ دوا کے ساتھ ساتھ مسنون دعاؤں کے ذریعے بیماری کی شفایابی کیلئے تکرار کے ساتھ (بالخصوص تہجد کے وقت) اللہ سے عرض کی جائے۔ اللہ کیلئے لاعلاج بیماریوں کو ٹھیک کرنا کچھ مشکل نہیں۔ ایسے واقعات قرآن میں کثرت سے موجود ہیں۔

iii۔ فرائض واجبات، صدقہ وخیرات، ذکر اذکار جس حد تک ممکن ہو بجالائیں، انشاء اللہ بچت کی راہ نکل آئے گی۔

یاد رکھیں: زندگی میں جب جان لیوا بڑی مشکل آئے گی تو سمجھ لگ جائے گی۔ اگر زندگی اچھی نہیں تو اس جان لیوا تکلیف پر آنے والا خوف ہی جان نکالنے کیلئے کافی ہے۔ اس وقت پہنچے والے خوف سے بچنے کی تین شرائط ہیں:

i۔ چوبیس گھنٹے کی زندگی کا مکمل طور پر اللہ کے قانون کے تابع ہونا۔

ii۔ ہر نئے آنے والے دن میں جانے کیلئے تیار ہونا۔ ہر دن کے عوض اگر اخروی تیاری مکمل ہے، کوئی چیز ادھوری (Pending) نہیں تو پھر ہی جانے کیلئے تیار ہونا ممکن ہو پائے گا۔ لیکن اگر ایسا نہیں تو پھر یہ شرط پورا ہونا ممکن نہیں۔

iii۔ قرآن فہمی کا حق ادا کرنا۔

اگر یہ تین شرائط پوری ہیں تو آپکو مبارک ہو، انشاء اللہ آپ موت کے خوف سے بھی بچ جائیں گے اور آخرت بھی اچھی ہو جائے گی۔ ابھی وقت ہے جلد از جلد اپنا محاسبہ کرتے ہوئے ان تین شرائط کو پورا کر کے اپنا بھلا کر لیں ورنہ حسرت و افسوس اور خسارے سے بچ نہ پائیں گے۔ اللہ ہمیں اسکی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

مشکل میں انسان کی حالت: خدانخواستہ جب سخت مشکل، جان لیوا بیماری آجائے تو انسان بے صبرا اور سخت مایوس ہو جاتا ہے۔ اس وقت ایمان متزلزل ہونے لگتا ہے۔ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے خیالات آنے لگتے ہیں۔

﴿ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۠ ﴾ (احزاب:33:آیت:10)

''اور (جب شدید مصیبت آئی) تو اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔''

ان حالات میں بہت چوکنے ہو کر ایمان کی حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مشکل حالات میں مایوسی سے بچتے ہوئے صبر کا دامن تھام کر اللہ سے وابستہ ہو جایا جائے۔ انشاء اللہ جو کوئی اہل ایمان مخلص اور متقی ہوگا اللہ تعالیٰ اسکی خود حفاظت فرمائیں گے۔

مشکلات کا عظیم بدلہ: چند روزہ عارضی ایام میں مشکلات پر صبر کرنے والوں کو پروردگار دنیا میں گناہوں کی معافی اور عظیم اخروی بدلہ دیں گے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

☆ ''مہاجر، فقرا روز قیامت مال داروں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوجائیں گے۔''(مسلم،الزھد،رقم:7463)

☆ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں بندے کو اسکی دو پیاری چیزوں یعنی آنکھوں سے محروم کر کے آزماؤں، پھر وہ اس پر صبر کرے تو میں اسکے بدلے میں اسے جنت دوں گا۔''(بخاری، المرضیٰ رقم:5653)

بلکہ اہل ایمان کی جانیں اور مال تو اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے(دیکھئے سورہ توبہ آیت۔۱۱۱)۔

☆ ''جو بندہ طاعون کی بیماری میں مبتلا ہوجائے اور وہ (طاعون زدہ) شہر ہی میں صبر کرتا ہوا ثواب آخرت کی نیت سے ٹھرا رہے، اسے یقین ہو کہ اسے وہی کچھ پہنچے گا جو اللہ نے اس کیلئے لکھ دیا ہے، تو ایسے شخص کیلئے شہید کی مانند اجر ہے۔''(بخاری،الطب،رقم:5734)

لہٰذا مشکلات پر ہر ممکن صبر کا دامن نہیں چھوڑنا اور نہ ہی مایوس ہونا ہے۔

مصیبت پر کرنے والے کام

جب بھی بیماری و مصیبت آجائے تو عافیت کیلئے مصیبت زدہ اور ان کے ساتھیوں کو درج ذیل کام کرنے ہوں گے:

<u>مصیبت زدہ کی ذمہ داری:</u> (۱)۔دوا کا اہتمام، (۲)۔بھر پور دعا کرنا اور دوسروں سے دعا کروانا، (۳)۔صبر اختیار کرنا، (۴)۔اللہ کے ساتھ وابستگی پیدا کرنا، اللہ پر توکل کرنا، امور کو اللہ کے سپرد کرنا۔(۵)۔صدقہ وخیرات کرنا

پہلے دو کام تو ہم کرتے ہی ہیں، لیکن دوسرے دو کام <u>صبر اور توکل وتفویض</u> نہیں کر پاتے۔اسلئے انکی بہت زیادہ فکر کرنی ہے۔جب انسان پر بڑی مشکل آجاتی ہے، اسے زندگی کی بہاریں چھوٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں، تو وہ بے صبرا، دلبرداشتہ اور مایوس ہوجاتا ہے، مگر یہ کہ اللہ کے ساتھ حقیقی تعلق موجود ہو۔

جہاں تک قرآن حکیم سے شفا کو معاملہ ہے تو اصلاً تو یہ روحانی امراض/ قلبی روگ کی شافایابی کا ذریعہ

ہے لیکن سمجھ بوجھ کے ساتھ اسکی تلاوت جسمانی مصائب سے شفایابی کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔لہٰذا قرآن کے ساتھ وابستگی پیدا کی جائے، بیماری ومصائب میں غلط طور طریقوں کو اختیار کرنے کی بجائے مسنون دعاؤں کے (ترجمہ وفہم کے) ذریعے اللہ کے ساتھ وابستگی پیدا کریں انشاءاللہ دنیا و آخرت میں عافیت نصیب ہوگی۔دعاؤں کیلئے درج ذیل کتابوں سے استفادہ کریں: ''حصن المسلم''، ''قرآن شفا ہے، اسلامک بک کمپنی''، ''اذکار مصائب اور مصیبتوں سے کیسے نمٹیں، ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب، درالنور پبلشر''۔

صبر کیسے نصیب ہو؟ ان انتہائی مشکل حالات میں صبر پانے کیلئے یہ ضروری ہے کہ:

i۔ دنیا سے ایک نہ ایک دن تو جانا ہی ہے۔غم سے نجات پانے کیلئے یہ ضروری ہے کہ جانے کیلئے تیار ہوجایا جائے۔

ii۔ اللہ کے ساتھ وابستہ ہوکر اپنے امور کو اسکی سپرد کرتے ہوئے اس پر توکل اختیار کرلیا جائے۔

iii۔ اللہ کے ناظر ہونے کے تصور کو پختہ کیا جائے کہ وہ میری حالت سے بخوبی واقف ہے۔اگر اس نے بچانا ہوا تو مجھے کوئی مار نہیں سکتا اور اگر اس نے تکلیف لکھ دی ہے تو کوئی شفا نہیں دے سکتا..... اللہ کے سامنے گر جائیں انشاءاللہ صبر وسکون نصیب ہوجائے گا۔

﴿وَ اِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ وَ اِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ فَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ o﴾ (انعام:5:آیت:17)

''اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف دینا چاہے تو اس کے سوا اسے کوئی اور دور کرنے والا نہیں اور اگر تجھے کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔''

iv۔ اپنا موازنہ اپنے سے زیادہ مشکلات والوں سے کیا جائے۔

دوست احباب کی ذمہ داری: مصیبت زدہ کے لواحقین اور دوست احباب کو چاہئے کہ:

(۱)۔تیمارداری کیلئے جائیں، (۲)۔حوصلہ ہمت بندھائیں، مرض پر صبر کی صورت میں اجر عظیم کی خوشخبری سنائیں، مریض کے پاس یہ کلمات کہیں: (لا باس طھور ان شاء اللہ)۔(پریشان نہ ہوں ایسی کوئی بات نہیں، اگر اللہ نے چاہا تو یہ مرض گناہوں کا کفارہ بن جائے گا)۔مریض کے پاس فرشتے موجود ہوتے ہیں

جولوگوں کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں۔لہٰذا اچھی دعائیں ہی دینی چاہئیں دلبرداشتہ باتوں سے گریز کرنا چاہئے۔(۳)۔مزید یہ کہ اللہ پر توکل کی تلقین کریں، (۴)۔ہر ممکن تعاون و مدد کریں،اگر کسی اچھے معالج کو جانتے ہوں تو ضرور رہنمائی کریں۔

ایسا کرنے سے انشاءاللہ شفایابی کی راہ بھی نکلے گی اور آپ پر خیر خواہی کی بدولت رب کی بڑی رحمت ہوگی۔

اس ضمن میں تفصیلی رہنمائی کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: (پریشانیوں سے نجات کا حقیقی حل)

حفظان صحت کے اصول

اللہ نے دنیا کو اسباب اور طبعی قوانین کے تابع کیا ہے۔اسلئے ان قوانین کی بہتر سمجھ بوجھ اور استعمال سے صحت کو بہتر رکھنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔اسکے لئے درج ذیل امور کا خاص خیال رکھا جائے۔

(۱)۔ متوازن غذا (Balance Diet) کھائی جائے جس میں نشاستہ، پروٹین، چکنائی، وٹامنز اور منرلز موجود ہوں۔جیسے: روٹی، گوشت، سبزی، سلاد، پھل، دودھ، انڈہ وغیرہ۔بہت زیادہ مصالحہ جات، بھُنی ہوئی فرائیڈ غذا کی بجائے سادہ غذا لی جائے۔شہد،کلونجی، جو کا دلیہ اور آبِ زمزم استعمال کیا جائے جو بہت سی لاعلاج بیماریوں کیلئے شفا کا باعث ہے۔جملہ بیماریوں سے شفا کیلئے شہد کو زندگی کا حصہ بنالیا جائے بالخصوص نہار منہ نیم گرم پانی میں ایک چمچ۔

(۲)۔بہت زیادہ پیٹ بھرنے کی بجائے کھانا ہمیشہ بھوک رکھ کر کھایا جائے۔معدے کا ایک حصہ کھانے کیلئے،ایک پانی اور ہوا کیلئے رکھا جائے۔

(۳)۔صاف پانی جو بہت زیادہ ٹھنڈا نہ ہو بلکہ نارمل یا نیم گرم (سردیوں میں) ہوا سے استعمال کیا جائے۔

(۴)۔صاف ستھری تازہ ہوا لی جائے اور صبح وشام واک اور ورزش کا اہتمام کیا جائے۔دانتوں کی صفائی کا خیال رکھا جائے۔

(۵)۔موٹاپے سے ہر ممکن بچا جائے۔

ان باتوں کا خیال رکھنے سے انشاءاللہ آپ بیماریوں دوائیوں اور ڈاکٹروں سے بہت حد تک بچے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں مہلک مشکلات سے بچا کر ایمان، عافیت اور سلامتی والی زندگی عطا فرمائے۔(آمین)

۞۞۞۞۞

18 ۔ واحد پناہ گاہ

تنہائی میں بیٹھ کر کبھی انسان سوچے کہ اس زندگی میں اگر اسے اکیلے تن تنہا زندگی بسر کرنا پڑے، جہاں نہ کوئی رشتے دار ہو، نہ پڑوسی، نہ دوست اور نہ ہی کوئی اور انسان..... تو اسکا کیا بنے گا؟ یقیناً اس صورتِ حال کا نتیجہ خوف دہشت اور ہلاکت و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔ بلکہ یہ تصور ہی ہلاک کرنے کیلئے کافی ہے۔

<u>یاد رکھیں!</u> تو پھر یاد رکھیں مرنے کے بعد یہ وقت آنے والا ہے۔ دنیا کے چند روزہ امتحان کیلئے دنیا میں والدین، بہن بھائی، عزیز و اقارب اور دوست احباب کے یہ عارضی سہارے بنائے گئے تھے تاکہ منزل پر پہنچنے سے پہلے اس امتحانی وقفہ کو پورا کیا جاسکے۔ فکر کریں اس وقت کی جب کوئی سہارہ باقی نہ رہے سوائے اللہ وحدہ لاشریک کے، اس وقت کے آنے سے قبل اس واحد سہارے سے تعلق بنالیں۔

<u>غور کیا جائے!</u> اگر غور کیا جائے تو ان دنیوی عارضی سہاروں کی حقیقت بھی دنیا میں ہی سمجھ آجاتی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دنیا کے مختلف ادوار میں یہ عارضی سہارے ساتھ چھوڑتے جاتے ہیں۔ انسان جب بچا ہوتا ہے تو اسے اپنی بقا کیلئے والدین کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے لہٰذا اسکی الفت سب سے زیادہ والدین سے ہوتی ہے۔ تھوڑا بڑا ہوتا ہے تو والدین کے ساتھ ساتھ کچھ محبت بہن بھائیوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ جب جوان ہوتا ہے تو اسے اپنا مفاد زیادہ عزیز ہو جاتا ہے، شادی کے بعد اسکی ساری توجہ بیوی کی طرف، بچے ہونے کے بعد بیوی اور بچوں کی طرف، اب تو اسے اپنے خاندان کی فکر پڑ جاتی ہے۔ اب والدین اور بہن بھائیوں کے ساتھ اسکا رشتہ رسمی سا رہ جاتا ہے، بلکہ والدین کی زندگی میں ہی اولاد کی نظریں وراثت پر لگ جاتی ہیں۔ الا ماشاء اللہ اگر دین کے ساتھ تعلق نہ ہو تو والدین اور بہن بھائیوں کو تو اکثریت ویسے ہی بھول جاتی ہے، جیسا کہ مغرب میں لوگ بوڑھے والدین کو موت تک 'Old Houses' کے حوالے کر کے آزاد ہو جاتے ہیں۔ جب والدین اور بہن بھائیوں کے حوالے سے یہ صورتِ حال ہے تو باقی رشتہ داری کی بابت کیا کہنے؟ اسی طرح جب دنیادار انسان کے بچے جوان ہوتے ہیں تو وہ بھی ماں باپ کو بوجھ خیال کرتے ہوئے ان سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔

<u>بالآخر:</u> بالآخر موت آکر کام تمام کر دیتی ہے۔ موت پر لوگ رو بھی رہے ہوتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ فکر

بھی لاحق ہوتی ہے کہ جلد از جلد اسے قبر کے حوالے کر کے بوجھ اتار دیا جائے۔ چنانچہ بے حد محبت کرنے والے عزیز و اقارب بھی ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر اسے کفن پہنا کر قبر کے حوالے کر کے بوجھ اتار آتے ہیں۔ اب قریبی رشتہ دار بھی ہفتہ دو ہفتہ میں معمول کی زندگی پر آ جاتے ہیں۔ چند ماہ یا سال گزرنے کے بعد مرنے والا ایک افسانہ بن جاتا ہے، اور کچھ ہی سالوں بعد اسکا خیال بلکہ نام تک بھی لوگوں کو بھول جاتا ہے۔ ساٹھ ستر سال بعد قبر کا نشان بھی ختم ہو جاتا ہے اور اسی جگہ نئے مردے دفن کر دیے جاتے ہیں۔ یہ ہے انسان کی کل کہانی جس نے دنیا اور لوگوں کی خاطر آخرت کی ہمیشہ کی زندگی داؤ پر لگائی، جو دنیا کی خاطر جیا اور مرا۔

<u>بات ختم نہیں ہوئی:</u> اگر تو موت کے بعد مٹی کے حوالے کر کے بات ختم ہو جاتی، انسان گل سڑ کر مٹی اور کیڑے مکوڑوں کی غذا بن جاتا تو کوئی پریشانی نہ تھی۔ لیکن اصل کہانی تو اب شروع ہوئی ہے۔ دنیا کی زندگی تو بہت قلیل اور حقیر امتحانی وقفہ تھا۔ جسکا نتیجہ موت کے بعد نئی زندگی کے ساتھ ہمیشہ کی زندگی میں نکلنا تھا۔ زندگی سمیت جو جو نعمتیں اور صلاحیتیں دنیا میں دی گئیں تھیں اب ان کا حساب لیا جائے گا کہ انہیں کیسے استعمال کیا.....؟

﴿ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝﴾ (التکاثر:8:102)

''پھر اس دن تم سے ضرور بالضرور نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا''

<u>سب ساتھ چھوڑ گئے:</u> مٹی کے حوالے کرنے کے بعد اب تو سب عارضی سہارے ساتھ چھوڑ گئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تین چیزیں میت کے پیچھے جاتی ہیں (۱) اس کے گھر والے (۲) اس کا مال (۳) اس کا عمل، چنانچہ دو چیزیں واپس آ جاتی ہیں اور ایک (اس کے ساتھ) چلی جاتی ہے۔ اس کے گھر والے اور اس کا مال واپس آ جاتے ہیں اور اس کا عمل (اس کے ساتھ) باقی رہ جاتا ہے''۔

(بخاری کتاب الرقاق:6514)

یہ ہے دنیا کی حقیقت، جن کے لئے زندگی بھر تگ و دو کی تھی وہ سب مٹی کے حوالے کر کے واپس آ گئے۔ اب انسان کے ساتھ صرف اس کے عمل نے جانا ہے۔ پھر جب قبروں سے اٹھایا جائے گا تو بھائی بھائی سے، ماں بیٹے سے اور بیٹا ماں سے..... بھاگے گا، سب رشتے داریاں ٹوٹ جائیں گی:

﴿ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَآ أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُونَ ۝﴾

''پھر جب صور پھونکا جائے گا تو نہ تو ان میں رشتے داریاں رہیں گی اور نہ ہی لوگ ایک دوسرے کو پوچھیں گے'' (المومنون:23:101)

کاش ہمیں یہ بات دنیا میں ہی سمجھ آ جائے۔

اب تو مکمل طور پر انسان اللہ کے حوالے ہو گیا، بروز قیامت اللہ کے سوا کوئی پناہ گاہ نہ ہوگی:

﴿يَقُولُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ ۝ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ۝ يُنَبَّأُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ۝ بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۝ وَّلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ۝﴾ (القیامہ:75:10-14)

''کہے گا اس دن انسان ہے کوئی جائے پناہ، ہرگز نہیں ہے کوئی جائے پناہ، (اب تو) اپنے رب کے سامنے ہی ٹھہرنا ہوگا، بتا دیا جائے گا اس دن انسان کو اسکا اگلا پچھلا کیا کرایا، بلکہ خود ہی انسان اپنے اوپر آپ خود حجت ہے اگر چہ کتنی ہی پیش کرے معذرتیں۔''

اس دن اپنے کیے کرائے کی خود ہی بہت اچھی طرح سمجھ آ جائے گی۔ ذرا سوچیے اس وقت کے بارے میں کہ کیا حالت ہوگی اللہ سے غافل رہنے والوں کی؟ دنیا میں اگر اللہ کو یاد رکھا تھا، قرآنی تعلیمات کے ساتھ وابستگی تھی، شرک سے دور رہا تھا، اللہ کے پیارے رسول ﷺ کے اسوہ مبارک کو اپنایا تھا، زندگی کو اعمال صالحہ سے مزین کیا تھا تو خیر ہی خیر لیکن خدانخواستہ معاملہ اگر اسکے برعکس تھا تو ہوگی ابدی تباہی ہی تباہی۔

نوٹ: شفاعت برحق ہے لیکن یاد رہے شفاعت اسی کی ہوگی جس نے اللہ و رسول ﷺ کی تعلیمات کو ملحوظ رکھا ہوگا اور شفاعت کا اذن صرف اسی کے حق میں ہوگا جس پر اللہ راضی ہوں گے:

﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۝﴾

''اس دن سفارش کچھ کام نہ آئے گی مگر جسے رحمٰن اجازت دے اور اس کی بات کو پسند (بھی) فرمائے۔'' (طٰہٰ:159)

﴿ قُلْ لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا﴾ (الزمر۔آیت:44)

''اے نبی! فرما دیجیے کہ ساری کی ساری شفاعت اللہ جل جلالہ ہی کے اختیار میں ہے۔''

توحید ورسالت کے یقین کی پختگی کیلئے سورہ فاتحہ کو نماز کی ہر رکعت کا لازمی جزو بنایا گیا ہے، جس میں ہم ہر رکعت میں دن میں پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ سے پختہ اقرار کرتے ہیں:

﴿مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ۝﴾ (الفاتحہ:3:1)

''وہ (اللہ) مالکِ (مطلق) ہے بدلے کے دن کا۔''

اگرچہ اکثریت کو اس اقرار کا کوئی لحاظ نہیں۔

تفصیل کیلئے دیکھیے ہماری کتاب: [''صراطِ مستقیم کی حقیقت اور جنت کا راستہ''، باب۔۸: شرک فی الصفات]

<u>چٹھا کٹھا کھول دیا جائے گا:</u> زندگی بھر کے امتحانی وقفہ میں جو کچھ بھی کیا ہوگا سارا چٹھا کٹھا کھول دیا جائے گا، ہماری اپنی لکھی ہوئی کتاب ہمارے سامنے کھول کر رکھ دی جائے گی:

﴿وَ وُضِعَ الۡکِتٰبُ فَتَرَی الۡمُجۡرِمِیۡنَ مُشۡفِقِیۡنَ مِمَّا فِیۡهِ وَ یَقُوۡلُوۡنَ یٰوَیۡلَتَنَا مَالِ هٰذَا الۡکِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیۡرَةً وَّ لَا کَبِیۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰىهَا وَ وَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا وَ لَا یَظۡلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا۝﴾ (الکھف:49:18)

''اور (عملوں کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی تو تم گنہگاروں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہوگا اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے ہائے شامت یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ کسی چھوٹی بات کو چھوڑا اور نہ بڑی کو مگر اسے لکھ رکھا ہے اور جو عمل بھی کیے ہوں گے ان سب کو حاضر پائیں گے، اور تمھارا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔''

نہ صرف یہ کہ ہماری کتابِ اعمال ہمیں پکڑائی جائے گی بلکہ خالق کے روبرو پیش کر کے کہا جائے گا:

﴿اِقۡرَاۡ کِتٰبَکَ کَفٰی بِنَفۡسِکَ الۡیَوۡمَ عَلَیۡکَ حَسِیۡبًا۝﴾ (بنی اسرائیل:14:17)

''پڑھ اپنی کتاب آج تو اپنا حساب لگانے کیلئے خود ہی کافی ہے''

کیا ہمیں آج یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں کہ ہم اپنی کتاب کے صفحات پر کیا لکھ رہے ہیں.....؟ اس دن کی پریشانی سے بچنے کیلئے کیا آج ہمیں فکر کی ضرورت نہیں...؟ اس دن جب اللہ کے سوا کوئی اور سہارہ نہ ہوگا تو کیا آج ہمیں اس واحد سہارے کے ساتھ لو لگانے کی ضرورت نہیں؟

<u>بھلا دیا جائے گا:</u> وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے احکامات سے غفلت اختیار کی، خواہشاتِ نفس کی تکمیل کو ہی

زندگی سمجھتے رہے اور اسی پر اتراتے رہے، بروز قیامت اللہ کے واحد سہارے سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ جس طرح دنیا میں انہوں نے اللہ کو بھلایا تھا اللہ بھی بروز قیامت ان کی بات نہیں سنیں گے:

﴿الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا﴾ (الاعراف:51:7)

''جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا اور ڈال رکھا تھا دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں۔ تو جس طرح یہ لوگ اس دن کی ملاقات کو بھولے رہے، آج ہم بھی انہیں نظر انداز کر دیں گے''

دین تو اسلئے ہے کہ اسے سنجیدگی سے اختیار کر کے دوزخ کے گڑھے سے بچا جائے نہ کہ اسے ہنسی مذاق بنایا جائے اور کھیل تماشے کی طرح غیر اہم سمجھا جائے۔ جو لوگ بھی دین کو غیر سنجیدہ لیں گے وہ دنیا کی زندگی کے دھوکے کی لپیٹ میں آ جائیں گے۔ دنیا کا دھوکہ یہ ہے کہ: ہر وقت دنیا کی فکر مسلط رہے، دنیا کا فائدہ ونقصان تو پیش نظر رہے لیکن آخرت کا نہ رہے، دنیا کے لئے تو سنجیدہ ہوں لیکن آخرت کی فکر نہ ہو، کھانے پینے اور عیش وعشرت کو ہی مقصود بنا لیا جائے، زندگی تو نظر آئے لیکن مرنے کو بھول جائے۔ ہم سب اپنا محاسبہ کر لیں کہ کتنے ہیں جنہوں نے دین کو سنجیدہ لیا ہوا ہے؟ مرنا یاد ہے؟ دین اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دی ہوئی ہے.....؟

ذرا سوچیں اس وقت کو جب: وہ ذات جس سے سب کچھ ملنا ہے، وہ واحد سہارہ جس کے ذریعے دوزخ کی ہولناکی سے نجات ملنی ہے، وہ اگر آپ کی طرف دیکھنے اور بات سننے کیلئے تیار نہ ہو تو کیا بنے گا، اس وقت انسان کی حسرت کا کیا عالم ہوگا.....؟

<u>حسرت وآرزو:</u> اور ناکام ہونے والے بدنصیبوں کی حسرت وآرزو کی صورتِ حال یوں ہوگی:

﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ o﴾ (الحجر:2:15)

''وہ وقت جب انکار کرنے والے آرزو کریں گے کہ اے کاش وہ سرِ تسلیم خم کرنے والے ہوتے''

﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِo﴾

(آل عمران:30:3)

''جس دن ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی کی ہوئی برائیوں کو موجود پالے گا تو آرزو کرے گا کہ اے کاش! اسکے اور اسکی برائیوں کے مابین بہت ہی دوری ہو جائے، اور اللہ تمھیں اپنی ذات (یعنی قانون) سے ڈرا رہا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔''

وہاں پچھتانے کی بجائے آج آگ سے ڈرتے ہوئے اللہ کی طرف رجوع کی ضرورت ہے، وہ تو قبول کرنے کیلئے تیار ہے۔

﴿ وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰی لَهُ الذِّكْرٰی o یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیo﴾ (الفجر:23-24)

''اور لائی جائے گی اس دن (سب کے سامنے) جہنم، اس دن سمجھ آجائے گی انسان کو (سب) مگر اب کیا حاصل اسکے سمجھنے کا! اس دن کہے گا ہائے کاش آگے بھیجے ہوتے میں نے (نیک اعمال) اس زندگی کیلئے''

دنیا میں تو نعمتوں اور سہولیات میں کمی انسان سے برداشت نہیں ہوتی تو اس حسرت کا عالم کیا ہوگا جب نہ صرف ابدی عظیم ترین نعمتیں چھن جائیں بلکہ ابدی دوزخ کا ہولناک عذاب مسلط ہو جائے۔ لیکن اس وقت پچھتائے کیا ہاتھ جب چڑیاں چگ گئیں کھیت.....! ابھی تو ہم زندہ ہیں، آج ہمارے پاس وقت ہے، صحت ہے تو پھر آخر کیوں ہم فائدے کی راہ کو اپنا نہیں لیتے.....؟ کوئی صاحب عقل بھی ہو اور آخرت سے غافل بھی ہو..... سمجھ سے باہر ہے۔

یاد رکھیں! انسان کا حقیقی معنوں میں اصلاً اللہ کے سوا کوئی دوست اور خیر خواہ نہیں۔ انسان، فرشتے، جمادات وحیوانات..... سب اسی کے حکم کے تابع ہیں۔ کوئی سبب کارآمد نہیں ہو پاتا جب تک اللہ اسے کسی کیلئے موافق نہ کر دیں۔ اگر خیر چاہیے تو اللہ سے دوستی لگا لیں، سب دوستیاں اللہ کی دوستی کے تابع کرلیں، اسی پر حتمی بھروسہ کرلیں، کوئی اس سے بہتر کارساز نہیں:

﴿وَّ تَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلاًo﴾ (احزاب:3:33)

''اور بھروسہ رکھو اللہ پر اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔''

﴿وَ كَفٰی بِاللّٰهِ وَلِیًّا وَّ كَفٰی بِاللّٰهِ نَصِیْرًا o﴾ (النساء:45:4)

''اور اللہ ہی کافی کارساز ہے اور کافی مددگار۔''

جوکوئی بھی شیطان اور اللہ کے دشمنوں سے منہ موڑتے ہوئے اللہ پر پختہ یقین اور ایمان لے آیا تو اسکا ہاتھ ایسے مظبوط کنڈے کو ڈل گیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں:

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ (البقرہ:256:2)

''جس نے کفر کیا طاغوت کے ساتھ اور ایمان لایا اللہ کے ساتھ وہی ہے جس نے مضبوط ترین سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سننے جاننے والا ہے۔''

<u>سرِ تسلیم خم ہو جائے گا:</u> آج تو انسان راہ راست پر آنے کیلئے تیار نہیں لیکن جان کنی کے وقت اللہ کے بھیجے ہوئے قاصدوں کو دیکھتے ہی رام ہو جائے گا:

﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝﴾ (النحل:16:28-29)

''وہ لوگ جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے، فرشتے جب انکی روح نکالنے لگتے ہیں، تو اس وقت وہ فوراً سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اور (کہتے ہیں) کہ ہم برائی نہیں کرتے تھے، کیوں نہیں اللہ خوب جانتا ہے اس کو جو تم کرتے رہے، پس اب تو تم داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ رہنے کیلئے، پس کیا ہی برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا۔''

جب ہم اللہ کے سامنے اتنے ہی بے بس ہیں، جان کو روک نہیں سکتے، پھر مر کر جانا بھی اسی کے پاس ہے تو پھر اسکی مکمل فرمانبرداری اختیار کیوں نہیں کر لیتے.....؟

محترم دوستو! نفسانی، شیطانی اور دنیوی فریب اور حجاب کے متعلق اللہ کی آیات اور حقائق سے آپکی بہتری کیلئے بات کھول کر بیان کر دی گئی ہے، اللہ ہی آپکا واحد حقیقی دوست، سہارہ اور پناہ گاہ ہے اسکے ساتھ تعلق بنا لیں ان شاء اللہ دنیا و آخرت بن جائے گی۔ اللہ ہمیں کما حقہ بات کو سمجھنے، یاد رکھنے اور عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

۞۞۞۞۞

19۔ اللہ کا یقین

تحریر کا مقصد: انسان کو بہت عظیم مقصد کیلئے پیدا کیا گیا ہے لیکن خالق پر کمزور یقین اور ایمان کی وجہ سے انسان اس عظیم مقصد سے ہٹ گیا ہے۔اس تحریر کا مقصد اللہ کی ذات پر یقین کے حوالے سے یقینی دلائل اور شواہد کو آسان اور عام فہم انداز میں اختصار سے بیان کرنا ہے تا کہ بات کو سمجھنا آسان ہو جائے، اللہ کی ذات پر یقین کامل حاصل ہو جائے ،شک کی گنجائش نہ رہے اور انسانیت اپنے خالق کی طرف رخ کر لے۔ یہ تحریر انشاء اللہ اہلِ ایمان کے ایمان کی مضبوطی اور غیر مسلم کو ایمان کی دولت سے نوازنے کا باعث بنے گی۔ تفصیلی مطالعہ کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: ’کائنات سے خالق کائنات تک‘۔

ماننے اور نہ ماننے کا معاملہ: مطالعہ سے قبل یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ بات کو تسلیم کرنے اور نہ کرنے کا معاملہ یہ ہے کہ: جس نے بات تسلیم کرنی ہو اسکے لئے ایک آدھی پختہ دلیل بھی کافی ہوتی ہے اور جس نے بات نہ ماننے کا فیصلہ کر لیا ہو اسکو چاہے ہزار دلیلیں بھی پیش کر دی جائیں وہ انکی غلط تاویل کرتا جاتا ہے۔اللہ ہمیں فطرت سلیمہ کے ساتھ حق بات کو سمجھنے اور تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

ضابطہ ناکارگی (Law of Entropy)

سب سے پہلے ضابطہ ناکارگی کا قانون سمجھ لیجئے۔اس قانون کو سمجھنے کے لیے ایک عام فہم مثال سے مدد لیتے ہیں، ،مثال کے طور پر ایک ٹرے میں کچھ بال سفید، کچھ سرخ، کچھ نیلے، کچھ سیاہ وغیرہ علیحدہ علیحدہ رکھ کر ٹرے کو ہلایا جائے تو مختلف رنگوں کے یہ بال آپس میں مکس (Mix) ہونا شروع ہو جائیں گے، جتنا زیادہ ہلائیں گے اتنا زیادہ آپس میں مل جائیں گے اور یہ ممکن نہیں کہ ہلاتے رہنے سے ہر رنگ کے بال ابتدائی حالت کی طرح علیحدہ علیحدہ ہو جائیں۔اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی ناکارگی بڑھ رہی ہے۔ یہ فطرت کا قانون ہے کہ نارکارگی ہمیشہ یا تو مسلسل بڑھتی رہتی ہے یا کم از کم مستقل یعنی کسی خاص حالت میں رہتی ہے یہ خود بخود کم نہیں ہوتی یعنی اسے الٹا نہیں چلایا جا سکتا۔اسے کم کرنے کی واحد صورت یہ ہے کہ کوئی بیرونی قوت مداخلت کرے یعنی باہر سے کوئی ہاتھ ڈال کر پھر سے مختلف رنگوں کے بال چن کر علیحدہ علیحدہ رکھ دے۔اب اس تصدیق شدہ حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے کائنات پر غور کریں تو آپ اپنے اللہ تک خود بخود پہنچ جائیں

گے۔انسان سمیت دیگر مخلوقات اور اجناس کا باضابطہ بننے کیلئے کیا کسی بیرونی لامحدود طاقت کے عمل دخل کی ضرورت نہیں.....؟

اللہ کی نشانیاں انسان کے وجود میں

گہرائی: آغاز میں ہی یہ بات ذہن نشین رہے کہ انسان سمیت کائنات اتنی پیچیدہ (Complex) ہے کہ کسی حقیر سے حقیر چیز جیسے خلیہ (Cell) یا ایٹم کے اندر ہی اتنی گہرائی ہے کہ اسکے بیان کیلئے کتابیں بھر جائیں۔ہم تو یہاں انتہائی اختصار سے عام فہم موٹی موٹی چند باتیں پیش کریں گے جو خالق پر یقینی ایمان کا باعث ثابت ہو جائیں۔آئیں خالقِ کائنات کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اپنے بارے میں تھوڑا سا غور وفکر کرلیں جیسا کہ خالق نے فرمایا:

﴿وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ، وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾

(الذاریات:51،آیت:21-20)

''اور یقین والوں کے لئے تو زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی،تو کیا تم دیکھتے نہیں؟ ''

سوچنے کی بات: شعور حاصل ہونے کے بعد ایک عقلمند انسان کے ذہن میں پہلا بنیادی سوال یہی اٹھتا ہے کہ میرا اپنا وجود کہاں سے آیا ہے؟انسان سادہ سے لے کر پیچیدہ ترین چیزیں اپنے ہاتھوں سے بنا رہا ہے جن میں کسی حقیر سی شے کاغذ کے پرزے تک کے خود بخود بننے کو کوئی بھی عقل مند شخص تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ لیکن جب ہم اپنے جسم کو دیکھتے ہیں تو ہم دھوکہ کھا جاتے ہیں کہ اسے بننے کے لیے کسی خالق کی ضرورت نہیں تھی؟ یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ جس مادے سے ہمارا جسم بنا وہ پہلے سے ماں کے پیٹ میں موجود تھا اور وہ بغیر کسی عمل دخل اور ڈیزائن کے خود بخود بازوں،ہاتھوں،انگلیوں،گردن،ہڈیوں،آنکھوں.....پاؤں ، ٹانگوں ، جبڑوں وغیرہ میں تبدیل ہو کر انسان کی مطلوبہ شکل میں ظاہر ہو گیا ہے ۔ کیا ایسا ممکن ہے.....؟ کوئی عقلمند انسان اس بات کو تسلیم کرسکتا ہے.....؟ فرض کریں کسی ایک ماں کے پیٹ میں مادے نے اپنے آپ کو ہمارے جسم میں تبدیل کرلیا (جو کہ ناممکن ہے) تو باقی کروڑوں انسان جو دنیا میں آئے اور مسلسل آرہے ہیں ان سب کے خود بخود انسان بن کر دنیا میں آنے کی توجیہ کس قانون اور قاعدے سے کی جاسکتی ہے.....؟

اگر کوئی ہمیں یہ کہے کہ ایک کاغذ، قلم، پنسل، رسی..... وغیرہ بغیر کسی کے بنائے خود بخود ہی بن گئی ہے تو کیا ہم مان جائیں گے؟ پھر اگر کوئی کہے کہ ہوا کا جھکڑ چلنے سے کوڑا کرکٹ اکٹھا ہوا جس سے جہاز بن کر اڑنے لگا..... تو آپ کہیں گے اسکا دماغ چل گیا ہے اسے پاگل خانے میں داخل کروا دیا جائے۔تو کیا انسان کا وجود ایک کاغذ، قلم، پنسل یا رسی سے بھی زیادہ حقیر اور بے معنی ہے کہ اسے بنانے کیلئے کسی کی ضرورت نہیں.....؟ کیا انکار محض اس وجہ سے کہ ہمیں بنانے والا کوئی نظر نہیں آتا.....؟ خالق نے ناقدر انسان سے سوال کیا ہے:

﴿نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ﴾ (الواقعہ:56،آیت:57)

''ہم نے ہی تم سب کو پیدا کیا ہے پھر تم (اس حقیقت کی) تصدیق کیوں نہیں کرتے؟''

اس تمہیدی گفتگو کے بعد اب ہم اپنے وجود کے کچھ اعضا میں اللہ کی واضح نشانیوں کے حوالے سے سرسری سا غور وفکر کرتے ہیں:

دل (Heart): دل کی دھڑکن کا نام زندگی ہے۔ یہ رک جائے تو زندگی رک جائے۔اسلئے سوتے جاگتے یہ مسلسل دھڑکے جا رہا ہے۔ نہ تھکتا ہے، نہ تھمتا ہے، نہ آرام کرتا ہے۔ یہ پمپ کی طرح کام کرتے ہوئے صاف خون پورے جسم کو پریشر سے پہنچاتا اور جسم میں استعمال شدہ خون کو واپس لیتا ہے اور اُسے صاف کر کے آکسیجن کی آمیزش سے دوبارہ پورے جسم کے ہر خلیہ تک پہنچاتا ہے۔ دونوں قسم کے خون دل کے اندر ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ضرورت کے مطابق دل کے تمام والوز (Valves) کھلتے اور بند ہوتے ہیں۔ کیا اس دل کو مذکورہ کام کے مطابق کسی نے ڈیزائن (Design) نہ کیا ہوگا؟ کیا گوشت خود بخود دل کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہوگا؟ اس نازک چیز کو بڑی حفاظت سے سینے کی مضبوط ہڈیوں کے جال کے اندر ایسی جگہ رکھا گیا ہے۔انسان چاہے دوڑے، لیٹے، گرے، اسے کوئی چوٹ آئے، ان حادثات کا اثر آسانی سے دِل تک نہیں پہنچتا۔ کیا اسے اتنی محفوظ جگہ رکھنے کی کسی نے منصوبہ بندی نہ کی ہوگی؟ اسے اللہ رب العزت نے بنایا ہے اور انتہائی محفوظ جگہ بسایا اور چلایا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ (سورہ الملک:67 :آیت:23)

''فرما دیجئے کہ وہی (اللہ تو) ہے جس نے تمھیں پیدا کیا اور تمھارے کان آنکھیں اور دل

بنائے، (اسکے باوجود بھی) تم بہت کم شکر کرتے ہو"

بال (Hairs): اللہ تعالیٰ نے چہرے کی خوبصورتی اور دماغ کی حفاظت کے لئے بال عطا فرمائے۔ گوشت سے باریک دھاگوں کی مانند گھاس جیسے بالوں کا نکلنا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نشانی ہے۔ وہ اللہ ہے جس نے گوشت کو بالوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ چہرے پر موجود ڈاڑھی اور مونچھوں کے بال تو بڑھتے ہیں لیکن پلکوں بھنوؤں اور جسم کے بال خاص مقدار کے بعد روک دیئے گئے ہیں۔ اگر پلکوں اور بھنوؤں کے بال بھی مسلسل بڑھتے رہتے تو دیکھنے میں خاصی دشواری آتی اور نازک آنکھ بہت زیادہ متاثر ہوتی بلکہ زخمی ہوتی رہتی اور ہمیں ہر وقت انہیں کاٹنے کی فکر پڑی رہتی۔ کیا ان بالوں نے خود فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم نہیں بڑھیں گے جبکہ ڈاڑھی اور مونچھوں کے بال بڑھتے رہیں گے؟۔ اسی طرح عورت کا چہرہ بھی گوشت سے بنا ہے لیکن اس کی ٹھوڑی اور مونچھوں پر بال نہیں۔ اگر یہ سب کچھ خود بخود ہی ہو رہا تو مرد کی طرح عورت کے چہرے پر بھی بال خود بخود کیوں نہیں اُگ آئے؟

دانت (Teeth): دانتوں میں اللہ تعالیٰ کی بہت نشانیاں ہیں۔ دانتوں کا جبڑوں سے نکل کر بڑھنا پھر ایک خاص لمبائی پر آ کر رک جانا، اللہ جل جلالہ کی نشانی ہے۔ اگر یہ بڑھتے ہی رہتے تو ہماری زندگی عذاب بن جاتی۔ کیا ان کو ہم نے روکا ہے؟ پھر ان کی ساخت پر غور کریں، کسی بھی چیز کو کھانے کے لئے پہلے کاٹنے کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سامنے والے دانت تیز اور نوکیلے بنائے تاکہ ہم خوراک کو آسانی سے کاٹ سکیں اور پچھلے دانت چوڑے بنائے تاکہ خوراک کو پیسا جا سکے۔ کیا یہ سب کچھ ہم نے اپنی مرضی سے کیا ہے؟ ہرگز نہیں اللہ جل جلالہ تک پہنچنے کے لئے تو ہمارے دانت ہی کافی ہیں جو زبان حال سے اپنے خالق کی صنعت گری کا اعلان کر رہے ہیں۔ کاش ہم ان دانتوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے خالق کو بھی یاد رکھیں اور اس کا شکر ادا کریں۔ کیا منہ کا گوشت خود بخود دانتوں میں تبدیل ہو گیا ہے؟ دانتوں کے مادے (Material) پر غور کریں: اگر یہ نرم ہوتا تو غذا کو چبا نہ سکتا اور لوہے کی طرح سخت ہوتا تو ہماری زبان کو کاٹ دیتا۔ خالق نے ایسے مادے کا انتخاب کیا ہے جو مذکورہ کام کے لئے موزوں ترین تھا۔ عقل والوں کے لئے دانتوں میں قدرت کی بالکل واضح نشانیاں ہیں۔

زبان (Tongue): زبان بہت ہی کامل نظام کا ایک حصہ ہے۔ جسے بہت مہارت سے ڈیزائن کیا گیا ہے۔ اس گوشت میں ذائقہ (Taste) کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے۔ بولنے کے دوران اور کھانا

کھاتے ہوئے یہ خود بخود (Automatically) بڑی تیزی سے تیز اور مضبوط دانتوں کے درمیان چلتی ہے لیکن دانتوں کے نیچے نہیں آتی۔ ضرورت کے مطابق غذا پر پانی (لعاب) چھڑکتی ہے تاکہ کھانا حلق میں نہ پھنس جائے اور کھانے کو دانتوں پر ادھر اُدھر حرکت دیتی ہے تاکہ لقمہ پیسا جا سکے۔ اسے ضرورت کے مطابق ایسے موزوں ترین مادے (Material) سے بنایا گیا ہے جو نرم اور لچکدار ہونے کے باوجود اتنی آسانی سے زخمی نہیں ہوتا۔ کیا یہ قدرت کی کاریگری کی بہت بڑی دلیل نہیں؟ اگر ہمیں خود اسے دانتوں سے بچانا پڑے تو شاید ہمارے لئے ایک لقمہ کھانا بھی مشکل ہو جائے۔ کیا گفتگو کرتے ہوئے اور کھانا کھاتے ہوئے کبھی ہم نے اللہ جل جلالہ کی اس نعمت کے بارے میں سوچا؟

<u>سانس لینا (Breathing):</u> سانس لینے کے نظام میں اللہ کی بہت بڑی اور واضح نشانیاں موجود ہیں۔ ہم زندہ رہنے میں سب سے زیادہ محتاج سانس اور ہوا کے ہیں۔ اسلئے سانس کیلئے دو راستے منہ اور ناک کے ذریعے بنائے گئے ہیں۔ ناک کے اندر سخت ہڈی کے ذریعے دو غار بنا دیئے گئے ہیں تاکہ سانس کا راستہ ہر وقت کھلا رہے۔ 'سانس کی نالی' قدرت کی ایسی واضح نشانی ہے جو شک کا مکمل خاتمہ کرتے ہوئے فوراً اہل بصیرت کو رب تک پہنچا دیتی ہے۔ چونکہ ہماری زندگی کے لئے ہوا کی مسلسل فراہمی انتہائی ناگزیر ہے، اس لئے یہ نالی اتنی سخت ہونی چاہیے تھی تاکہ اس کی دیواریں باہم مل کر ہوا کے رستے کو بند نہ کر سکیں۔ اس بنیادی ضرورت کو پورا کرتے ہوئے اگر اسے لوہے کی طرح سخت مادے (Material) سے بنایا جاتا تو ہماری گردن سیدھی اکڑی رہتی ہم اسے دائیں بائیں، اوپر نیچے موڑ نہ سکتے اور اگر اسے نرم بنایا جاتا تو گردن موڑتے ہوئے یہ نالی بند ہو جاتی اور ہماری زندگی تمام ہو جاتی۔ قربان جائیں اللہ تعالیٰ کی بہترین صنعت گری پر جس نے اس نالی کو بہت مہارت سے اس طرح ڈیزائن کیا کہ مذکورہ دونوں ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ لچکدار کری ہڈی کے قطعات کو گوشت سے جوڑا تاکہ گردن کی حرکت بھی آسانی سے ہو سکے اور مادہ ایسا استعمال کیا جو لچک کی وجہ سے بند بھی ہو تو فوراً خود بخود کھل جائے۔

محترم ساتھیو! اتنی واضح نشانی دیکھنے کے بعد بھی کیا اللہ تبارک وتعالیٰ پر شک کی گنجائش باقی ہے؟ کیا اس سانس کی نالی کو بنانے میں انسان کا کوئی عمل دخل ہے؟ یہ سانس جو خود بخود آ رہے ہیں، اگر ہمیں خود سانس لینا پڑ جائے تو شاید ہم ایک دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکیں۔

آنکھیں (Eyes): ہم اپنی آنکھوں کو روزانہ تقریباً ۱۲۰۰۰ دفعہ جھپکتے ہیں۔ آنکھوں کی تفصیل میں جانے کی بجائے اپنے آپ سے صرف یہی سوال کرلیں کہ کیا انسانی گوشت کے اندر اتنی پیچیدہ چیز جو عام گوشت سے بالکل مختلف ہو، جس میں شیشے کی طرح کا عدسہ ہو، جس کی پُتلیاں خود بخود دکھلتی اور بند ہوتی ہوں، پتلیوں کی حرکت کے لئے خاص قسم کے مائع کا اخراج ہوتا ہے کہ پتلیاں رگڑ سے بچ سکیں، اگر یہ مائع زیادہ مقدار میں خارج ہو تو آنکھ سے ہر وقت پانی بہتا رہے اور ہمیں ہر وقت اسے صاف کرنا پڑے اور اگر ضرورت سے کم مقدار میں خارج ہو تو آپ کی آنکھ کی پتلیاں حرکت نہ کرسکیں اور آنکھ اکڑ جائے۔ پھر آنکھوں کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے انہیں محفوظ جگہ ہڈی کے گڑھوں میں رکھا تاکہ چوٹ کی صورت میں ضائع ہونے سے بچ سکیں۔ اگر یہ گڑھوں میں نہ رکھی جاتیں تو پیدائش کے بعد بہت جلد ہم آنکھوں سے محروم ہوجاتے۔ کیا ان عوامل کو آپ خود کنٹرول کررہے ہیں؟ آنکھ کی پتلیوں کو اگر آپ کو خود حرکت دینا پڑے تو آپ کا کیا حال ہوگا؟ اگر ہم ان چیزوں پر خود سے قادر نہیں تو یہ گمان کیسے کیا جاسکتا ہے کہ یہ سب کچھ خود بخود ہورہا ہے۔ عینک کے شیشوں پر تو ہمیں پورا یقین ہے کہ وہ خود نہیں بنے بلکہ کسی مشین میں بنے ہیں لیکن ان سے کئی گنا بہتر اور پیچیدہ آنکھ کے عدسوں کے بارے میں ہم دھوکہ کھا جاتے ہیں کہ یہ خود بخود بن گئے ہیں؟ اگر ہمیں اللہ جل جلالہ پر یقین ہوتا تو ہم اس کی نعمتوں کی قدر کرتے اور ضرور اسکی فرمانبرداری میں زندگی بسر کرتے۔

ہڈیوں کا ڈھانچہ (Skelton): کبھی ہم نے غور کیا کہ ہمارے وجود میں ہڈیوں کا ڈھانچہ قدرت کی کتنی بڑی مہربانی ہے۔ ان ہڈیوں کی بدولت ہی ہم بیٹھ سکتے ہیں کھڑے ہوسکتے ہیں، چل پھر سکتے ہیں۔ اگر ہڈیاں نہ ہوتیں تو ہم بے بس ہوکر ہمیشہ لیٹے رہتے۔ ضرورت کے مطابق جگہ جگہ جوڑ رکھے گئے ہیں جو بیئرنگ کی طرح کام کرتے ہیں۔ ہڈیوں کے اندر ان جوڑوں کو باریک بینی سے بنا کر آپس میں جوڑا تاکہ آسانی سے حرکت کرسکیں۔ جو کہ قدرت کی صنعت گری کی عظیم نشانی ہے۔ جوڑوں کے درمیان مناسب فاصلہ (Gap) برقرار رکھا ہے۔ کسی خرابی کے باعث اگر یہ فاصلہ تھوڑا زیادہ ہوجائے تو شدید درد محسوس ہوتا ہے۔ حرکت کے دوران ان جوڑوں پر دباؤ پڑتا ہے تو ان سے خاص قسم کا مادہ خارج ہوکر سطح پر آجاتا ہے چکناہٹ (Lubrication) پیدا کرنے کے لئے تاکہ یہ جوڑ رگڑ سے بچ سکیں۔ یہ ہڈیاں اور جوڑ اتنے مضبوط بنائے گئے ہیں کہ انسان ان کی بدولت بھاری بھرکم بوجھ اُٹھا سکتا ہے، بعض لوگ اڑھائی من کی بوری

آسانی سے اُٹھا لیتے ہیں۔ ہمارے جسم میں اللہ تعالیٰ نے مختلف جسامت کی 206 ہڈیاں پیدا کی ہیں جو مختلف افعال سرانجام دیتی ہیں کیا یہ ممکن ہے کہ ہماری نمو کے دوران ہمارے جسم میں یہ ہڈیاں خود بخود بن گئی ہوں....؟

<u>ہمارے ہاتھ:</u> ہم آسان کاموں سے لے کر پیچیدہ ترین کام کرنے کے لئے اپنے ہاتھوں کے مرہون منت ہیں۔ سوئی میں دھاگہ ڈالنا، اشیاء پکڑنا، لکھنا وغیرہ ان ہاتھوں کی بدولت ہی ہے۔ ہاتھ اور انگلیاں بڑی تیزی سے حرکت کرسکتی ہیں۔ انگوٹھا سب انگلیوں پر پھرتا ہے اور بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ چاہیں تو ہم ہاتھ سے چلو بنالیں پانی پینے کے لئے۔ چاہے دشمن سے بچاؤ کے لئے گھونسہ بنالیں۔ ہماری ضرورت کے مطابق انگلیاں چھوٹی بڑی بنائی ہیں۔ سائنس نے یہ بات بھی ثابت کردی ہے کہ انگلیوں کی تعداد اور ترتیب احسن ہے اور اس سے بہتر کوئی اور صورت ممکن نہ تھی۔ دنیا جہان کے عاقل مل کر بھی اس سے بہتر صورت نہ بنا سکتے تھے اسی لئے ربوٹ بھی اسی طرز پر بنائے جاتے ہیں۔ انگلیوں کے آخری سروں پر ناخن لگائے ہیں تاکہ چیزوں کو پکڑنے کے دوران مضبوطی فراہم ہوسکے اور خوبصورتی کا باعث بھی ہوں، گوشت کا ناخنوں میں تبدیل ہونا اور ان کا باہر نکلتے رہنا قدرت کی بہت بڑی نشانی ہے۔ ہاتھوں کی اندرونی سطح کا گوشت مضبوط ہے تاکہ چیزوں کو پکڑنے اٹھانے سے ہاتھ زخمی نہ ہو اور سفید ہے تاکہ خوبصورتی ہو۔ بیرونی جلد نے چونکہ بہت کم استعمال ہونا تھا اس لئے اسکا گوشت نرم ہے، اگر بیرونی جلد کی طرح اندرونی جلد ہوتی تو اشیاء کو اُٹھانے پکڑنے سے ہاتھ زخمی ہوجاتے۔ کیا یہ سب کچھ بغیر کسی کے بنائے خود بخود بن گیا ہے؟

<u>پاؤں (Foot):</u> ہمارا پاؤں قدرت کی تخلیق کا بہت بڑا شاہکار ہے۔ پاؤں کا پنجہ سخت بنایا گیا ہے تاکہ پورے جسم کے وزن کو برداشت کرسکے اور چلنے کے لئے موزوں ہو۔ ایڑھی میں قدرت کی دو نشانیاں ہیں ایک پیچھے کو بڑھے ہونا تاکہ انسان جب دو ٹانگوں پر کھڑا ہو یا چلے تو پیچھے گر نہ جائے اور دوسری نشانی اسکا باقی پاؤں کی نسبت زیادہ سخت ہونا کیونکہ زیادہ وزن اسی پر پڑنا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارا ایسا موزوں پاؤں نہ بناتے تو ہم چل نہ سکتے، اُٹھتے تو گر جاتے۔ پاؤں کے ساتھ ہی مضبوط جوڑ بنایا جسکی بدولت ہم چلنے کے قابل ہوئے۔ چوپائیوں کی ایڑھی ہوتی تو انہیں چلنے میں دشواری ہوتی اسلئے ان کے پاؤں بغیر ایڑھی کے بنائے گئے۔ کیا اس طرز پر یہ سب کچھ خود بن گیا ہے؟

<u>ایک اور نا قابل تردید دلیل:</u> انسان چلنے پھرنے کے لیے چمڑے وغیرہ کے سخت جوتے استعمال کرتا ہے

تا کہ پاؤں زخمی ہونے سے بچ جائیں۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جانور جن کے لیے جوتے پہننا ممکن نہ تھا انکی ٹانگوں کے آخری سروں کا گوشت موزوں ترین سخت بے جان مادے کے کھروں میں خود بخود کیسے تبدیل ہو گیا ہے؟ جیسے شیر، چیتا، بکری، گائے، بھینس، گھوڑا، گدھا وغیرہ۔ضرورت کے مطابق گوشت کے کھروں میں تبدیل ہونے کا فیصلہ جانور کے پیٹ کے اندر کس نے کیا ہے؟ کیا اس گوشت نے کیا ہے یا پیدا ہونے والے جانور نے کیا ہے؟ یا جانور کے والدین نے کیا ہے؟ جانور تو ابھی بیرونی ماحول سے آگاہ بھی نہیں کہ بیرونی ماحول میں اسے کس چیز کی ضرورت ہے۔ افسوس کہ اتنی واضح نشانیاں دیکھ کر بھی ہم خالق سے غافل رہیں یا اسکا انکار کریں۔

<u>معدے کا تیزاب:</u> کھانے کو گلانے کیلئے معدے میں تیزاب (Hcl) پیدا کرنے کا نظام بنایا گیا ہے۔یہ تیزاب اتنا طاقتور (PH:1.0 to 2.0) ہے کہ اگر اس میں ہاتھ ڈالا جائے تو اسے کھا جائے، اگر یہ خوراک کی نالی میں آجائے تو اسے جلا دے۔سوچنے کی بات یہ ہے کہ ضرورت کے مطابق تیزاب کا پیدا ہونا اور معدے کی اندرونی دیوار کا ایسے مادے سے بننا جسے تیزاب نہ کھا سکے کیا یہ سب کچھ بھی خود بخود ہو گیا ہے....؟ افسوس ہے انسان پر جو اتنی واضح خالق کی نشانیاں دیکھ کر بھی سر تسلیم خم نہیں کرتا۔

<u>دماغ (Brain):</u> جسم کے تمام اعضا کے افعال کو ہر وقت کنٹرول کرنے کیلئے بہت بڑے کمپیوٹر کی ضرورت تھی جو کہ دماغ کی صورت میں جسم میں موجود ہے۔ دماغ سے برقی تاریں (Nerve Cells) نکل کر پورے جسم میں پھیلی ہوئی ہیں جن پر پیغامات (Message) آتے جاتے ہیں تا کہ دماغ کا پورے جسم سے رابطہ برقرار رہ سکے۔ان تاروں پر چلنے والے پیغامات کی تعداد ایک سیکنڈ میں ہزاروں میں ہے۔آپ کے دماغ میں ہر وقت ہزاروں حسابی عوامل (Calculations) ہو رہے ہیں۔ابھی آپ اس کتاب کو پڑھ رہے ہیں تو سمجھنے کے عمل کا تجزیہ (Analysis) دماغ میں ہو رہا ہے..... جتنے بھی نظام ہیں ان سب سے ہر وقت مسلسل دماغ کا رابطہ ہے۔کیا دماغ کا گوشت اس موزوں ترین کمپیوٹر میں خود بخود بغیر کسی کے ڈیزائن کئے ہی تبدیل ہو گیا ہے؟

<u>ذرا سوچیں!</u> کسی گاڑی، موٹر سائیکل یا جہاز کے انجن وغیرہ پر غور کریں کہ اسے ڈیزائن کرنے والے نے تمام بنیادی وضروری چیزوں کا کس طرح خیال رکھا ہے۔کس قدر پیچیدہ پائپوں کا نظام بنایا ہے۔آئل ڈالنے کا راستہ اور انجن تک پہنچنے کا نظام، جہاں جہاں جس چیز کے پہنچنے کی ضرورت ہے اسکی ترسیل کے راستے

اور نظام، پھر فالتو اور استعمال شدہ اشیاء کے اخراج کے نظام.....وغیرہ۔اب کوئی یہ کہے کہ یہ سارے نظام بغیر کسی کے ڈیزائن کئے اور بنائے خود بخود بن گئے ہیں تو کوئی عقلمند اسے تسلیم کرے گا.....؟

تو پھر ذرا سوچئے اپنے وجود پر کہ: غذا چبانے اور معدے تک لے جانے کے پائپ اور نظام، معدے سے ضروری اجزاء کے خون میں شامل ہونے کا انتہائی پیچیدہ نظام، پاخانے کی صورت میں استعمال شدہ فالتو غذا کے اخراج کا نظام، خون سے زہریلے مادے علیہدہ کرنے کا گردوں کا نظام، پھر ان زہریلے مادوں کو پیشاب کی صورت میں اخراج کے پائپ اور نظام، تیز رفتاری اور دباؤ کے ساتھ صاف خون کی دل سے پورے جسم کو ترسیل کا انتہائی پیچیدہ نالیوں کا سسٹم، پھر گندے خون کی واپسی کا نظام، دماغ سے پیغامات ہر عزو تک پہنچانے کا برقی نظام..... کیا یہ سب کچھ کرنے کیلئے کسی ڈیزائنر کی ضرورت نہ تھی.....؟

ہمارے اعضاء کی شفایابی کیلئے کتنے بڑے بڑے ہسپتال اور شعبہ جات بنائے گئے ہیں۔اس پر تو ہمیں عین الیقین ہے کہ کوئی عضو خراب ہو جائے تو اسے ٹھیک کرنے کیلئے ہسپتالوں ڈاکٹروں کی ضرورت ہے۔لیکن افسوس کہ اس بات پر ہمیں یقین نہیں آتا کہ ان اعضا کو ڈیزائن کرنے اور بنانے کیلئے بھی کسی لامحدود طاقت کے حامل خالق کی ضرورت ہے۔!

<u>انبیاء علیہم السلام اللہ کی واضح نشانی:</u> انبیاء ورسل علیہم السلام اس دھرتی پر اللہ تعالیٰ کی ایسی واضح نشانی ہے جسے نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدائت کے لئے کثیر تعداد (ہزاروں) میں انبیاء و رُسل بھیجے۔تاریخ بھی گواہ ہے اور تواتر سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ جس معاشرہ میں ان برگزیدہ لوگوں نے پرورش پائی وہ معاشرہ چاہے کتنا ہی بُرا کیوں نہ ہو، ان خاص لوگوں کی صفات ہمیشہ اچھائی پر ہی رہیں۔ معاشرے میں موجود برائیوں سے ان کا دامن ہمیشہ پاک ہی رہا، حسد، بغض، کینہ، جھوٹ، فریب، دھوکے بازی اور وعدہ خلافی جیسے مہلک امراض سے یہ بچے رہے۔تمام کے تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کا نیک سیرت ہونا اس بات کی یقینی دلیل ہے کہ یہ انسانیت کی طرف خالق کائنات کے خاص نمائندے تھے، جو کہ خالق کے ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔

<u>دیگر موزوں حالات:</u> یہ بات سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ انسان نے پیدا ہو کر جس زمین پر آنکھ کھولنی تھی وہاں اسکی تمام ضروریات زندگی، پانی، ہوا، موافق موسم، طرح طرح کا رزق، پھل کیا یہ اتفاقاً موجود ہو جانے تھے؟۔انسان کو زندہ رہنے کے لیے آکسیجن (02) کی ضرورت تھی جبکہ پودوں کی زندگی

کے لیے کاربن ڈائی آکسائیڈ (CO2) ضروری تھی۔ پودے ٹنوں کے حساب سے آکسیجن بنا بنا کر فضا میں داخل کرتے جارہے ہیں تا کہ انسان زندہ رہ سکے اور انسان اور دیگر جانور CO2 خارج کررہے ہیں تا کہ پودوں کی ضرورت پوری ہو سکے۔ اسی طرح تمام ضرورت کی چیزیں؛ لوہا، پیتل، تانبا، چاندی، سونا، لکڑی، پھل، اناج، پانی.... وغیرہ زمین پر مہیا کر دی گئیں۔ ایسے کام بغیر کسی ڈیزائنر (Designer) کے اپنے آپ ہو سکتے ہیں؟ کیا سائنس کے لیے ان چیزوں کے خود بخود ہونے کی توجیہ بیان کرنا ممکن ہے؟

<u>ماحول کے مطابق صلاحیتیں:</u> جس جاندار نے جس ماحول میں اپنی زندگی گزارنی تھی اسکا جسم اور دیگر صلاحتیں اسی کے موافق عطا فرمائیں۔ مچھلی نے پانی میں رہنا تھا اسے ایسا گوشت دیا جو پانی میں گل سڑ نہ سکے۔ پانی میں سانس لینے کا نظام دیا۔ پیٹ میں خالی جگہ رکھی، جسم میں کثافت کے تناسب (Ratio) کو موزوں بنایا تا کہ مچھلی پانی میں ڈوب نہ جائے۔ پانی میں تیرنے کے لیے پر لگائے تا کہ اپنی دنیا میں گھوم پھر سکے۔ اسکے برعکس خشکی پر رہنے والے انسان کو ایسا گوشت دیا جو خشکی پر قائم رہ سکے، اس گوشت کو اگر پانی میں ڈال دیا جائے تو ایک دن بعد گل سڑ جائے جبکہ مچھلی کا گوشت خشکی پر اکڑ جائے، انسان پانی میں جائیں تو سانس نہ لے سکیں۔ مچھلی خشکی پر سانس نہ لے سکے۔ برفانی علاقوں میں رہنے والے جانوروں کو سردی سے بچاؤ کے لیے موافق موٹی تہہ والے لمبے بال اور موزوں جلد دی۔ اسی طرح جس جانور کی جو خوراک تھی اسکے موافق خوراک کھانے اور ہضم کرنے کا نظام دیا۔ مچھلی کے باریک باریک دانت اسکی خوراک کے موافق، ہاتھی، شیر چیتا، بھینس، گائے، بکری کے دانت ان کے موافق، لکڑی میں رہنے والے کیڑے کے منہ میں لکڑی کو کاٹنے کا کٹر (Cutter) لگایا۔ پرندوں کی چونچیں ان کی ضرورت کے تحت بنائیں۔ انسان نے سب کچھ کھانا تھا اسکے دانت اسکے موافق بنائے۔ اگر جانوروں کے صرف منہ ہی غلط بنا دیئے جاتے جو مطلوبہ خوراک کے لیے موزوں نہ ہوتے تو چند ایام میں سب جانوروں کی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا۔ حیرت ہے اس بات پر کہ ہم ان جدید نظاموں کو تو مانیں لیکن ان نظاموں کے بنانے والے سے غافل رہیں۔

پیارے ساتھو! آئیں ان یقینی حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے خالق کائنات پر ایمان و یقین کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ اللہ ہمیں دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا فرمائے۔ (آمین)

۞۞۞۞۞

20۔ نفس وشیطان

تحریر کا مقصد: امتحان وآزمائش کی اس فانی زندگی میں انسان مختلف قوتوں یعنی رحمانی اور شیطانی قوتوں کے زیر اثر ہے۔اس ضمن میں ضروری معلومات مہیا کرنا تا کہ انکی پہچان سے زندگی کو کامیابی کی ڈگر پر چڑھانا آسان ہوجائے،اس تحریر کا بنیادی مقصد ہے۔

نفس وشیطان: روح کی طرح نفس بھی ایک غیر مرعی (Invisible) چیز ہے۔نفس سے مراد انسان کا باطن،اسکی سوچ،اسکی کیفیت اور اسکی حالت ہے۔اسی سے انسان کی فطرت بنتی ہے۔شیطان کے متعلق ہم بخوبی واقف ہیں کہ یہ جنات میں سے ہے جس نے اللہ کی بغاوت اور جن وانس کی تباہی و بربادی اور خسارے کا تہیہ کر رکھا ہے۔نفس اور شیطان باہم مل کر اپنا کام کرتے ہیں۔شیطان کی زمین نفس ہے جسے وہ انسان کی بربادی کیلئے استعمال کرتا ہے۔

انسانی خیالات: انسان کے قلب و ذہن میں پیدا ہونے والے خیالات کا منبع: (۱)۔اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے، (۲)۔نفس، (۳)۔شیاطین، ہیں۔ان قوتوں کے زیر اثر انسان کی زندگی چلتی ہے۔انسان نے جو بھی کام کرنا ہو اسکا محرک اولین درجے میں خیالات ہی بنتے ہیں۔جس قسم کی سوچ اور خیال پیدا ہوگا اسی قسم کا فعل انسان سے رونما ہوگا۔انسان کی بہتری کیلئے ان خیالات کا اچھا ہونا بہت ضروری ہے۔

نفس کی حالتیں/پہلو: نفسِ انسانی کی تخلیق اور تسویہ کے بعد اس میں نیکی اور بدی کی تمیز رکھ دی گئی ہے جیسا کہ پروردگار نے فرمایا:

﴿ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا o فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا o قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا o وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا o﴾ (الشّمس:91:آیت:7-10)

''اور قسم ہے نفس اور اسکے تسویے (تشکیل) کی۔پس اس کو الہام کر دیا اسکی بدی اور نیکی (کا شعور)۔تحقیق فلاح پا گیا وہ جس نے اس نفس کو پاک رکھا اور نامراد ہوگیا وہ جس نے اسکو آلودہ رکھا۔''

نفس انسانی میں تین مختلف پہلو پائے جاتے ہیں۔ان تینوں پہلوؤں میں سے کون سا پہلو غالب اور کون سا

مغلوب ہوگا،اس کا تعلق انسان کی سوچ اور اپنے فعل کے ساتھ ہے۔نفس کے درج ذیل تین پہلو/حالتیں ہیں: (۱)۔نفس مطمئنہ، (۲)۔نفس لوامہ، اور (۳)۔نفس امارہ

ان کی مختصر وضاحت پیش خدمت ہے:

(۱)۔نفس مطمئنہ: یہ تربیتِ نفس کا سب سے اونچا مقام ہے جسکا انسان سے تقاضا کیا گیا ہے۔یہ وہ حالت ہے جس میں نفس کا توازن پوری طرح سے برقرار ہو جاتا ہے۔فطرت سلیمہ پوری طرح سے جاگ جاتی ہے۔من میں خالق کے احکامات کی مکمل پیروی کا شوق و جذبہ امڈ آتا ہے۔نیکیوں میں سبقت و محبت جبکہ برائیوں سے دوری اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔انسان کا ہر سانس اللہ کے ساتھ وابستگی کے ساتھ گزرنا شروع ہو جاتا ہے۔ایسے خوش نصیبوں کی بابت پروردگار نے یوں مژدہ سنایا:

﴿یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ o ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً o فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ o وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ o﴾(الفجر:89:آیت:27-30)

''اے نفس مطمئنہ واپس لوٹ اپنے رب کی طرف،تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی،پس شامل ہو جا میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔''

اللہ ہمیں بھی ایسے خوش نصیبوں میں داخل فرمائے۔(آمین)

(۲)۔نفس لوامہ: نیکی اور بدی کا شعور انسان کے نفس میں ودیعت ہے۔یہ نفس کا وہ پہلو یا حالت ہے جسکا توازن پوری طرح نہیں بگڑا۔نیکی اور بدی کا شعور بھرپور طور پر موجود ہے۔نیکیوں پر خوشی اور برائیوں (خواہ اپنی ہوں یا دوسروں کی) پر مَن پوری طرح ملامت کرتا ہے۔اس ملامت پر انسان اگر کان دھرتا رہے،اسکی بات مانتا رہے تو رفتہ رفتہ نفس مطمئنہ تک جا پہنچتا ہے۔نفس لوامہ کا تذکرہ قرآن میں یوں کیا گیا:

﴿وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِo﴾(القیامہ:75:آیت:2)

''میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی۔''

(۳)۔نفس امارہ: وہ انسان جو نفس کی برائیوں پر ملامت کی پرواہ نہ کرے۔شہوات کو پورا کرنا جس مقصد بن جائے۔خواہشات کا رسیا بن جائے۔وہ خالق کے عطا کردہ نفس کے توازن کو کھو بیٹھتا ہے۔ایسا بدنصیب انسان اپنے نفس کو اپنی بے جا شہوات کے ہاتھوں مغلوب کر دیتا ہے۔توازن برقرار نہ رہنے سے اس حالت میں نیکی بدی کا شعور جاتا رہتا ہے۔فطرتِ سلیمہ مسخ ہو جاتی ہے۔ملامت کی آواز دب جاتی ہے۔اب نفس

پوری قوت سے برائیوں پر آمادہ کرتا ہے اور ایسا بدنصیب شخص شہوات کے ہاتھوں مجبور ہو کر برائیاں کرتا جاتا ہے، الا یہ کہ اللہ کسی کو زبردستی بچالے۔ اس نفس کی بابت فرمایا گیا:

﴿وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۝﴾ (یوسف:12:آیت:53)

''اور نہیں بری الذمہ قرار دیتا میں نفس کو، یقیناً نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا۔ مگر یہ کہ کسی پر رحمت ہو جائے میرے رب کی۔ بے شک میرا رب ہے بہت معاف فرمانے والا اور بہت رحم فرمانے والا۔''

<u>نفس کی اصلاح کی تدبیر:</u> نفس کو قابو میں رکھنا انتہائی مشکل کام ہے۔ اسکے لئے زندگی بھر کاوش و محنت کی ضرورت ہے۔ نفس کی اصلاح کیلئے یہ ضروری ہے کہ:

(۱)۔ اپنے رب کو یاد رکھا جائے، (۲)۔ جزا و سزا اور ہمیشہ کی زندگی کو پیش نظر رکھا جائے، (۳)۔ قرآن کے ساتھ وابستگی رکھی جائے، (۴)۔ اچھی صحبت کا اہتمام اور بری صحبت سے ہر ممکن بچا جائے۔

<u>محاسبہ فکر:</u> یہاں تک پڑھنے کے بعد اپنا محاسبہ ضرور کریں کہ آپکا نفس کس حالت میں ہے؟ اور فوراً اسکی اصلاح کی بہت زیادہ فکر کریں۔

نفس کی مختصر وضاحت کے بعد اب ہم اللہ کے فضل سے شیطان کی بابت کچھ ضروری معلومات حاصل کرتے ہیں۔

شیطان

شیطان جنات میں سے تھا۔ اللہ کے حکم کی کھلی نافرمانی اور بغاوت پر راندہ درگاہ ہوا۔ یہ انسان کا دشمن ہے۔ اسکی اپنی خواہش پر قیامت تک اسے انسانیت کو ورغلانے کی مہلت دی گئی ہے۔ جن و انس میں بہت سے اسکے ساتھی اور مددگار ہیں۔ اسکی کامیابی زیادہ سے زیادہ جن و انس کو دوزخ میں دھکیلنے میں ہے جس میں وہ پوری طرح کامیاب ہے۔

<u>شیطان کا انسانیت کو چیلنج:</u> ظالم شیطان میں انسانیت دشمنی کس قدر بھری ہوئی ہے اور وہ کس طرح انسانیت کو ابدی خسارے میں دھکیلنے کیلئے کوشاں ہے ذرا ملاحظہ کرلیں:

''(شیطان از راہِ طنز) کہنے لگا کہ دیکھ تو یہی ہے وہ (انسان) جسے تُو نے مجھ پر فضیلت دی

ہے۔اگر تُو مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں تمام اولادِ (آدم) کی جڑ کاٹ کر رکھ دوں گا سوائے چند لوگوں کے۔اللہ نے فرمایا (یہاں سے) چلا جا، جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی جزا جہنم ہے اور وہ پوری سزا ہے۔اور ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکا تا رہ اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لا تا رہ اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدے کرتا رہ۔اور نہیں کرتا شیطان ان سے وعدے مگر محض دھوکے کے۔یقیناً جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں چلے گا، اور تمھارا پروردگار کارساز کافی ہے۔'' (بنی اسرائیل:17:آیت:62-65)

جس دشمن نے ہماری بربادی کا تہیہ کر رکھا ہو کیا ہمیں اسکے ساتھ دوستی کی پینگیں چڑھانی چاہئیں.....؟

<u>شیطان کھلا دشمن:</u> شیطان انسان کا ایسا دشمن ہے جسکی انسان دشمنی میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، جیسا کہ پروردگار نے کھول کر واضح کر دیا:

﴿اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ﴾ (یوسف:12:آیت:5)

''یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔''

جس دشمن کی دشمنی میں شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو کیا اس سے غفلت اختیار کی جاسکتی ہے.....؟ اگر جواب نہ میں ہے تو پھر ہم کیوں اس سے غافل ہیں...؟

<u>دشمن کو دشمن سمجھا جائے:</u> اگر کوئی ایسا مکار دشمن ہو جس سے خیر کی کوئی امید نہ، جو دھوکے باز ہر لمحہ نقصان کیلئے طاق میں بیٹھا ہو، کوئی موقع نہ جانے دیتا ہو.....اس سے دوستی کی پینگیں بڑھائی جائیں گی یا اسے دشمن سمجھتے ہوئے اس کے شر سے بچنے کی فکر کی جائے گی.....؟ پروردگار نے اس خطرناک دشمن سے انسانیت کو خبردار کر دیا:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا وَ لَا یَغُرَّنَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ ۝ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لَكُمۡ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوۡهُ عَدُوًّا اِنَّمَا یَدۡعُوۡا حِزۡبَهٗ لِیَكُوۡنُوۡا مِنۡ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ ۝﴾ (فاطر:35:آیت:5-6)

''لوگو اللہ کا وعدہ سچا ہے تو کہیں تم کو دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ فریب دینے والا (شیطان) تمھیں (کہیں) فریب میں ڈال دے۔شیطان تمھارا دشمن ہے تو تم بھی اسے

اپنا دشمن ہی سمجھو۔ وہ اپنے (پیروکاروں) کے لشکر کو بلاتا ہے تاکہ وہ ہو جائیں دوزخ والوں میں سے۔''

کتنے شفقت بھرے انداز سے پروردگار نے ہمیں اس ظالم سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اسکے باوجود بھی ہم اس مکار دشمن سے دشمنی کرنے کی بجائے دوستی کی پینگیں بڑھائیں تو پھر قصور کس کا ہوا.....؟ کیا عقل وشعور کی موجودگی میں ہمیں ایسا کرنا زیبا ہے.....؟

پروردگار نے ہمیں اس ظالم سے بچانے کیلئے یہاں تک تنبیہ کر دی کہ اس کی پیروی کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ اسکے نقش قدم پر بھی نہ چلا جائے، اس سے دور رہا جائے۔ یعنی ہر وہ راستہ جو اسکی پیروی کی طرف لے جانے کا باعث بن سکتا ہے اس سے بچا جائے۔

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۝﴾ (سورۃ البقرہ، آیت:208)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔''

اگر کہیں بجلی کی ننگی تاریں پڑی ہوں تو ہم بچوں کو یہ نہیں کہتے کہ ان کو ہاتھ نہیں لگانا بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ان کے قریب سے بھی نہیں گزرنا۔ لیکن افسوس کہ ان سب تنبیہات کے باوجود ہم اسی ظالم سے یارانہ لگاتے ہیں۔ کاش ہم اس سے بچ جاتے۔!

<u>شیطان بہت بڑا دھوکے باز:</u> شیطان کا سارا کاروبار دھوکے پر چل رہا ہے۔ پروردگار نے انسانیت پر واضح کر دیا کہ شیطان کے سارے وعدے اور جھوٹی امیدیں دھوکے پر مبنی ہیں:

﴿یَعِدُهُمْ وَ یُمَنِّیْهِمْ وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝﴾ (النساء:4: آیت:120)

''اور شیطان لوگوں سے وعدے کرتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے۔ اور نہیں وعدے کرتا شیطان ان سے مگر دھوکے ہی دھوکے کے۔''

دھوکے میں آنا کیا عقلمندی ہے.....؟

<u>بروزِ قیامت شیطان آنکھیں پھیر جائے گا:</u> وہ شیطان جس سے ہم نے دوستی بنا رکھی ہے وہ بروز قیامت آنکھیں پھیرتے ہوئے کس طرح بری الذمہ

ہوجائے گا، ملاحظہ کریں اور اسکے فریب سے بچنے کا پکا عہد کرلیں:

''جب (حساب کتاب کا) کام فیصل ہو چکے گا تو شیطان کہے گا جو وعدہ اللہ نے تم سے کیا تھا وہ تو سچا تھا اور جو وعدہ میں نے تم سے کیا تھا وہ جھوٹا تھا۔ اور میرا تم پر کوئی زور تو نہ تھا، ہاں میں نے تمھیں (برائی) کی دعوت دی تو تم نے (جھٹ سے بلا دلیل) میرا کہنا مان لیا۔ تو آج مجھے ملامت مت کرو بلکہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرو۔ نہ میں تمھاری فریاد رسی کرسکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ میں اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ تم مجھے پہلے شریک بناتے تھے۔ بلاشبہ ظالموں کیلئے دردناک عذاب ہے۔'' (ابراہیم:14: آیت:22)

یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ شیطان کی کوئی زور زبردستی نہیں وہ تو صرف لقمہ ڈالتا ہے وسوسہ اندازی کے ذریعے جس پر انسان فوراً لبیک کہتا ہے۔ کاش ہم سوچ سمجھ کر زندگی بسر کریں۔

<u>باغی سزا کا حقدار</u> : جس انسان کو عقل وشعور بھی دے دیا جائے، خیر اور شر کی پہچان بھی جسکے من میں ودیعت کر دی جائے، تفصیلی تعلیمات وحی پیغمبروں کے ذریعے بھی پہنچا دی جائیں، شیطان سے بچنے کے متعلق بھی پوری آگاہی دے دی جائے، پھر بھی وہ اگر شیطان کی ہی پیروی کرے تو پھر اسکو عذاب دیا جانا یقینی ہے۔ اسی لئے پروردگار بروز قیامت فرمائے گا:

﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ o اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ o وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ o وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ o هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ o اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ o﴾ (یس:36: آیت:59-64)

''اور مجرمو آج تم الگ ہوجاؤ۔ اے آدم کی اولاد میں نے تمھیں کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا یہی صراطِ مستقیم ہے۔ اور اس نے تو تم میں سے کثیر خلقت کو گمراہ کر دیا، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے تھے؟ (اب) یہ ہے وہ جہنم جسکا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ آج کے دن اس میں داخل ہوجاؤ اس کفر (ناشکری) کی پاداش میں جو تم کرتے رہے۔''

کاش ہم عقل کو استعمال کریں اور دشمن شیطان سے دوستی نہ کریں۔!

شیاطین کن پر مسلط؟: جوکوئی بھی اللہ سے غافل ہوجائے، اللہ کے احکامات کی پرواہ نہ کرے وہ شیاطین کی گرفت میں آجاتا ہے، شیاطین اس سے دوستی کر لیتے ہیں اور اسے خسارے کی طرف دھکیلنا شروع کر دیتے ہیں۔

﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ O وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ O حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ O﴾ (زخرف:43: آیت:36-38)

''اور جو کوئی اللہ کی یاد سے آنکھیں بند کرلے (تغافل کرے) اس پر ہم ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اسکا ساتھی بن جاتا ہے۔ اور یہ (شیطان) ان کو رستے سے روکتے رہتے ہیں اور وہ (لوگ) سمجھتے ہیں کہ سیدھے رستے پر ہیں۔ یہاں تک کہ جب آئے گا (ایسا غافل شخص) ہمارے پاس تو کہے گا اے کاش مجھ میں اور تجھ (شیطان) میں مشرق ومغرب کا فاصلہ ہوجاتا، تُو تو برا ساتھی ہے۔''

اُس وقت تو سب کو سمجھ آہی جاتی ہے لیکن اسکا کوئی فائدہ نہ ہوگا، کاش آج ہم ان آیات سے سبق حاصل کرتے ہوئے شیطان سے دوری اختیار کرلیں۔

خالق کی رہنمائی قرآن مجید سے شیطان کی بابت بہت سی معلومات کے حصول کے بعد کچھ مزید اہم باتیں سمجھتے ہیں جنکا تذکرہ قرآن وسنت میں موجود ہے۔

شیطان چاق وچوبند: شیطان انسان کے خون میں گردش کرتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے واضح کیا:

((ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم))

(بخاری ''کتاب بدء الخلق' نمبر 3281)

''یقیناً شیطان انسان کے اندر اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون گردش کرتا ہے''۔

شیطان ایسا ہوشیار اور مکار دشمن ہے جو ہر لمحہ چاق و چوبند ہے۔ کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ اسلئے اس سب سے خطرناک دشمن کو لائٹ (Easy) نہیں لینا چاہئے۔ بہت ہوشیاری سے اس مکار کے فریبوں سے بچنے کی ہمہ تن کاوش کرنے کی ضرورت ہے۔ جب دشمن دشمنی سے غافل نہیں تو ہم کیوں غافل ہوجائیں۔ لیکن افسوس کہ انسانیت اس حوالے سے سوچکی ہے اور ظالم شیطان نے اسکا تیہ پانچا کرکے رکھ

دیا ہے۔اے غافل انسان اٹھ جا، ہمیشہ کی زندگی کی فکر کر لے۔

شیطان کے وار

شیطان کے داؤ، اسکے فریب ہزاروں لاکھوں میں ہیں۔انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ یہ کسی کو نہیں چھوڑتا۔ہر شخص ہر طبقے کیلے اسکے پاس الگ الگ چالیں ہیں۔اسکا بنیادی ہدف انسان سے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی نافرمانی کا ارتکاب کروانا ہے جس کیلئے وہ ہر حربہ استعمال کرتا ہے۔انکی تفصیل کیلئے الگ سے کتاب درکار ہے۔یہاں انتہائی اختصار سے چند ضروری باتیں پیش خدمت ہیں:

(۱)۔ نفسِ امارہ پر لا کر اچھائی برائی کی تمیز ختم کروا کے اعلانیہ برائی پر آمادہ کرنا۔ایسے لوگ زندگی بھر شیطان کے حمائیتی اور ساتھی بنے رہتے ہیں۔

(۲)۔ جو لوگ نیکی بدی میں تمیز پر آمادہ ہوں ان میں سستی، کاہلی لانا، ترجیح اور سبقت سے روکتے ہوئے ناقص اعمال پر مائل کرنا تا کہ درجہ احسان تک نہ پہنچ پائیں۔

(۳)۔ صالحین میں خود پسندی اور ریاکاری پیدا کر کے اعمال کو ضائع کرنا۔بھرپور کاوش سے روکنا، بڑے درجات سے کم تر درجات پر مائل کرنا۔عوام کو مخلص اہل علم، متقین کے خلاف کر کے ان کے جانی دشمن بنانا۔

(۴)۔ بُرے اعمال (شرک، نفاق، بدعات وغیرہ) کو مزین کر کے نیکیوں کی شکل میں آراستہ کرنا تا کہ برائی کو نیکی سمجھا جائے۔اس فریب کا حل دلیل (قرآن وسنت) کی مضبوط پیروی ہے۔

(۵)۔شہوات اور لذات کو بطور ڈھال استعمال کرتے ہوئے دنیا پرستی، برائیوں اور بدکاریوں پر مائل کرنا۔

یاد رکھیں! شیطان کا سب سے بڑا ہدف انسانیت کو کفر اور شرک میں مبتلا کرنا ہے۔کیونکہ کفر سے دائرہ اسلام سے خروج جبکہ شرک سے بروز قیامت شفاعت اور بخشش کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔وہ افراد یا گروہ جو شرک کے حوالے سے غفلت میں ہیں، شرک کے فہم اور اس سے بچنے کو سب سے زیادہ سنجیدہ نہیں لیتے وہ بہت بڑے شیطانی دھوکے میں ہیں۔

<u>شیطان سے بچاؤ:</u> شیطان بہت طاقتور دشمن ہے، اس سے اللہ ہی بچا سکتا ہے۔شیطان سے بچنے کیلئے:

(۱)۔ اللہ کی پناہ میں آیا جائے، اس سے بچنے کی اللہ سے دعا کی جائے، اعوذ باللہ.... پڑھی جائے۔

(۲)۔اسکے داؤ کا سب سے بڑا توڑ دلیل (قرآن وسنت) کی پیروی ہے۔ہر ہر عقیدہ ونظریہ اور ہر عمل پختہ

دلیل کی بنیاد پر اختیار کیا جائے تو انشاءاللہ شیطان کے فریب سے بچت رہے گی۔ جو لوگ بے دلیل ظن وقیاس کی پیروی کرتے ہیں وہ کبھی بھی شیطان کے فریبوں سے نہیں بچ سکتے۔ بلکہ ایسے لوگوں کے غلط نظریات کو شیطان بڑی آسانی سے ان کیلئے سنوار کر تسلی دیتا رہتا ہے۔

(۳)۔اخلاص کے ساتھ پاکیزہ زندگی بسر کی جائے۔اللہ کے احکام کی ہر ممکن پیروی کی جائے۔اخلاص کی تفصیل کیلئے دیکھئے: (نجات کی پکار نمبر۔12، اخلاص)

ان تین باتوں پر عمل پیرا ہونے سے انشاءاللہ شیطان سے بچنا ممکن ہو جائے گا۔

<u>محاسبہ:</u> جو کوئی بھی درج ذیل پانچ باتوں کو ملحوظ رکھ زندگی گزار رہا ہے وہ شیطان کی گرفت سے بچا ہوا ہے اور جو انہیں ملحوظ نہیں رکھ رہا وہ شیطان کی گرفت میں ہے۔

(۱)۔دین سیکھنے (بالخصوص قرآن فہمی) کیلئے وقت نکالنا، (۲)۔بغیر سوچے سمجھے اندھا دھند پیروی کرنے کی بجائے عقل وبصیرت کے نور کو استعمال کرنا، (۳)۔فرائض وواجبات کی اولین ترجیح کے ساتھ ادائیگی، (۴)۔معصیت ونافرمانی سے مکمل اجتناب، (۵)۔اپنی حیثیت اور دائرہ کار کے تحت دوسروں تک (بالخصوص اپنے حلقہ اثر تک) دین پہنچانے کیلئے کاوش۔

ابھی وقت ہے، شیطان سے بچتے ہوئے ان پانچوں کاموں کو زندگی کا حصہ بنالیں۔

اللہ تعالیٰ نفس وشیطان کے فریبوں سے بچ کر اپنی طاعت وفرمانبرداری والی زندگی نصیب فرمائے۔ (آمین)

21۔ تبدیلی کے لوازم

تحریر کا مقصد: اکثریت میں تو تبدیلی کی خواہش ہی نہیں ہوتی۔جس ڈگر پر زندگی بسر ہو رہی ہو اسی کو کامیابی خیال کرتے ہوئے دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں۔بہت کم ہیں جو زندگی کو سنجیدہ لیتے ہیں اور اپنے آپ کو مقصد حیات پر لانے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ان میں سے بھی زیادہ تر تبدیلی کی خواہش پر زندگی کے ایام گزار دیتے ہیں اور تبدیلی کا دن دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔آخر کیا وجہ ہے کہ تبدیلی کی تمنا کے باوجود بھی زندگی تبدیل نہیں ہو پاتی.....؟ تبدیلی کے خیال کو عملی جامہ پہنانے کیلئے جن لوازم کی ضرورت ہے انہیں واضح کرنا تاکہ زندگی تبدیل ہو کر واقعتاً مقصد حیات پر آ جائے،اس تحریر کا بنیادی مقصد ہے۔

چند حقائق

تبدیلی کے لوازم کے بیان سے پہلے فلاح و نجات کیلئے چند اہم حقائق کو ذہن نشین کر لیں تاکہ بات سمجھنا آسان ہو جائے۔

دنیا کا جادو: دنیا کی خواہشات انسان پر جادو کی طرح اثر کرتی ہیں۔یہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں۔جس طرح جادو کے سامنے انسان بے بس ہو جاتا ہے اسی طرح دنیا کا متوالہ دنیا کے جادو کے سامنے بے بس ہو کر محض دنیا کیلئے جیتا مرتا ہے۔وہ ہمیشہ کی زندگی کو فراموش کر کے محض دنیا کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے۔

جادو کی لپیٹ میں: ہر وہ شخص جسے دنیا کی فکر تو ہے لیکن آخرت کی نہیں۔دنیا کا فائدہ و نقصان تو پیش نظر ہے اور اسکے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے لیکن آخرت کیلئے نہیں۔جتنی کاوش دنیا کیلئے کرتا ہے اتنی آخرت کیلئے نہیں کرتا۔جسے رب کے روبرو پیشی کی فکر نہیں.....وہ دنیا کے جادو کی لپیٹ میں آ چکا ہے۔اس تناظر میں اپنا محاسبہ کر لیں اور جادو کی لپیٹ سے چھٹکارے کی فکر اور علاج کر لیں۔علاج کی فکر نہ ہونا عقلمندی نہیں۔

آزادی کی کسوٹی: اگر کوئی دیکھنا چاہے کہ وہ دنیا کے جادو کی لپیٹ میں ہے یا جادو سے بچا ہوا ہے تو وہ درج ذیل معیار پر اپنے آپ کو پرکھ لے۔ہر وہ شخص جو درج ذیل دو شرائط میں سے کوئی بھی ایک شرط پر پورا اترتا ہو وہ دنیا کے جادو کی لپیٹ سے بچا ہوا ہے اور جو اس معیار پر پورا نہیں اترتا وہ جادو کی لپیٹ میں ہے:

(ا)۔فرائض و واجبات بشمول دعوت دین اور حلال و حرام کی اولین ترجیح کے ساتھ فکر مندی اور

پاسداری۔[اسکا نتیجہ ان شاء اللہ آسان حساب کتاب کے بعد داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ کی صورت میں نکلے گا]

(۲)۔فرائض وواجبات بشمول دعوت دین اور حلال وحرام کی اولین ترجیح کے ساتھ فکرمندی اور پاسداری کے ساتھ ساتھ مزید آگے سے آگے بڑھتے رہنے کا شوق وجذبہ۔[ایسے خوش نصیب ان شاء اللہ بلاحساب کتاب ''السابقون الاولون'' کے گروہ میں شامل ہوں گے]

☆ اس خوش نصیبی تک پہنچنے کیلئے دین سیکھنے کیلئے وقت نکالنا، ہاتھ پاؤں مارنا ناگزیر ہے۔وہ دنیا جہاں چند روز رہنا ہے اسکی اونچ نیچ جاننے کیلئے تو بھرپور کاوش کرتا ہے لیکن ابدی آخرت کی بہتری کیلئے دین سیکھنے کیلئے وقت نہیں نکالتا، کاوش نہیں کرتا وہ اللہ کو کیا منہ دکھائے گا؟

<u>فریب کی لپیٹ:</u> ہر وہ شخص جو زندگی اور صحت وتندرستی کی عظیم نعمت سے آج بھرپور فائدہ نہیں اٹھاتا..... بلکہ اخروی تیاری کو کل پر ڈالتا جاتا ہے..... وہ فریب کی راہ پر ہے۔اسکے برعکس جو ہر دن کے عوض اپنی ذمے داری پوری کرتا جاتا اور آج کے کام کو کل پر نہیں ڈالتا وہ نجات کی راہ پر ہے۔اب فیصلہ آپ نے خود کرنا ہے کہ فریب پر رہنا ہے یا نجات کی راہ پر.....؟

جادو کی لپیٹ سے آزادی

دنیا پرستی کے جادو کی لپیٹ سے آزادی کیلئے درج ذیل باتیں ضروری ہیں:

(۱)۔مصائب وآلام، (۲)۔صحبت، (۳)۔اخروی یقین، (۴)۔اخلاص وقربانی

(۱)۔<u>مصائب وآلام:</u> جب تک زندگی کی آرزوئیں پوری ہوتی رہیں، خوشحالی ہو، صحت وتندرستی ہو..... تو انسان کی خواہش نفس انسان پر غالب رہتی ہے اور انسان کو آخرت کی یاد نہیں آنے دیتی۔خواہش نفس کا زور اسی وقت ٹوٹتا ہے جب سر پر پڑتی ہے۔جب تنگی وتکالیف پہنچتی ہیں تبھی انسان کی آنکھیں کھلتی ہیں جیسا کہ پروردگار نے فرمایا:

﴿وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝﴾

(السجدہ:21:32)

''اور ضرور چکھائیں گے ہم ان کو مزہ دنیاوی عذاب کا بڑے عذاب سے پہلے شاید کہ وہ پلٹ آئیں (یعنی رجوع لے آئیں ہماری طرف)۔''

نبی کریم ﷺ نے بھی فرمایا:

((من یرد اللہ بہ خیراً یصب منہ)) (بخاری، المرضیٰ، رقم:5645)

''جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اس کو مصیبت سے دوچار کر دیتا ہے۔''

وہ جن کی آنکھیں تنگی و تکالیف میں بھی نہ کھلیں اور وہ تبدیلی کا فیصلہ نہ کریں وہ واقعتاً بدنصیب ہیں، جیسا کہ فرمایا:

''کیا نہیں دیکھتے یہ لوگ کہ انہیں آزمائش میں ڈالا جاتا ہے ایک دفعہ یا دو بار، پھر بھی نہیں توبہ کرتے اور نہ وہ نصیحت پکڑتے ہیں'' (التوبہ:9: آیت۔126)

نوٹ: اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہمیں اللہ سے مشکل مصیبت کی بجائے ہمیشہ عافیت و آسانی اور صحت و تندرستی کی ہی دعا مانگنی چاہیے۔ لیکن جب مشکل مصیبت آجائے تو پھر مایوسی سے بچتے ہوئے، اسے آزمائش و امتحان یا اپنے گناہوں کی پاداش میں سزا سمجھتے ہوئے، صبر کے ساتھ مشکل سے نکلنے کیلئے دعا، دوا اور تدبیر اختیار کرتے ہوئے اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ اسکے ساتھ ساتھ اللہ کیلئے شوق و جذبہ سے جان مال وقت اور صلاحیتوں میں قربانی کیلئے ہمہ تن آمادہ رہنا چاہیے۔

(۲)۔ صحبت: دنیا کے جادو کی لپیٹ سے نجات کیلئے زیادہ سے زیادہ وقت اچھی صحبت (اچھے لوگ، اچھی جگہیں مساجد، مکاتب، اچھی کتابیں بالخصوص قرآن مجید) میں گزارنا اور بری صحبت سے بچنا ناگزیر ہے۔

(۳)۔ اخروی یقین: جس قدر آخرت پیش نظر رہے گی، دنیا سے چلے جانے اور آخرت کا یقین دل میں موجود رہے گا اسی قدر دنیا کے جادو کی گرفت کمزور رہے گی۔

(۴)۔ اخلاص و قربانی: اخلاص کی موجودگی میں جس قدر اللہ کیلئے قربانی (جان، مال، وقت، صلاحیتوں اور خواہشات میں) زیادہ ہوگی اسی قدر اللہ کی توجہ نصیب ہوگی، جو دنیا کے جادو اور فریب سے بچنے کا باعث بنے گی۔

نوٹ: دنیا کو ترک کرنے کا نہیں کہا گیا بلکہ دنیا کو اللہ کے قانون، پیارے رسول ﷺ کے اسوہ مبارک کے تابع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دنیا کی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر آخرت کی فکر کرنے کا تقاضا کیا گیا ہے۔ مقصد دین سیکھنا، حرام سے بچنا اور فرائض و واجبات کی اولین ترجیح کے ساتھ ادائیگی کرنا ہے۔ اللہ کے قانون کے تابع رہ کر معاش کا حصول، گھر داری نبھانا، بیوی بچوں کی پرورش اور انکے جائز مشاغل اور تفریح

کا خیال رکھنا، جسمانی تقاضوں، صحت وتندرستی کا خیال رکھنا، ملکی تعمیر وترقی اور خوشحالی میں حصہ لینا..... یہ سب جائز ہے۔

دنیا پرستی کے حوالے سے بنیادی باتوں سے آگاہی کے بعد اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کہ زندگی میں تبدیلی کیسے آسکتی ہے؟ زندگی مقصد حیات پر کیسے چڑھ سکتی ہے؟ تبدیلی کے لوازم کیا ہیں؟۔

تبدیلی کے لوازم اور انکی حقیقت

درج ذیل تبدیلی کے لوازم کو سمجھے اور انہیں زندگی میں لائے بغیر شاید زندگی کا تبدیل ہو جانا ممکن نہیں۔ یاد رکھیں تبدیلی کے پانچ لوازم ہیں:

(1)۔اخلاص، (2)۔علم، (3)۔جذبہ، (4)۔صحبت یا ماحول، (5)۔دعا

(1)۔<u>اخلاص:</u> اخلاص اللہ کی طرف سے شرطِ عین ہے۔اخلاص کے بغیر کچھ بھی نہیں ہونے والا۔عدم اخلاص کا نتیجہ دوڑ دھوپ کو صفر سے ضرب دینا ہے۔اسلئے اگر ہم تبدیل ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنا محاسبہ کرتے ہوئے اپنی نیت درست کرنی ہے، اپنے اندر اخلاص لازماً پیدا کرنا ہے۔اخلاص پر آنے کیلئے: 'عدم اخلاص کی قباحت' سے واقفیت حاصل کرنا، 'اللہ کی معرفت' حاصل کرنا اور 'آخرت کا یقین' پیدا کرنا ضروری ہے۔تفصیل کیلئے دیکھئے: ('اخلاص': نجات کی پکار نمبر۔12)

(2)۔<u>علم:</u> اخلاص کے بعد تبدیلی کا دوسرا زینہ علم ہے جو ٹارچ کی مثل ہے۔علم اندھیروں کو دور کر کے چلنے کا راستہ دکھاتا ہے۔تبدیلی کیلئے دنیا وآخرت کی بابت علمی آگاہی پیدا ہونا ضروری ہے۔لیکن خالی علم آجانے سے بھی انسان عمل پر نہیں آجاتا جب تک باقی لوازم پورے نہ ہوں۔

(3)۔<u>جذبہ (Motivation):</u> اگر فطرت سلیمہ مسخ نہ ہوگئی ہو یا مر نہ چکی ہو تو علمی آگاہی تبدیلی کا بھرپور جذبہ پیدا کر دیتی ہے۔یہ جذبہ کچھ کرنے کیلئے جسم میں تحریک پیدا کر دیتا ہے، گویا آگ لگا دیتا ہے۔یہ جذبہ جس قدر شدید ہوگا اسی قدر تبدیلی کیلئے بے چینی اور تحریک پیدا ہوگی۔ان تین لوازم کے موجود ہونے سے بھی گاڑی شاید پٹڑی پر نہ چڑھ سکے جب تک چوتھا لوازم موجود نہ ہو۔

(4)۔<u>ماحول یا صحبت:</u> تبدیلی کیلئے ماحول یا صحبت کا <u>سب سے زیادہ</u> عمل دخل (Role) ہے۔جب تک ماحول تبدیل نہیں ہو جاتا محض علم یا جذبہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ماحول کے ہاتھوں انسان <u>بے بس اور مجبور</u> ہے۔چار و ناچار آپ نے وہی کچھ کرنا ہے جس قسم کے ماحول میں آپ کے شب و روز بسر ہو رہے ہیں۔اگر

کوئی اپنا ماحول تو تبدیل نہیں کرتا لیکن آرزو کرتا ہے کہ راہِ سعادت پر چڑھ جائے تو اسکی خام خیالی ہوگی۔شاید اسی لئے اسلام میں ہجرت کا حکم ہے جسے آج ہم بھول چکے ہیں۔یاد دہانی کیلئے درج ذیل آیات ملاحظہ کریں:

''بے شک وہ لوگ کہ روحیں قبض کریں گے جنکی فرشتے اس حال میں کہ وہ ظلم کر رہے تھے اپنی جانوں پر، پوچھیں گے ان سے فرشتے تم کیا کرتے رہے؟ وہ کہیں گے تھے ہم بے بس اور کمزور اپنی سرزمین میں۔فرشتے کہیں گے کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم ہجرت کر جاتے اس میں۔سو یہی لوگ ہیں ٹھکانا ہے جن کا جہنم اور وہ بری جگہ ہے۔مگر وہ جو (واقعتاً) کمزور اور بے بس ہیں مرد، عورتیں اور بچے جو نہیں کر سکتے کوئی تدبیر اور نہیں پاتے کوئی راستہ۔سو یہ لوگ ہیں امید ہے اللہ معاف کر دے انہیں، اور اللہ بہت معاف فرمانے والا بڑا بخشنے والا ہے۔اور جو کوئی ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں، پائے گا وہ زمین میں ٹھکانے بہت سے اور فراخی۔اور جو نکلا اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ اور اسکے رسول کی طرف، پھر آلیا اسے موت نے تو ثابت ہوگیا اسکا اجر اللہ کے ذمے اور اللہ بہت معاف فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''(نساء:4:97-100)

نوٹ: اگر علاقہ یا رہائش ضروری دین: فرض واجب، حلال حرام کی راہ میں رکاوٹ بن رہا ہو تو جلد از جلد ہجرت کرنا ضروری ہے۔

اس ضمن میں آپ ﷺ کی ہجرت کے روشن باب سے کون آگاہ نہیں۔کفار سے ستائے جانے کے بعد آپ ﷺ طائف گئے، اہل طائف کی بدسلوکی پر بالآخر مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

اگر آپ بات سمجھ چکے ہیں اور تبدیلی کے خواہاں ہیں تو پھر جلد از جلد اپنی صحبت یا ماحول کو بہتر یا تبدیل کر لیں، ان شاء اللہ منزل مل جائے گی۔آیئے اس ضمن میں ہم بھی آپکی رہنمائی کیے دیتے ہیں:

<u>اقدامات:</u> اپنا ماحول یا صحبت بہتر کرنے کیلئے درج ذیل اقدامات کئے جا سکتے ہیں:

(۱)۔اگر ممکن ہو تو برے ماحول سے اچھے ماحول کی طرف ہجرت کرتے ہوئے اپنی رہائش تبدیل کر لی جائے۔

(۲)۔گھر کیلئے جگہ کے انتخاب یا کرائے پر گھر لیتے ہوئے اچھے ماحول یعنی: مسجد، مکتب، اچھے ہمسائے، محلے دار اور درس و تدریس کیلئے مواقع کا بھرپور خیال رکھا جائے۔

(۳)۔اگر سہولت میسر ہوتو گھر میں تنہائی ، مراقبہ، مطالعہ اور عبادت کے اہتمام کیلئے الگ کمرہ منتخب کرلیا جائے۔اگر الگ کمرہ دستیاب نہ ہوتو چھت یا صحن کو استعمال کیا جائے۔

(۴)۔گھر میں سہولت میسر نہ ہوتو مسجد یا لائبریری وغیرہ میں وقت گزارنے کی بھرپور کوشش کی جائے، بالخصوص فجر اور مغرب کی نماز کے بعد۔

(۵)۔اپنی صحبت بہتر کرنے کیلئے کتابوں بالخصوص قرآن مجید کا مطالعہ اور کمپیوٹر یا موبائل وغیرہ پر اچھے لیکچرز سنے جائیں۔

(۶)۔قبرستان، باغات، پارک اور کھیتوں وغیرہ کی پاکیزگی ، تنہائی اور خاموشی سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔

(۷)۔اپنے علاقے میں مختلف جگہوں پر ہونے والے دروس میں شمولیت اختیار کی جائے،اگر دروس میسر نہ ہوں تو کچھ لوگوں کو ملا کر خود ہفتہ وار درس شروع کرلیا جائے۔

یاد رکھیں! تبدیلی محض باتوں سے نہیں بلکہ کچھ کرنے سے ہوتی ہے۔دنیا کے بارے میں تو یہ اصول ہمیں اچھی طرح یاد ہے لیکن آخرت کے بارے میں ہم بھول جاتے ہیں۔ پیارے ساتھیو!اگر آپ واقعتاً کچھ کرنا چاہیں تو بہت سے راستے ہیں جنکی نشاندہی کردی گئی ہے۔آپ قدم اٹھائیں گے تو اللہ بھی آپ کا مددگار بن جائے گا،اس کا وعدہ ہے کہ:

﴿وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ۝﴾

''اور جنہوں نے کوشش کی ہمارے لئے،ان پر ہم ضرور کھولیں گے اپنی راہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہے۔''(عنکبوت:29:آیت۔69)

(5)۔<u>دعا:</u> مسلسل اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیے،ہم ناقص وکمزور ہیں،صرف وہی کام ہوسکتا ہے جسکی توفیق اللہ سے ملے،اسلئے اللہ کے ہاں منظوری کیلئے اسی سے فریاد کرنا ضروری ہے۔اگر اس نے ہمیں دین کیلئے قبول کرلیا تو پھر سب رکاوٹیں دور ہوجائیں گی۔اسلئے گڑگڑا کر بھرپور لمبی لمبی دعائیں کریں۔انشاءاللہ قبولیت ہوگی۔

یاد رکھیں! اگر آپ واقعتاً تبدیلی چاہتے ہیں تو آپ کو تبدیل ہونے کا ٹھیک ٹھیک حل بتلا دیا گیا ہے،آگاہی پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے مذکورہ طریقوں کو بہت سنجیدہ لیتے ہوئے انہیں زندگی میں داخل کرلیں ان شاء

اللہ منزل مل جائے گی۔انہیں داخل نہ کرنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ تبدیل ہونا ہی نہیں چاہتے۔انسان جس کام کوضروری سمجھتا ہے اسکے لئے وقت نکالتا ہے،اسے کرتا جاتا ہے جیسے: ناشتہ، کھانا پینا، ڈیوٹی پر جانا.....وغیرہ۔اگر دین سیکھنے،قرآن سمجھنے،نماز کی ادائیگی..... کیلئے وقت نہیں نکالا جارہا تو اسکا صاف مطلب یہی ہے کہ یہ کام ہمارے لئے ضروری نہیں۔!

<u>تبدیلی کا دوہرا عمل</u>: یہ بات ذہن نشین رہے کہ تبدیلی کے دونوں عوامل ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں۔یعنی انسان کی کاوش اللہ کیلئے اور اللہ کی توجہ بندے کو اپنی طرف مائل کرنے کیلئے۔جب آپ اللہ تعالیٰ کیلئے خلوص کے ساتھ کاوش کریں گے تو وہ بھی انشاءاللہ ضرور آپکی طرف ہاتھ بڑھائے گا۔جب اسکی توجہ ہوگئی تو منزل بڑی آسان ہوجائے گی۔اللہ ہمیں اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔(آمین)

اللہ دیکھ رہا

زندگی میں تبدیلی آجانے کے بعد اسے شوق وجذبہ سے برقرار رکھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ ہر لمحہ ہمیں ایمان و یقین اور یاد دہانی رہے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے، ہمارا ہر فعل اللہ کی نظر میں ہے۔اس ایمان ویقین اور یاد دہانی سے زندگی کو چار چاند لگ جائیں گے۔سیئات سے بچنے اور بھرپور اعمال صالحہ اور قربانی کیلئے طاقت وتوانائی ملنی شروع ہوجائے گی۔اب اگلا سوال یہ ہے کہ یہ تصور کیسے پختہ ہو؟ اسکے لئے:

۱۔اللہ کے سمیع وبصیر ہونے کے دلائل سے آگاہی پیدا کی جائے، ۲۔قرآن مجید سے تعلق تروتازہ رکھا جائے، ۳۔نیک پاک زندگی اختیار کی جائے اور اسکے سمیع وبصیر ہونے کے تصور اور مراقبے کا اعادہ کیا جائے۔

ہمارا ہر فعل بلکہ ہر سوچ کس طرح اسکی نظر میں ہے، چند دلائل ملاحظہ کریں:

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾(المجادلہ:58:آیت:7)

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ زمین اور آسمانوں کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے، تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کی مگر ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس

سے کم کی اور نہ زیادہ کی مگر وہ ساتھ ہی ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں، پھر قیامت کے دن انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔''

وہ تو ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔ اگر ہمارا اس سے تعلق ہے تو پھر پریشانی کس بات کی؟

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَکِیْٓ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَکُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ﴾ (المجادلہ: آیت۔1)

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ ﷺ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ تعالیٰ کے آگے شکایت کر رہی تھی، اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا ہے''۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح لوگوں کی باتیں سننے والا ہے کہ یہ عورت گھر کے ایک کونے میں نبی ﷺ سے مجادلہ کرتی رہی اور اپنے خاوند کی شکایت کرتی رہی مگر میں اس کی باتیں نہیں سن (سکتی) تھی لیکن اللہ نے آسمانوں پر سے اس کی بات سن لی۔ (ابن ماجہ: المقدمہ)

﴿وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ﴾ (آل عمران:3: آیت:92)

''اور (یقین رکھو) جو کچھ بھی تم خرچ کرتے ہو تو اللہ اسے جانتا ہے۔''

﴿یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ (تغابن:64: آیت:4)

''اسے علم ہے زمین و آسمان کی ہر ہر چیز کا، اور وہ جانتا ہے ہر اس چیز کو بھی جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو، اور اللہ تو جانتا ہے سینوں میں چھپے رازوں کو بھی۔''

کیا خوب خبر گیری ہے اسکی۔ امید ہے یہ دالائل اللہ پر یمان و یقین کے سفر میں معاون ثابت ہوں گے۔ اللہ ہمیں اپنے سمیع و بصیر ہونے کے پختہ تصور کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

۞۞۞۞۞

22۔ علم وکرامت

تحریر کا مقصد: مذکورہ موضوع پر اسلئے لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ کرامات کے حوالے سے اکثریت کو ظالم شیطان اپنی گرفت میں لے کر ہدایت سے دور کر چکا ہے۔علم وکرامت کے حوالے سے حقائق کو واضح کرنا تا کہ شیطان کے مکروفریب سے بچا جاسکے اس تحریر کا بنیادی مقصد ہے۔ بلاشبہ خوارقِ عادت (عقل کو عاجز کرنے والے) امور معجزہ کرامت وغیرہ کا ظہور برحق ہے،اسکا انکار نہیں کیا جاسکتا۔لیکن اسطرح کی چیزیں چونکہ ابلیس کیلئے چور دروازہ ہیں اسلئے اس ضمن میں حقیقتِ حال سے آگاہی بھی ضروری ہے تا کہ شیطان سے بچا جاسکے۔

خوارقِ عادت امور کی اقسام

خوارقِ عادت امور کی تین بڑی اقسام ہیں:

1۔ معجزہ، 2۔ کرامت، 3۔ استدراج یا شعبدہ بازی

کسی نبی یا رسول (علیہ السلام) سے ظاہر ہونے والے خوارقِ عادت کام کو 'معجزہ' کہتے ہیں۔معجزہ ہمیشہ من جانب اللہ ہی ہوتا ہے،اس میں شیطان عمل دخل نہیں کرسکتا۔خلافِ عقل کام نبی کے علاوہ کسی اور سے ظاہر ہوتو اُسے 'کرامت' یا 'استدراج' کہتے ہیں۔کرامت کا ظہور خیر و بھلائی پر مبنی ہوتا ہے اور یہ اللہ کے فضل کی علامت ہے جبکہ استدراج شیاطین کی کارستانی ہوتی ہے۔کرامت وہبی چیز ہے اکتسابی نہیں یعنی کرامت کا ظہور انسان کی اپنی کوشش اور ارادے سے ممکن نہیں بلکہ ضرورت کے تحت اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ کرامت کا ظہور نص قطعی سے ثابت ہے جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے لیے جنتی پھلوں کا آنا، اصحابِ کہف کا واقعہ جو باطل خداؤں کی پرستش سے انکار اور خدائے واحد کو اپنا کارساز بنانے پر پیش آیا۔جس کے مطابق قریباً 300 سال سے زائد عرصہ تک چند نوجوانوں کو پروردگار نے غار میں سلایا،ان کی حفاظت فرمائی پھر زندہ کیا۔وہ لوگ جو مخلص ہوں،حقیقی ایمان رکھتے ہوں اور شرک کی آلودگیوں سے اپنا دامن پاک رکھتے ہوں،ضرورت کے تحت اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ پر خرق عادت (عقل کو عاجز کرنے والے) امور ظاہر فرما سکتا ہے جسے کرامت کہتے ہیں۔

اگر خرقِ عادت امر کا ظہور شیاطین کے عمل دخل سے ہو تو اسے 'استدراج یا شعبدہ بازی' کہتے ہیں۔ شیاطین کے ذریعے استدراج کا ظہور انبیاء کرام کے علاوہ نیک و بد کسی پر بھی ظاہر ہو سکتا ہے۔ کرامت اور استدراج میں امتیاز شریعت (قرآن وسنت) کے محکم احکام سے ہی ممکن ہے۔ جیسا کہ پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے ساتھ درج ذیل ہلاکت خیز شیطانی استدراج پیش آیا:

''ایک مرتبہ ایک عظیم الشان روشنی ظاہر ہوئی جس میں آسمان کے کنارے بھر گئے اس سے ایک صورت ظاہر ہوئی اُس نے مجھ سے خطاب کر کے کہا ''اے عبدالقادر میں تمہارا رب ہوں۔ میں نے تمہارے لیے سب محرمات حلال کر دیے۔ میں نے کہا دور ہو مردود۔ یہ کہتے ہی وہ روشنی ظلمت سے بدل گئی اور وہ صورت دھواں بن گئی اور ایک آواز آئی کہ: اے عبدالقادر! اللہ ﷻ نے تم کو تمہارے علم و تفقہ کی وجہ سے بچا لیا ورنہ اس طرح میں تیرے جیسے ستر صوفیوں کو گمراہ کر چکا ہوں۔ میں نے کہا: محض اللہ کی مہربانی سے کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ کیسے سمجھے کہ یہ شیطان ہے؟ فرمایا: اس کے کہنے سے کہ میں نے حرام چیزوں کو تمہارے لیے حلال کر دیا۔'' (طبقات الکبریٰ، الشعرانی، جلد 1، ص 137، بہجۃ الاسرار)

اس طرح کے واقعات لاتعداد لوگوں کو پیش آ چکے ہیں۔ بعض کو اللہ ﷻ نے (انکے اخلاص اور تقوے کی بنا پر) شیطان کے فتنوں سے بچا لیا اور اکثر ہلاک ہو گئے۔

اگر پیرانِ پیرؒ کے ساتھ اتنا بڑا شیطانی استدراج پیش آ سکتا ہے تو پھر دیگر لوگ شریعت کو نظر انداز کر کے محض کرامات کے بل بوتے پر شیطان کے مکر و فریب سے کیسے بچ سکتے ہیں.....؟ شیطان تو انسانی شکل میں آ کر حدیثیں بھی بیان کر سکتا ہے، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

''بعض اوقات شیطان انسانی شکل میں کسی مجمع کے اندر آتا ہے اور لوگوں سے حدیث بیان کرتا ہے۔ جب مجمع چھٹ جاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہاں ایک شخص آیا تھا جس نے یہ حدیث بیان کی ہے جس کی شکل تو پہچانتا ہوں لیکن نام یاد نہیں اور وہ شیطان ہوتا ہے''۔

(صحیح مسلم ''المقدمہ'' روایت نمبر 17)

شیطان کی انسان دشمنی اور اسکی دسترس کی بنا پر ہی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''اگر کوئی کشف دن کی سفیدی سے زیادہ روشن ہو لیکن بال برابر بھی شریعت کے خلاف ہو تو وہ رات کی تاریکی سے بدتر ہے۔'' (مکتوبات شیخ احمد سرہندیؒ)

سمجھنے والی سب سے اہم بات

کرامات کے ظہور کا تو انکار نہیں لیکن سب سے اہم سمجھنے والی بات یہی ہے کہ:

''دین کا حتمی معیار کرامات ہرگز نہیں بلکہ یقینی علم یعنی قرآن وسنت کے محکم دلائل ہیں۔ جبکہ ہماری خرابی یہ ہے کہ ہم کسی شخصیت یا گروہ کو حق پر ثابت کرنے کیلئے اسکے علم، اخلاص، تقویٰ، قرآن وسنت کی پاسداری کی بجائے اسکی طرف منسوب کرامات کا سہارہ لیتے ہیں۔ اگر چہ کسی سے درست کرامت کا ظہور بھی ہو تب بھی پختہ علم کی بنیاد پر شریعت کو ہی معیار بنانا چاہئے نہ کہ کشف وکرامات کو۔ کسی کے حق پر ہونے یا نہ ہونے کیلئے قرآن وسنت سے دلائل پیش کرنے چاہئیں نہ کہ کشف وکرامات۔ جس کسی نے پختہ علم یعنی قرآن وسنت کے محکم دلائل کی بجائے خوارقِ عادت امور کو سہارہ بنالیا، اسکی طرف شیطان کا دروازہ کھل گیا، اسکا اب شیطان سے بچنا بہت مشکل ہے۔''

جو بچنا چاہیں انکے لئے اس ضمن میں قرآن وسنت کے دلائل پیش خدمت ہیں تا کہ یقین حاصل ہو جائے۔

(۱)۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں یہ بات راسخ کرنے کے لیے کہ اسکی نجات حتمی علم یعنی تعلیمات وحی کی پیروی میں ہے۔ ایک مقام پر بات کو اس طرح واضح کیا ہے کہ ظالم شیطان کے لیے رخنہ اندازی کے سارے راستے بند کر دیے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ وَ اِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ﴾ (سبا:34: آیت:50)

''(اے نبی) فرما دیجئے کہ اگر میں راستے سے ہٹ گیا ہوں تو اسکا وبال مجھ پر ہی ہوگا اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس کی وجہ وہ وحی ہے جو میرا رب مجھ پر کرتا ہے بے شک وہ بڑا سننے والا اور بہت ہی قریب ہے''

کیا حضور ﷺ سے بڑھ کر بھی کوئی اس دنیا میں ہوگا جو اس قرآن کو معیار بنائے بغیر ہدایت پر رہ

سکے؟۔کیا یہ بات جان لینے کے باوجود بھی ہم شیطان کے وسوسوں کا شکار ہوں گے؟

(۲)۔ خود آنحضور ﷺ سے یہ اعلان کروایا کہ آپ ﷺ لوگوں کو بتا دیں کہ میں اور میرے رفقاء نے دین کی بنیاد صرف واضح دلیل و برہان یعنی تعلیماتِ وحی پر رکھی ہے چنانچہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَo﴾ (یوسف:12:آیت:108)

''فرما دیجیے یہ میرا رستہ ہے میں بُلاتا ہوں اللہ جل جلالہ کی طرف واضح دلیل پر ہوں میں بھی اور میرے پیروکار بھی اور اللہ جل جلالہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔''

(۳)۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات کھول کر بیان فرمائی ہے کہ ہدایت صرف اس کے لیے ہے جو تعلیمات وحی کو بنیاد بنائے گا حتیٰ کہ جب کفار نے آنحضور ﷺ سے خرق عادت امور کی طلب کی تو ارشاد ہوا:

﴿اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَo قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ شَهِيْدًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَo﴾ (العنکبوت:29:51-50)

''انھوں نے کہا کہ اس (رسول ﷺ) پر کچھ نشانیاں (معجزات) اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں اُتاری گئیں۔فرما دیجیے کہ نشانیاں تو سب اللہ کے پاس ہیں۔میں تو صرف کھلم کھلا آگاہ کر دینے والا ہوں۔کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل فرما دی۔ جو ان پر پڑھی جا رہی ہے۔اس میں رحمت بھی ہے اور نعمت بھی ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔''

(۴)۔ کفّار ہمیشہ حسی معجزات کی خواہش کرتے رہے اور تعلیمات وحی سے روگردانی کرتے رہے، آپ ﷺ کو تنگ کرتے رہے، پروردگار نے آپ ﷺ کو یہی حکم دیا کہ:

﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ

وَعِيۡدِ﴾ (ق:50: آیت:108)

''یہ جو کچھ کہ رہے ہیں ہم بخوبی جانتے ہیں اور آپ ﷺ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں، پس آپ ﷺ انہیں قرآن کے ذریعے سمجھاتے رہیں جو میرے وعید (ڈراوے) کا خوف رکھنے والے ہیں۔''

بلکہ آپ ﷺ نے تو امت پر واضح کر دیا کہ میرا معجزہ تو درحقیقت قرآن ہے، فرمایا:

''تمام انبیاء کو ایسے معجزات دیئے گئے جنہیں دیکھ کر (اس زمانہ کے) لوگ ایمان لائے لیکن مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ قرآن ہے جو بذریعہ وحی دیا گیا ہے، مجھے امید ہے کہ قیامت کے روز مجھ پر ایمان لانے والے تعداد میں سب سے زیادہ ہوں گے''

(صحیح بخاری، فضائل القرآن)

یعنی وہ معجزہ جو آپ ﷺ کی دعوت کی بنیاد بنا وہ قرآن ہے، لہٰذا اس زندہ و جاوید معجزہ کو چھوڑ کر بے اصل باتوں کے پیچھے لگ کر گمراہی کو مول لینا کیا عقلمندی ہے......؟

(۵)۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پروردگار نے یوں تلقین فرمائی:

﴿يٰيَحۡيٰى خُذِ الۡكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾ (مریم:19: آیت:12)

''اے یحییٰ (علیہ السلام)! میری کتاب کو مضبوتی سے تھام لو۔''

کس قدر سخت تلقین فرمائی جارہی ہے صرف کتاب کو تھامنے کی حالانکہ آپ علیہ السلام کی پیدائش ہی معجزانہ طریقہ سے ہوئی تھی۔ اسکے باوجود اگر پیغمبر کو اس چیز کی سخت حاجت ہے تو عام لوگ بغیر کتاب وسنت تھامے کیسے بچ سکتے ہیں۔؟

مضبوط دلائل سے بات ثابت ہوگئی کہ گمراہی سے بچنے کے لیے ہمیں یقینی علم یعنی قرآن وسنت کو بنیاد بنانے کا پابند کیا گیا ہے نہ کہ خرق عادت امور کا۔ اگر کسی نے بات مانتے ہوئے شیطان سے بچنا ہو تو اسکے لئے یقینی دلائل بیان کر دیئے گئے ہیں جن سے آگاہی کے بعد شک کی گنجائش ممکن نہیں۔ اہل عقل کے لئے ان دلائل میں بڑی عبرت ہے۔

<u>حقیقی ایمان:</u> پس معلوم ہوا حقیقی ایمان والے وہ لوگ ہیں جو صرف اور صرف پختہ علم یعنی قرآن وسنت کو بنیاد بناتے ہیں۔ بڑے سے بڑا خرق عادت کام بھی اُن کے ایمان کو متزلزل نہیں کر سکتا۔ اسکے برعکس روش پر

چلنے والے لوگوں کا دجال کے فتنہ سے بچنا ناممکن نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حال پر رحم فرمائے اور ان کا رخ قرآن وسنت کے یقینی علم کی طرف موڑ دے تاکہ نجات کی راہ ہموار ہو سکے۔ (آمین)

علم کی اہمیت

کشف وکرامات کی بجائے قرآن وسنت کے پختہ علم کو دین کا معیار بنانے کے حوالے سے بات تو واضح ہو چکی ہے لیکن علم کی اہمیت میں مزید دلائل پیش خدمت ہیں تاکہ مزید پختگی حاصل ہو جائے۔ اللہ کے ہاں شرف وفضیلت کا معیار کشف وکرامات کی بجائے علم وعمل، اخلاص، تقویٰ وسنت کی پاسداری ہے۔ عمل، تقویٰ اور سنت کی پاسداری کا دارومدار علم اور نیت یعنی اخلاص پر ہے۔ اگر علم ناقص ہوگا تو اسکی بنا پر کیا جانے والا عمل بھی ناقص ہی رہے گا۔ اسلئے علم کو خصوصی مقام حاصل ہے۔ جو جس قدر علم وعمل میں پختہ ہوگا اسی قدر شرف وفضیلت کا مستحق ہوگا۔ علم کا حصول اور اسے بنیاد بنانا کس قدر ناگزیر ہے، دلائل ملاحظہ کریں:

(۱)۔ <u>اللہ کا خوف</u>: اخروی زندگی کیلئے زادِراہ سمیٹنے کا دارومدار اللہ کے خوف پر منحصر ہے۔ جسے جس قدر اللہ کا خوف زیادہ ہوگا، اسی قدر اس میں تقویٰ بھی زیادہ ہوگا، اسی قدر گناہوں سے بچنے اور نیکیوں میں اضافے کی زیادہ لگن ہوگی۔ اس خوف کا دارومدار 'علم' پر ہے۔ جسے جتنا قرآن وسنت کا علم ہوگا، اسی قدر اسے رب کی حقیقی معرفت نصیب ہوگی، جیسا کہ پروردگار نے فرمایا:

﴿ اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا ﴾ (فاطر:35:آیت:28)

''اللہ سے تو اسکے بندوں میں سے تو صرف وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔''

حقائق سے بے خبر محض کشف وکرامات اور بے اصل خیالات پر عمل پیرا ہونے والوں کو اللہ سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔

(۲)۔ <u>علم کے بغیر پیروی کی ممانعت</u>: بغیر پختہ علم کے کسی چیز کی پیروی سے منع کر دیا گیا۔ علم کے تین بنیادی ذرائع کو استعمال کیا جائے۔ کانوں سے سن کر آنکھوں سے دیکھ کر اور دل سے سوچ کر بات پر عمل کیا جائے یا آگے بیان کی جائے اور ایسا نہ کرنے والوں پر بطور وعید تنبیہ بھی فرما دی گئی ہے:

﴿وَ لَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ اِنَّ السَّمۡعَ وَ الۡبَصَرَ وَ الۡفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ

عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴾(بنی اسرائیل:17:آیت:36)

''ایسی بات کے پیچھے مت پڑ جس کے متعلق تجھے علم نہ ہو، کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے''

(۳)۔ <u>درجات کی بلندی:</u> درجات کی بلندی کا باعث علم ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ وَ فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عَلْمٍ عَلِیْمٌ۝﴾(یوسف:12:آیت:76)

''ہم جسکے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں اور ہر علم والے کے اوپر علم والا ہے۔''

(۴)۔ <u>علم کے بغیر ظالم:</u> علم سے ناآشنا رہنے والے ظالم اور گمراہ قرار دے دیئے جاتے ہیں:

﴿ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَمَنْ یَّهْدِیْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ۝﴾(الروم:30:آیت:29)

''مگر جو ظالم ہیں وہ بغیر علم کے اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں۔تو جس کو اللہ گمراہ کر دے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے، اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔''

(۵)۔ <u>علم میں اضافے کا حکم:</u> کشف وکرامات کی بجائے علم میں اضافے کی دعا کا حکم دیا گیا:

﴿وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۝﴾(طٰہٰ:20:آیت:114)

''اور دعا کیا کرو کہ اے میرے پروردگار مجھے اور زیادہ علم عطا فرما۔''

(۶)۔ <u>عالم کی فضیلت:</u> رسول ﷺ نے فرمایا:

''عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح چودھویں رات کے چاند کو دیگر تمام ستاروں پر فضیلت حاصل ہے۔علماء، انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء (علیہم السلام) دینار اور درہم کا ورثہ نہیں چھوڑتے بلکہ انہوں نے علم کا ورثہ چھوڑا ہے، پس جس شخص نے اس (علم کے ورثے) سے حاصل کیا اس نے وافر حصہ لیا۔'' (مشکوٰۃ کتاب العلم، مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

یہ علم کے حصول کی فضیلت ہے نہ کہ خوارقِ عادت امور کی۔

(۷)۔ علم کے بغیر گمراہی:

اگر بنیاد قرآن وسنت کا پختہ علم نہ ہوا تو نتیجہ گمراہی نکلے گا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''عوام الناس جاہل لوگوں کو اپنا سردار بنائیں گے، ان سے مسائل دریافت کئے جائیں گے، وہ بغیر علم (قرآن وسنت) کے فتویٰ دیں گے، اس طرح وہ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔'' (مشکوٰۃ کتاب العلم، رقم۔206، بخاری ومسلم)

(۸)۔ باطل کا قلعہ قمہ علم سے: کتاب وسنت کے پختہ علم کے ذریعے ہی باطل کا قلعہ قمہ ہوگا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اس علم (کتاب وسنت) کو پیچھے آنے والوں میں سے ثقہ عادل محفوظ کریں گے۔ وہ اس علم سے غلو کرنے والوں کی تحریف اور باطل پرستوں کے غلط دعووں اور جاہلوں کی تاویلوں کی نفی کرتے رہیں گے۔'' (مشکوٰۃ کتاب العلم، رقم۔247، البیھقی)

جو کتاب وسنت کے پختہ علم کو پشت کر کے کشف وکرامات پر جمے ہوئے ہیں وہ باطل سے کیسے بچ سکیں گے.....؟

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ولی کون....؟

لوگوں کے نزدیک ولی صرف وہی ہے جو عقل سے ماوراء امور ظاہر کر کے دکھلائے اور جو ایسا نہ کر سکے وہ چاہے کتنا ہی پرہیزگار کیوں نہ ہو اسے ولی تسلیم نہیں کیا جاتا جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ o اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ o﴾ (یونس: آیت:63-62)

'' آگاہ ہو جاؤ اولیاء اللہ کو نہ کسی قسم کا خوف ہوگا نہ غم، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری اختیار کی''

یعنی اللہ کے نزدیک ولی وہ ہے جس میں دو شرائط پائی جائیں: (۱) ایمان، (۲) تقویٰ

'ایمان' کا مطلب ہے مان جانا، تسلیم کر لینا یعنی اللہ، رسول ﷺ، آخرت... کو مان جانا۔ اللہ ورسول ﷺ کو ماننے کا مطلب ہے قرآن وسنت کی ہر ہر بات کو تسلیم کر لینا۔ 'تقویٰ' کا معنی ہے بچ جانا یا ڈر جانا۔ یعنی

آخرت کے نقصان سے بچ جانا، اللہ سے ڈر جانا۔شب و روز میں ہر اس چیز سے دور رہنا جو اللہ و رسول ﷺ کی ناراضگی کا باعث ہے۔یعنی قرآن وسنت کی روشنی میں شب و روز بسر کرنا۔

معلوم ہوا ولی درحقیقت مومنین اور متقین کا دوسرا نام ہے۔وہ لوگ جن کا ایمان شرک سے پاک اور اعمال کی بنیاد قرآن وسنت پر ہو۔جنہوں نے دین میں اپنی مرضی نہیں کی بلکہ اللہ و رسول کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہو۔

خود خالق کائنات کی طرف سے ولی اللہ کی بابت وضاحت کے بعد ایمان والوں کے لئے شک کی گنجائش باقی نہیں۔لیکن اسے تسلیم تو وہی کرے گا جو سلیم الفطرت ہوگا۔کاش ہم پروردگار کی اس بات پر یقین کر لیں۔انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد یقینی ولی اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، انکے بعد اکثریت اہل علم : تابعین، تبع تابعین، فقہاء کرام اور محدثین

کرام سے، پھر انکے بعد امت سے ہر وہ اہل ایمان جس میں اخلاص اور تقویٰ موجود ہو انشاء اللہ وہ اللہ کے ہاں ولی ہی تصور ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں یقینی علم قرآن وسنت کو معیار بنا کر زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

23۔ فرقہ واریت

(حصہ اول)

تحریر کا مقصد: بلاشبہ فی زمانہ امت مسلمہ فرقوں میں بٹ چکی ہے۔اسلام کی جگہ بریلویت، دیوبندیت، اہلحدیثیت ،شیعیت..... وغیرہ نے لے لی ہے۔لوگ اسلام اور مسلم کی پہچان کی بجائے اپنے اپنے فرقوں، نسبتوں اور مسالک کی پہچان پر فخر کرتے ہیں۔یوں مسلمان اپنی حیثیت اور مقام کو بھول کر اتحاد اسلامی کو پارہ پارہ کرنے کا موجب بن چکے ہیں۔بلکہ لوگ نفرت وتعصب کی بھینٹ چڑھتے ہوئے ایک دوسرے کے دشمن بن چکے ہیں۔اگر کوئی اتحاد کی آواز اٹھاتا بھی ہے تو الا ماشاءاللہ اسکا مقصد بھی اپنے گروہ کی آبیاری ہی ہوتا ہے۔ان حالات میں بیماری کی جڑ کو واضح کرنا تاکہ سلیم الفطرت لوگ اس موذی مرض کو پہچان کر اس سراب سے نجات حاصل کرسکیں اور اتحاد امہ کی راہ ہموار ہو سکے،اس تحریر کا بنیادی مقصد ہے۔تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر:[امت اسلامیہ کا اتحاد اور ناجی گروہ کی صفات]

فرقہ واریت پسندیدہ یا ممنوع؟

سب سے پہلے یہ سمجھا جائے کہ فرقہ واریت یعنی مسلمانوں کا باہم متحد ہونے کی بجائے ٹکڑوں میں تقسیم ہونا اسلام میں پسندیدہ ہے یا ممنوع؟اگر تو پسندیدہ ہے تو خیر ہی خیر ہے لیکن معاملہ اگر اسکے برعکس ہے تو پھر ہر وہ شخص جو اسلام کا نام لیوا ہے اسے اس جرم سے بچنے کی فکر کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ اس جرم کا حصہ بننے کی۔چنانچہ اس ضمن میں قرآن وسنت سے رجوع کرتے ہیں:

فرقہ واریت سے باز رہو: ہمارے خالق نے بڑے واضح انداز میں فرقہ واریت سے باز رہنے کا حکم دیا:

﴿ وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ﴾ (آل عمران:3:آیت:103)

''اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور باہم پھوٹ نہ ڈالو۔''

اگر ہمیں اللہ کی بات کا لحاظ ہو تو فرقہ واریت کی نحوست سے بچنے کے لئے مذکورہ آیت ہی کافی ہے جس میں اثبات اور نفی دونوں طرح سے متنبع کر دیا گیا ہے۔اب اگر کوئی شخص اسکے برعکس عمل کرتا ہے تو وہ اللہ کے

دونوں حکموں کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوتا ہے اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہی جرم ہے۔

فرقہ واریت پر سخت وعید: پروردگار نے انسانیت کو متنبع کیا:

''بے شک جن لوگوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور ہو گئے گروہ گروہ (اے نبی) آپکا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ بس انکا معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہی ان کو بتلائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔'' (انعام:5:آیت:159)

یہ حکم عام ہے جس میں یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین سمیت وہ سب لوگ داخل ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے راستہ کو چھوڑ کر دوسرے دین یا طریقہ کو اختیار کر کے امت مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں، جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کے متعلق فرمایا:

''بات یہ کہ آیت عام ہے جو بھی اللہ و رسول ﷺ کے دین کی مخالفت کرے اور اس میں پھوٹ اور افتراق پیدا کرے، گمراہی اور خواہش پرستی کی پیروی کرے، نیا دین اختیار کرے، نیا مذہب قبول کرے وہی وعید میں داخل ہے کیونکہ حضور ﷺ جس حق کو لے کر آئے ہیں وہ ایک ہی ہے کئی ایک نہیں، اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو فرقہ بندی سے بچایا ہے اور آپ ﷺ کے دین کو بھی اس لعنت سے محفوظ رکھا ہے۔ اسی مضمون کی دوسری آئت شرع لکم من الدین..... الخ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فرقہ واریت کا انجام آگ: ارشاد ہوا:

﴿وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۝﴾ (آل عمران:3:آیت:105)

''تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقہ واریت کا شکار ہو گئے اور اختلاف کیا اسکے باوجود کہ انکے پاس روشن دلیلیں آ گئیں۔ ایسے لوگوں کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔''

اگر ہم بات سمجھنا چاہیں تو بات ہر پہلو سے کھول کر بیان کر دی گئی ہے۔ اب تو وہی تعلیمات وحی سے غفلت کا شکار ہو کر اس ظلم کا مرتکب ہو سکتا ہے جو خود آگ میں کودنا چاہتا ہو۔

مذکورہ آیات سے یہ بات ضرور واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مسلمانوں کی تفریق اور پھوٹ سخت نا پسندیدہ ہے جبکہ باہمی اتحاد و یکجہتی نہایت پسندیدہ ہے۔ لہذا اس موذی مرض سے بچنے کی ضرورت ہے نہ کہ

اسکا حصہ بننے کی۔اللہ ہمیں اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

امید ہے اب آپ میں یہ خواہش پیدا ہو چکی ہوگی کہ فوراً سمجھا جائے کہ فرقہ واریت کیا ہے تا کہ اس سے اپنا دامن پاک کیا جا سکے۔

فرقہ واریت کیا ہے؟

'فرقہ' فرق سے ہے جسکا معنی مختلف یا الگ کرنے یا تمیز کرنے کے ہوتے ہیں،فرقہ کی ضد جمع یا جماعۃ ہے۔مسلمان ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ اسلام کے نام لیوا سب ایک ہوں نہ کہ متفرق۔مسلمان ہو کر بھی گروہ بندی کا شکار ہونے کا مطلب ہے کہ ہمارے اندر خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں۔قرآن وسنت کی رو سے فرقہ واریت کی پہچان پیش خدمت ہے۔

(۱):سورہ آل عمران آیات: 103 تا105 پر غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ تعلیمات وحی کو مضبوطی سے نہ تھامنا،اللہ کی طرف سے نازل کردہ واضح تعلیمات کی موجودگی میں بھی انہیں رہنما نہ بنانا اور رسولوں کے پیچھے نہ لگنا فرقہ واریت ہے۔تعلیمات وحی سے انحراف عمومی طور پر فرقہ واریت ہے یعنی جو دین وشریعت یا واضح احکام اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام پر نازل فرمائے ان سے ہٹ جانا یا انکی بجائے بلا دلیل کسی اور چیز کو دین کا معیار قرار دینا فرقہ واریت ہے۔

(۲): عمومی طور پر تو قرآن وسنت سے انحراف فرقہ واریت میں داخل ہے لیکن خصوصاً شرک کا ارتکاب یا توحید باری تعالیٰ کو مرکزی اہمیت نہ دینا الگ فرقہ بنانا ہے۔چنانچہ جب یہودیوں اور عیسائیوں نے شرک کی بنا پر تفریق کی اور اپنے اپنے راستے کو نجات یافتہ قرار دیا تو پروردگار نے فرمایا:

> ''اور کہتے ہیں ہو جاؤ یہودی یا نصرانی تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے،فرما دیجئے نہیں بلکہ (ہدایت پر وہ جو اپنائے) طریقہ ابراہیم (علیہ السلام) کا جو یکسو (سب سے رخ پھیر کر ایک اللہ کے) ہو گئے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' (البقرہ:2:آیت:135)

یہاں خصوصیت کے ساتھ شرک سے بچنے اور توحید کو اپنانے کو نجات یافتہ راہ قرار دیا گیا ہے۔جو کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا امتیازی وصف تھا۔بلکہ بڑے ٹھوس انداز سے نبی کریم ﷺ کو مخاطب فرما کر اللہ رب العالمین نے نسل انسانی پر صراطِ مستقیم کو ان الفاظ میں واضح کر دیا ہے:

﴿وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا وَ لَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝﴾

(یونس:10:آیت:105)

''اور یہ کہ قائم رکھو اپنے آپ کو دین (اسلام) پر یکسو ہو کر، اور ہرگز نہ ہو جانا تم شرک کرنے والوں سے۔''

اس آیت کریمہ سے درج ذیل رہنمائی واضح ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ کے ذریعے امت کو خطاب، ۲۔دین حنیف (شرک سے پاک یکسو ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرنے اور اس) پر ڈٹ جانے کا حکم، ۳۔مزید پختگی کیلئے راہ شرک میں مبتلا لوگوں سے اپنا دامن پاک کرنے کا بھی حکم دے دیا۔

اس آیت کریمہ کا ایک ایک لفظ یہ بتلا رہا ہے کہ صراط مستقیم کی بنیادی خصوصیت اولین ترجیح کے ساتھ شرک کی پالیدگی سے بچنا ہے۔اس آیت کریمہ کے بعد کسی بھی سلیم الفطرت شخص کیلئے صراط مستقیم کی پہچان میں کوئی مشکل پیش نہیں آسکتی۔پس توحید کو اپنانا اور شرک سے بچنا ہی دراصل ہدایت یافتہ یا نجات یافتہ ہونا ہے اور یہی فرقہ ناجی میں داخل ہونا ہے۔لیکن افسوس کہ اس بنیاد کو چھوڑ کر بہت سی اور چیزوں کی بنیاد پر ہم نے الگ الگ فرقے بنا لئے ہیں۔اللہ ہماری اصلاح فرمائے۔(آمین)

نوٹ: دین میں اصل دلیل تو قرآن وسنت ہی ہے لیکن اجماع امت کو بھی حجت قرار دیا گیا ہے (دیکھئے النساء آیت:۱۱۵) کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ جمیع امت مسلمہ کسی معاملے میں احکامات وحی کے خلاف متفق ہو جائے۔

تفریق کے لئے مختلف ناموں کا استعمال

اپنے آپ کو مسلم (مسلمان) کے ٹائٹل کے ساتھ ہی منسوب کرنا چاہئے۔اسی نام پر ہمیں فخر کرنا چاہئے۔ ہمارے خالق نے انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے یہی نام استعمال فرمایا ہے۔اور ہمارا بھی یہی نام رکھا گیا ہے ،جیسا کہ قرآن مجید نے بیان فرمایا:

﴿مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰهِیْمَ هُوَ سَمّٰىکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِیْ هٰذَا﴾

(الحج:22:آیت:78)

''(پیروی کرو) اپنے باپ ابراہیم کے طریقے کی جس نے اس (قرآن کے نازل ہونے) سے پہلے تمہارا نام مسلم (مسلمان) رکھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے)۔''

نبی کریم ﷺ نے لوگوں کے مابین کفر اور اسلام، مسلم اور غیر مسلم یا کافر کے ناموں سے ہی تفریق کی ہے ۔قرآن وسنت میں کہیں بھی یہ نہیں آیا کہ جب تک کوئی بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث یا اہل تشیع نہ کہلائے گا اسکی بخشش نہ ہوگی۔ اور نہ ہی ایسے نام آل رسول، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، آئمہ کرام ومحدثین میں مستعمل تھے۔ ہاں اگر کوئی یہ کہے کہ میں فلاں گروہ..... کے منہج کو پسند کرتا ہوں یا اسکے زیادہ قریب ہوں تو حرج نہیں، لیکن یہ نہ کہے میں بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث، شیعہ..... ہوں۔ تاہم اگر کوئی حق اور باطل میں تمیز کیلئے کسی لقب کے استعمال کے بغیر نہ رہ سکے تو اسے اپنے آپ کو اہل حدیث، اہل سنت، بریلوی، دیوبندی، شیعہ کہلوانے کی بجائے یہ کہنا چاہئے کہ وہ منہج اہل حدیث، منہج اہل سنت، منہج بریلوی، منہج دیوبند، منہج اہل تشیع پر ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی جمیعت کو توڑتے ہوئے اپنے آپ کو بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث، اہل تشیع کے ناموں سے موسوم کرنے کی آخر کیا ضرورت ہے؟ کیا ''مسلم'' جو اللہ نے ہمارا نام رکھا اس پر ہمیں مطمئن نہیں ہونا چاہیے.....؟

اس فریب کی حقیقت

ایک بریلوی یہ خیال کرتا ہے کہ اگر بریلوی کے نام سے الگ شناخت نہ ہوگی تو عوام کو کیسے معلوم ہوگا کہ حق گروہ کون سا ہے؟، اسی طرح دیوبندی یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر دیوبندی کی شناخت ختم ہوگئی تو عوام کو اہل حق کی پہچان کیسے ہوگی؟۔ یہی صورت حال اہلحدیث اور اہل تشیع کی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو یہ ایک سراب ہے جس میں شیطان نے الجھایا ہے اور اسکی وجہ گروہ بندی ہے۔ جب آپکو گروہ کی بجائے اسلام سے محبت ہو جائے گی تو آپ کیلئے ان حصاروں کی کوئی اہمیت نہیں رہے گی۔

<u>نام نہیں کام:</u> ہم کام کی بجائے نام کو نجات کا سبب سمجھتے ہیں۔ جبکہ اصل بات عقائد وافعال کی ہے۔ کوئی جس قدر تعلیمات وحی کے زیادہ قریب ہوگا اسی قدر حق کے قریب ہوگا اسکا نام خواہ شیعہ ہو، دیوبندی، اہلحدیث یا بریلوی۔ جس طرح شراب کی بوتل پر روح افزاء لکھنے سے وہ روح افزاء میں تبدیل نہیں ہوسکتی اسی طرح اپنا نام اہلسنت وغیرہ رکھ لینے سے کوئی ہرگز اہلسنت نہیں بن سکتا جب تک وہ اہلسنت کے بنیادی عقائد وافعال کو تسلیم نہ کرے اور ان پر عمل پیرا نہ ہو۔ کیا خوبصورت بات کی ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے:

''اگر آل محمد ﷺ سے محبت کا نام رافضی ہے تو دونوں جہاں میرے رافضی ہونے پر گواہ ہو جائیں۔'' (امام شافعیؒ کتاب الام، جلد۔۱، صفحہ۔۱۴)

باطن کا درست ہونا ظاہر سے زیادہ ضروری ہے۔

نوٹ: بعض لوگ مسلم کے علاوہ کسی اور نام سے اپنے آپ کو منسوب کرنے والوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ انکا یہ طرزِ عمل درست نہیں۔ جب تک کوئی شخص یا گروہ پانچ بنیادی چیزوں کا اقراری رہے وہ قانونی طور پر مسلمان ہی رہے گا، دلوں کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے۔ وہ پانچ چیزیں یہ ہیں:

۱۔ اللہ کی وحدانیت، ۲۔ حضور اقدس ﷺ کی ختم نبوت، ۳۔ قرآن مجید کے محفوظ ہونے، ۴۔ ضروریات دین میں سے کسی کا انکاری نہ ہو، اور

۵۔ مسلمانوں کے قبلہ کو اپنا قبلہ تسلیم کرتا ہو۔

اسلام سے مراد: اسلام مشتمل ہے: ''اللہ تعالیٰ، اسکا پیارا رسول ﷺ، قرآن، سنت اور اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر'' ہر بات کو ان پانچ کے تابع رکھنے کا نام اسلام ہے جو کہ بڑا مشکل کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کو سمجھنے اور حقیقی طور اسے ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھنے کی بڑی وجہ!

فرقہ واریت کے جال میں پھنسنے کی کئی وجوہات ہیں جیسے: تعصب، ضد، خواہش نفس کی پوجا، جہالت وغیرہ۔ لیکن سب سے بڑی وجہ 'اکابر پرستی' ہے۔ یعنی اپنے اپنے پسندیدہ بزرگانِ دین کو نبی کے مرتبے پر فائز کرتے ہوئے، انکی ہر بات کو وحی کا درجہ دیتے ہوئے انہیں خطا سے پاک تصور کرنا۔ یہی وہ سب سے بڑی چال ہے جسکے ذریعے ظالم شیطان انسانیت کو قابو کر کے گمراہی پر مائل کرتا ہے۔ شیطان کی زبردست چال سے نجات کیلئے امت کے سب سے بڑے اولیاء یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چند اجتہادی خطائیں پیش خدمت ہیں تاکہ دیگر لوگوں کو نبی کے درجے پر فائز کروانے کی شیطانی چال سے چھٹکارہ نصیب ہو سکے۔ اکابر پرستی کی تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحاریر: [''رسالت کا حقیقی تصور'' اور ''ہدایت'']

(۱)۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد میں الفاظ کو تبدیل کرنا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی وفات مبارک کے بعد تشہد میں ﴿**ایھا النبی**﴾ کی بجائے ﴿**علی النبی**﴾ پڑھنا شروع کر دیا تھا یعنی صیغہ حاضر کو صیغہ غائب سے تبدیل کر دیا دیکھئے:

(بُخاری ''کتابُ الاستیذان'' رقم 6265)

(۲)۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ کا فلق اور ناس کو قرآن کا حصہ نہ ماننا: سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ کی اپنی رائے میں سورہ فلق اور ناس جادو کے توڑ کیلئے بطور وظیفہ نازل ہوئی تھیں اور وہ انہیں قرآن کا حصہ نہیں مانتے تھے، تفصیل کیلئے دیکھئے: (بُخاری ''ابواب التفسیر، سورہ ناس'' رقم 2094)

کیا آج انکی اس رائے کو اسوہ بنایا جاسکتا ہے.....؟ حالانکہ وہ علم وفقاہت اور تقویٰ کے بلند ترین مقام پر تھے۔

(۳)۔ متہ کی بابت سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ کا فتویٰ: غزوہ خیبر کے موقع پر آپ ﷺ نے متعہ کو قیامت تک کے لیے حرام کر دیا تھا جس کی خبر عبداللہ بن عباس ؓ تک نہیں پہنچی تھی اسی لئے آپ ؓ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد 50 سال تک اس کے جواز پر ہی فتویٰ دیتے رہے حتیٰ کہ عبداللہ بن زبیر ؓ کے بتانے پر آپ ؓ نے رجوع کیا۔

(بُخاری کتابُ النکاح، رقم 5116 ، مسلم)

(۴)۔ باہمی اختلافات و جنگ: بہت سارے معاملات میں صحابہ کرام باہم متفق نہ ہونے کی وجہ سے شدید اختلاف کی بنا پر جنگیں (جنگ جمل اور جنگ صفین وغیرہ) بھی ہوئیں جن میں ہزاروں صحابہ کرام رضوان علیم اجمعین آپس میں ایک دوسرے کے مقابلے میں لڑتے ہوئے شہید بھی ہوئے۔

اختصار کی خاطر انہیں پر اکتفا کرتے ہیں، اس قسم کے بہت سے مزید واقعات موجود ہیں جن سے یہی یقینی نتائج (جن سے انکار ممکن نہیں) سامنے آتے ہیں کہ:

(۱)۔ دین میں حتمی معیار اور اسوہ صرف اور صرف اللہ اور اسکا رسول ﷺ (قرآن و سنت) ہی ہیں۔ (۲)۔ اولیاء کی شخصی پیروی تو درکنار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصی پیروی کی بجائے اجماعی پیروی ہی میں نجات ہے، یعنی کسی صحابی کی وہ رائے جس پر باقی صحابہ بھی متفق ہوں۔ اسلئے انفرادی معیار کی بجائے صحابہ کرام کا اجماعی معیار دین کا تقاضا ہے۔ (۳)۔ دین کی بنیاد اور معیار صرف اور صرف قرآن وسنت کا یقینی علم ہے نہ کہ شخصیات کا مرتبہ ومقام یا کشف وکرامات وغیرہ۔

اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے حقیقت یہ ہے تو پھر کیا ہمارے اکابرین و بزرگان دین کا درجہ ان صحابہ سے بڑھ کر ہے کہ اپنے بزرگوں کو ہم خطا سے پاک تسلیم کرتے ہیں.....؟

نوٹ: اس ضمن میں وہ حدیث کہ ''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جسکی پیروی بھی کرو گے ہدایت پر آجاؤ گے'' سند کے اعتبار سے ضعیف اور قابل اعتبار نہیں۔

<u>فرقہ واریت سے نجات:</u> فرقہ واریت سے نجات پانے کیلئے یہ ضروری ہے کہ ہم:

(۱)۔تنگ نظری اور جمود کا شکار ہونے سے بچیں۔فرقوں مسالک اور علماء پر جامد ہونے کی بجائے اللہ اور رسول ﷺ پر جامد ہوا جائے۔ذہن کو بات سننے کیلئے کھلا رکھیں۔ (۲)۔اپنے فرقے کے علاوہ دوسروں کی بات بھی سنیں، (۳)۔دین کو علماء کے سپرد کرنے کے بجائے قرآن وسنت کو خود بھی سمجھیں۔

اگر یہ تین کام ہم پر گراں ہیں تو پھر فرقہ پرستی کے جرم سے چھٹکارہ ممکن نہیں۔اللہ ہمیں فرقوں، مسالک کی بجائے اسلام اور مسلمان کے ٹائٹل کے ساتھ محبت کی توفیق نصیب فرمائے۔(آمین)

<u>اکثریت یا اقلیت؟</u> لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مختلف مکاتب فکر میں سے سب سے بڑا گروہ راہِ حق پر ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

((سوادِ اعظم کی پیروی کرو جو اِس سے الگ ہوا وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔))

(ابن ماجہ ''کتابُ الفتن'' رقم 3950)

جمہور محدثین کے نزدیک مذکورہ روایت کی سند سخت ضعیف ہے۔اس کے راوی ''معاذ بن رفاعہ کو لین الحدیث یعنی کمزور حدیثیں بیان کرنے والا کہا گیا ہے (تقریب التہذیب ، 6747) دوسرا راوی ''ابو خلف لائی کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے متروک لکھا (تقریب والتہذیب؛8083) اور ابو حاتم رازی نے ''شیخ منکر الحدیث کہا (الجرح تعدیل 279/3)، یہی صورت حال باقی دو راویوں کی ہے۔قرآن مجید کی تمام آیات یہی بتلاتی ہیں کہ لوگوں کی اکثریت ہمیشہ گمراہی کے رستہ پر رہتی ہے:

''اور اگر تم دنیا میں اکثریت کی پیروی کرو گے تو وہ تو تمہیں اللہ جل جلالہ کی راہ سے ہٹا کر گمراہ کر دیں گے۔وہ تو محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔'' (انعام:5:آیت:116)

پھر بھی مذکورہ ضعیف روایت کی بنا پر کوئی اپنے آپ کو ناجی گروہ میں شمار کرنا چاہے تو اسے یہ بھی سوچ لینا چاہئے کہ: پاکستان میں بریلوی اکثریت میں، بنگلہ دیش میں دیوبندی، سعودی عرب، شام، کویت میں سلفی یا اہلحدیث، ایران میں اہل تشیع..... تو کیا ہر علاقے کی اکثریت کو معیار مانا جائے گا؟ امید ہے بات

سمجھ آ چکی ہوگی۔ حقیقت وہی ہے جو قرآن میں بیان ہوگئی کہ اکثریت ہمیشہ گمراہی پر ہی قائم رہتی ہے۔

ابو یحیٰ صاحب

عصر حاضر کے نامور مصنف ابو یحیٰ صاحب نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف 'تیسری روشنی' میں فرقہ واریت کے بھنور سے نکلنے کا زبردست حل پیش کیا ہے۔ مصنف نے فرقہ واریت اور گروہی تعصّبات کے بھنور سے نکلنے کیلئے بڑے اہم نکات اٹھائے ہیں جنکی انتہائی مختصر وضاحت پیش خدمت ہے:

(۱)۔ <u>فرع اور اصل کا فرق:</u> دین میں کچھ اصولی اور بنیادی باتیں ہیں اور کچھ فروعی۔ بنیادی باتیں مقاصد کا درجہ جبکہ فروعی چیزیں ان کی معاونت کرتی ہیں۔ اصولی اور بنیادی چیزوں کو چھوڑ کر فروعیات کو دعوت کا موضوع بنالینا گروہی تعصّبات کی بنیادی وجہ ہے۔

(۲)۔ <u>جہالت اور جذباتیت:</u> محقق اہل علم میں اختلاف تو صرف علمی حد تک رہتا ہے جبکہ کم علم جو علم و تحقیق سے دور ہوتے ہیں وہ جذبات کی وجہ سے اختلافات کو مخالفت تک پہنچا کر فرقہ واریت کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ تعصب اور فرقہ واریت پھیلانے والے یا تو کم علم ہوتے ہیں یا جذبات کے مارے ہوئے، جبکہ صاحبان علم اور جذبات پر قابو رکھنے والے اہل علم ہمیشہ ایسی چیزوں سے دور رہتے ہیں۔

(۳)۔ <u>غیر اعلانیہ نبوت:</u> نبی کا انتخاب تو خالق کی طرف سے ہوتا ہے۔ اسکی اطاعت فرض ہے اور اسکا انکار کفر۔ یہ مقام نبی کے علاوہ کسی اور کا نہیں ہوسکتا۔ جبکہ بدقسمتی سے یہی مقام لوگ اپنے اپنے اکابرین و بزرگانِ دین کو دے کر انہیں غیر اعلانیہ نبوت کے درجے پر فائز کر دیتے ہیں۔ غیرِ نبی کتنے ہی بڑے مرتبے کا کیوں نہ ہو بہرحال وہ انسان ہے جسے وحی کی تائید حاصل نہیں۔ اسکی رائے غلط ہو سکتی ہے، اسکی تحقیق غیر مستند ہوسکتی ہے اسلئے نبی کی طرح اسے حق بنا کر پیش نہ کیا جائے۔

(۴)۔ <u>منافقین اور مستشرقین کا طریقہ:</u> منافقین اور مستشرقین کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ چیزوں کے مثبت پہلوؤں کو نظر انداز کر کے ہمیشہ منفی پہلوؤں کو اچھال کر پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ کسی کی پوری زندگی اور شخصیت کو نظر انداز کر کے اسکی تقریر یا تحریر کا کوئی ایک جز وسیاق وسباق سے ہٹا کر پیش کر کر کے نفرت و دشمنی کا بازار گرم کرتے دیتے ہیں۔ یہ لوگ خوردبین سے دیکھتے اور اسے دوربین سے دکھاتے ہیں۔

(۵)۔ غیر روایتی کام کی مخالفت: لوگ جب اپنے سامنے کسی ایسے عالم یا محقق کو دیکھتے ہیں جس کا کام انتہائی غیر معمولی، معاصرین کے وہم و خیال سے بلند و بالا مگر غیر روایتی ہوتا ہے۔ ایسا غیر روایتی مختلف اور منفرد کام بھی تعصّبات کو بھڑکانے کا سبب بن جاتا ہے۔

(۶)۔ اسلاف کا طریقہ: لوگ اسلاف کا نام تو لیتے ہیں لیکن انکے طرزِ عمل پر کم ہی عمل پیرا رہتے ہیں۔ ہمارے اسلاف اپنے کسی کام کو حرفِ آخر نہیں کہا کرتے تھے اور نہ لوگوں کو دلیل کی بنیاد پر اپنے آپ سے اختلاف رکھنے سے منع کرتے تھے۔ وہ اپنے کام کو علمی کام سمجھتے تھے نہ کہ حق کا معیار، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''میری رائے درست ہے اگرچہ غلطی کا امکان رکھتی ہے اور دوسرے شخص کی بات غلط ہے اگرچہ اسکے درست ہونے کا احتمال ہے۔''

آج جتنے بھی مسائل ہیں وہ دراصل اسلاف کے اس اصول کو چھوڑ دینے کا نتیجہ ہے۔

(۷)۔ جھوٹے پروپیگنڈے کو بلا تحقیق پھیلانا: سنی سنائی باتوں کو بغیر تحقیق پھیلانا فرقہ واریت کی بڑی وجہ ہے۔ ہمارے معاشرے کی یہ نفسیاتی کمزوری ہے کہ ہم لوگوں کو شیطان یا فرشتے کی سطح پر رکھتے ہیں۔ جس عالم سے ہم متاثر ہو جائیں اسے فرشتہ اور جس شخص کے خلاف ہمارا عالم محاذ کھول دے اسے شیطان بنا دیتے ہیں کہ اس میں کسی خوبی کا پایا جانا ممکن نہیں۔ الزام و بہتان تراشنے والا کوئی ایک شخص ہوتا ہے، مگر باقی لوگ کارِ ثواب سمجھ کر اسے پھیلانے لگ جاتے ہیں۔

اگر ہم ان باتوں پر کان دھریں تو ہمیں تعصب اور فرقہ واریت کے بھنور سے نکالنے کیلئے کافی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرقوں، مسالک اور دیگر نسبتوں کی بجائے اسلام، مسلمان اور مومن کے ٹائٹل کی محبت ہمارے دلوں میں جاگزیں کر کے ہمیں اسلام کی پہچان اور اس پر عمل پیرا ہونا نصیب فرمائے۔ (آمین)

۞۞۞۞۞

24۔ فرقہ واریت

(حصہ دوم)

تحریر کا مقصد: حصہ اول میں فرقہ واریت کے ضمن میں اجمالی خاقہ پیش کرنے کے بعد کچھ مزید ضروری حقائق واضح کرنا تا کہ اس سراب سے نجات ممکن ہو سکے، اس تحریر کا بنیادی مقصد ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: [امت اسلامیہ کا اتحاد اور نجات یافتہ گروہ]

فرقہ واریت سے نجات کے یقینی فوائد

سب سے پہلے یہ بات واضح ہو جائے کہ فرقہ واریت سے نجات کے یقینی فوائد کیا ہیں تا کہ فرقہ واریت سے نجات کا شوق و جذبہ پیدا ہو۔ جب اسلام کی محبت مسالک اور گروہوں پر غالب آجائے تو پھر مسلمان کی پہچان پر فخر محسوس ہونے لگتا ہے۔ گروہ بندی کی زنجیریں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اس عظیم سعادت کے حصول پر درج ذیل یقینی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(۱)۔ نافرمانی سے نجات: قرآن مجید میں فرقہ واریت سے سختی سے منع کیا گیا ہے لہٰذا فرقہ واریت سے بچنا اللہ کی نافرمانی سے بچنا ہے اور فرقہ واریت پر قائم رہنا اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب ہے، جو کہ دنیا و آخرت میں خسارہ ہے۔

(۲)۔ اتحاد و یکجہتی: متحد ہونا اللہ اور رسول ﷺ کی چاہت جبکہ ٹکڑے ٹکڑے ہونا شیطان کی خواہش ہے۔ ٹکڑوں کی بجائے اسلام کے دامن میں آنے سے اتحاد و یکجہتی کی عظیم دولت کے نصیب ہونے سے اللہ کی یہ چاہت پوری ہو جاتی ہے۔

(۳)۔ سچائی کی پیروی کی توفیق: مسالک و مکاتب اور من پسند شخصیات کی محبت انسان کو اندھا کرتے ہوئے اپنے گروہ کی تائید میں جھوٹ اور خیانت پر آمادہ کرتی ہے۔ اس خیانت اور جھوٹ سے نجات تبھی ممکن ہے جب اسلام سے محبت گروہوں پر غالب ہو جائے۔

(۴)۔ ساری تعلیمات تسلیم کرنے کی توفیق: گروہ کی محبت انسان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اسلام کی

صرف انہیں تعلیمات سے آشنا رہے جو اسکے گروہ کے موافق ہوں۔ ناموافق تعلیمات کی تفہیم اور عمل سے انسان کوسوں دور ہی رہتا ہے۔لیکن جب اسلام کی محبت غالب آجائے تو پھر ساری تعلیمات جاننے اور تسلیم کرنے کی توفیق نصیب ہوجاتی ہے۔ پھر انسان یہ نہیں دیکھتا کہ بات کسی دوسرے یا اپنے فرقے کے موافق ہے یا ناموافق۔

(۵)۔ <u>قرآن وسنت سے اعراض:</u> حقیقی ایمان اور اسلام سے محبت تو قرآن وسنت کو من وعن تسلیم کرنے کی طرف رغبت جبکہ گروہ بندی کی لعنت اپنے گروہ کے ناموافق آیات واحادیث سے اعراض کرنے کا باعث بنتی ہے۔ معاشرے میں لوگوں کی طرف سے اس بڑے جرم کے ارتکاب کا بارہا مشاہدہ ہوا۔ اللہ ہمیں معاف فرمائے۔ (آمین)

(۶)۔ <u>قرآن وسنت کی غلط تاویل وتحریف:</u> ظالم شیطان مسالک ومکاتب اور من پسند شخصیات کی محبت کو استعمال کرتے ہوئے اس حد تک اندھا کر دیتا ہے کہ انسان ہر وہ چیز جو اسکے پسندیدہ فرقہ کے خلاف ہو اسے سننا بھی گوارہ نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ بات اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر سننا پڑ بھی جائے تو پھر فرقے کے تحفظ میں وہ غلط تاویل اور تحریف کا سہارہ لیتا ہے جو کہ بہت بڑی لعنت ہے۔

(۷)۔ <u>امن وایمان اور قلبی سکون کا حصول:</u> جب تک فرقہ واریت سے چھٹکارہ نہ ہوگا پورے اسلام کو تسلیم کرنے اور اتحاد ویکجہتی کی توفیق نہ ملے گی۔ جزوی اسلام اور لوگوں سے نفرت سے کبھی امن وایمان اور حقیقی چین نصیب نہیں ہوسکتا۔ اگر امن وایمان اور قلبی سکون چاہئے تو فرقوں کی بجائے اسلام کے دامن کو تھامنا ہوگا۔

فرقہ واریت سے نجات کی گھاٹی

فرقہ واریت کیا ہے؟ اسکی قباحتوں (حصہ اول) سے روشناس ہونے اور فرقہ واریت سے نجات کے عظیم فوائد کو جاننے کے بعد سب سے اہم بات یہی رہ جاتی ہے کہ فرقہ واریت کے بھنور سے نکلا کیسے جائے؟ اس ضمن میں کچھ رہنمائی حصہ اول میں پیش کی جاچکی ہے۔ کچھ مزید حقائق پیش خدمت ہیں۔ انشاء اللہ انکی تفہیم اور ان پر عمل اس خطرناک بھنور سے نکال کر عظیم سعادت کی راہ پر گامزن کرنے کا باعث ہوگا۔ چنانچہ اس بھنور سے نجات کا شوق رکھنے والوں کو ان پر بھرپور غوروفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ فرقہ واریت سے نجات پانے کیلئے بہت بڑی گھاٹی عبور کرنی پڑے گی جسکا نام ''**تعصب**'' ہے۔

تعصب سے نجات

انبیاء علیہم السلام کے ادوار میں قتال اور قبولِ اسلام پر کفار کی جانب سے تکالیف اور اذیتوں کا کڑا امتحان تھا۔ جبکہ موجودہ دور میں تعصب کا سخت امتحان درپیش ہے۔ نجات تک پہنچنے کیلئے تعصب کی مشکل ترین رکاوٹ کو عبور کرنا ہوگا۔ ظالم شیطان نے اس خطرناک بیماری میں مبتلا کرا کر اہل اسلام کو ہدایت سے بھی دور کیا ہے اور اتحاد کو بھی پارہ پارہ کر دیا ہے۔ تعصب یہ ہے کہ اپنے علاوہ کسی دوسرے کو برداشت نہ کیا جائے۔ صرف اور صرف اپنی برتری کو پیش نظر رکھا جائے۔ قلب و ذہن سے دوسروں کی کسی بات کے درست ہونے کا احتمال ختم کر دیا جائے۔ ظاہر ہے اس بیماری کا نتیجہ اصلاح و ہدایت اور اتحاد و یکجہتی کی بجائے گمراہی، نفرت و دشمنی اور گروہ بندی ہی نکلے گا۔ تعصب کی اس بیماری کی موجودگی میں اپنا گروہ عین حق پر جبکہ باقی سب گمراہ ہی نظر آئیں گے۔ اس بیماری کی موجودگی میں نہ تو قرآن کی بات ہدایت کا سبب بن سکتی ہے اور نہ ہی پیغمبر علیہ السلام کی۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا:

﴿وَمَا تَفَرَّقُوٓا اِلَّا مِنۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡيًۢا بَيۡنَهُمۡ﴾ (شوریٰ:42: آیت:14)

''اور نہیں فرقوں میں بٹے لوگ اسکے باوجود بھی کہ آچکا تھا ان کے پاس (یقینی) علم (کتاب کا) مگر باہمی ضد کی وجہ سے''

خدا کی پناہ کہ کتاب کا یقینی علم آجانے کے باوجود بھی تعصب اور ضد کی بیماری ہدایت پر نہیں آنے دیتی۔ باقی ساری بیماریاں: اکابر پرستی، نفس پرستی، کتمان حق، خیانت، جھوٹ، حق و باطل کی ملاوٹ..... اسی بنیادی بیماری سے جنم لیتی ہیں۔ لہٰذا اس خطرناک بیماری سے بچنے کی بہت زیادہ فکر کریں۔

تعصب سے بچاؤ

اس بیماری سے بچاؤ کیلئے درج ذیل باتوں کو ملحوظ رکھا جائے:

(۱)۔ تنگ نظری سے ہر ممکن چھٹکارہ

(۲)۔ بات سننا اور عقل کو استعمال کرنا

ان کی مختصر وضاحت پیش خدمت ہے:

(۱)۔تنگ نظری سے ہر ممکن چھٹکارہ: اگر آپ واقعتاً تعصب سے بچتے ہوئے ہدایت اور اتحاد و یکجہتی پر آنا چاہتے ہیں تو پھر تنگ نظری ختم کر دیں۔دوسروں کیلئے اپنا سینہ کھول دیں۔سینہ کھلتے ہی ہدایت و رحمت کی برکات نازل ہونا شروع ہو جائیں گی۔دوسروں کی بات سننے کی آمادگی پیدا ہونے سے حقیقی ہدایت نصیب ہونا شروع ہو جائے گی۔اگر خدانخواستہ تنگ نظری نہ گئی تو نفرت و گمراہی کی گندگی بالآخر شقاوت و بدبختی کی دلدل میں دھکیل دے گی۔اللہ تعالیٰ نے ہماری عظیم رہنمائی کی خاطر فرمایا:

﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍo﴾ (زمر:39:آیت:22)

''بھلا وہ شخص کہ کھول دیا ہو جس کا سینہ اللہ نے اسلام کیلئے تو وہ ہو اپنے رب کے نور (یعنی ہدایت) پر، سو بربادی ہے ان لوگوں کیلئے جن کے دل سخت ہو گئے ہیں اللہ کی یاد سے۔یہی لوگ ہیں پڑے ہوئے کھلی گمراہی میں۔''

یہ بات غور طلب ہے کہ خوشخبری اسکے لئے ہے جس کا سینہ اسلام کیلئے کشادہ ہو نہ کہ اپنے اپنے مسالک، اکابر اور فرقوں کیلئے۔اس وقت ہمارا بڑا مسئلہ ہی یہی ہے کہ ہمارے سینے اپنے اپنے فرقوں کیلئے تو کشادہ ہیں لیکن دوسروں کیلئے بہت تنگ ہیں۔جب تک اس بیماری سے نجات نہ ملے گی بات نہ بنے گی۔

(۲)۔بات سننا اور عقل کو استعمال کرنا: اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیکھنے کیلئے آنکھیں، سننے کیلئے کان اور سوچنے سمجھنے، غور و فکر کرنے کیلئے دل و دماغ دیئے۔ان کے بارے میں پوچھ گچھ ہو گی کہ انہیں مثبت طور پر استعمال کیا یا نہیں:

﴿اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾

(بنی اسرائیل:17:آیت:36)

''یقیناً کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک کے بارے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے''

جو کوئی بھی مثبت سوچ کے ساتھ ان صلاحیتوں کو استعمال میں لائے گا تو تعصب سے نجات کے ساتھ ساتھ دنیا و آخرت کی بھلائی کی راہیں بھی اس پر کشادہ ہوتی جائیں گی۔اگر آپ تعصب اور گمراہی سے بچنا چاہتے ہیں تو یہ مصمم ارادہ کر لیں کہ بات ضرور سنیں گے بالخصوص جب بات قرآن و سنت کی ہو۔بات تسلیم و ہی کریں جو آپکی سمجھ میں آجائے لیکن سنیں ضرور۔جس کسی نے خدانخواستہ بات سننے سے منہ موڑ لیا وہ شیطان کا لقمہ

بن گیا۔ ایسے لوگ جو بات نہیں سنتے، منہ پھیرتے ہیں ان پر سخت گرفت کرتے ہوئے پروردگار نے انہیں مردوں سے تشبیہ دی ہے:

﴿اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ وَ الْمَوْتٰی یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ﴾

(انعام:6:آیت:36)

''بے شک بات تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو (بات کو) سنتے ہیں اور رہے مردے، انہیں اٹھائے گا اللہ (قیامت کو ہی)، پھر سب اللہ ہی کی طرف لائے جائیں گے۔''

آنکھوں اور کانوں کو بند کرنے کے جرم کا بروز قیامت انتہائی خطرناک انجام ہوگا جسکا وہ لوگ بروز قیامت یوں اعتراف کریں گے:

﴿وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ، فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ﴾(الملک:67 :11-10)

''اور دوزخی کہیں گے کہ (ہائے کاش) اگر ہم بات سنتے ہوتے اور عقل سے کام لیتے تو آج دوزخیوں میں (شریک) نہ ہوتے۔ پس انھوں نے اپنے (اصل) جرم کا اعتراف کرلیا، اب لعنت ہے دوزخیوں پر''

اور جو قرآن کی طرف دعوت دیئے جانے سے اعراض کرے اسکی بابت پروردگار نے اپنے شدید غضب و غصے کا اظہار یوں فرمایا:

﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ﴾(السجدہ:32:آیت:22)

''اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جسے اُس کے پروردگار کی آیات سے نصیحت کی جائے پھر وہ ان سے منہ موڑے، ایسے مجرموں سے یقیناً ہم انتقام لے کر رہیں گے''۔

یعنی قرآن سے اعراض کرنے والوں کو دنیا کا سب سے بڑا ظالم قرار دیا اور ان سے انتقام لینے کا عندیہ دیا۔ لہٰذا فوراً توبہ کرتے ہوئے ایمان و تسلیم کا راستہ اپنا لیا جائے۔

کیا اتنی واضح رہنمائی کے باوجود بھی ہم ظالم شیطان کی راہ پر چلتے ہوئے اپنے فرقے کے علاوہ دوسروں کی بات سننے سے اعراض کریں گے.....؟

کلمہ گومسلمان جوقرآن کی طرف بلائے ہم تواسکی بات نہیں سنتے جبکہ سیدنا ابوہریرہ ؓ کو مال وزر کی حفاظت کے لیے آیۃ الکرسی پڑھنے کا وظیفہ چورنے بتلایا جس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((صدقک وھو کذوب، ذاک شیطان))

(صحیح بُخاری ''کتابُ بدءالخلق'' رقم:3275)

''اس نے تحقیق سچ کہااور تھاوہ جھوٹا، وہ شیطان تھا''

تو پھر ہم کلمہ گو بھائیوں کی بات پر غور وفکر کیوں نہیں کر سکتے اور اپنے مسلک کے علاوہ کسی دوسرے کی بات کیوں نہیں سن سکتے.....؟

تعصب وگمراہی سے نجات کی تیسری بڑی شرط یہ ہے کہ بات سننے کے بعد اسے سمجھنے کیلئے عقل کی عظیم دولت کواستعمال کیا جائے۔ بات سننے کے بعد اندھادھند پیروی کرنے کی بجائے اسے ٹھیک طور پر سمجھنے کیلئے عقل کواستعمال کیا جائے۔اور جواللہ کی اس عظیم دولت کواستعمال نہ کریں انکی بابت پروردگار نے فرمایا:

﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الۡبُكۡمُ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡقِلُوۡنَ o﴾

(لانفال:8:آیت:22)

''بلاشبہ اللہ کے نزدیک بدترین خلائق وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں، گونگے ہیں اور جو عقل سے کام نہیں لیتے۔''

مزید فرمایا:

﴿وَ لَقَدۡ ذَرَاۡنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ بِهَا وَ لَهُمۡ اَعۡيُنٌ لَّا يُبۡصِرُوۡنَ بِهَا وَ لَهُمۡ اٰذَانٌ لَّا يَسۡمَعُوۡنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ o﴾(الاعراف:7:آیت:179)

''اور یقیناً پیدا کئے ہم جہنم کیلئے بہت سے جن اور انسان (اسلئے کہ) انکے دل تو ہیں مگر وہ سوچتے نہیں، انکی آنکھیں ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں اور انکے کان ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں، یہ لوگ چوپائیوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی ابتر اور یہی لوگ غافل ہیں۔''

یعنی جنہوں نے کان، زبان، دل ودماغ وغیرہ سے کام لینے کی بجائے بند کردیئے ہیں وہ انسان ہوکر بھی چوپائیوں سے بدتر ہیں اور یہی دوزخی ہیں۔اس غلط روش سے بچانے کی خاطر ہمارے فائدے کیلئے اس

سے زیادہ سختی اور کیا کی جاسکتی ہے.....؟ خدا کی پناہ کہ انسان فرقوں، جماعتوں اور مسالک کی خاطر اس غلط روش پر زندگی بسر کرے۔

پیارے بھائیو! اگر بات سمجھ آ گئی ہے تو زندگی کی مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جلد از جلد تعصّبات کو ختم کرتے ہوئے فرقوں اور مسالک سے بالا تر ہو کر قرآن وسنت کی طرف شوق و شدت سے لپکیں۔ اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہو سکا تو وہ فرقے یا اکابرین جنکی خاطر تعلیمات وحی کو نظر انداز کیا گیا تھا بروز قیامت ان میں سے کوئی کسی کے کام نہ آئے گا، پروردگار نے واضح کر دیا:

ترجمہ: ''جب فرمانبرداری کرنے والے لوگ اپنے فرمانبرداروں سے بیزار ہوں گے، عذاب سامنے دکھائی دے رہا ہوگا اور آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ فرمانبردار کہیں گے کہ ہائے افسوس؛ اگر ایک بار ہمیں دنیا میں جانے دیا جائے تو ہم بھی ان لوگوں سے یوں ہی بیزار ہوں گے جس طرح یہ آج ہم سے بیزار ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کو ان کے کرتوت دکھائے گا اور ان کے دلوں میں حسرت رہے گی اور وہ آگ سے کسی طور پر نکل نہ سکیں گے۔''

(البقرہ:2:166-167)

اللہ تعالیٰ ہمیں تعصّبات سے بچا کر مسالک اور فرقوں کو بالائے طاق رکھ کر اسلام کے دامن میں آ کر حقیقی معنوں میں قرآن وسنت کی طرف لپکنے اور اسے ٹھیک ٹھیک سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

25۔ مختلف مکاتبِ فکر
(ایک جائزہ)

تحریر کا مقصد: بلاشبہ اہل اسلام ایک ملت، ایک جماعت اور ایک گروہ کی بجائے ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر باہم گتھم گتھا ہیں۔ بات اختلافات تک رہتی تو حرج نہ تھا لیکن مسلمان تو مخالفت میں ایک دوسرے کے جانی دشمن بن چکے ہیں۔ فرقہ واریت کے اسیر مسلمانوں کو اتنی نفرت کفار سے نہیں جتنی اپنے علاوہ دوسرے فرقے کے کلمہ گو مسلمانوں سے ہے۔ ان حالات میں ہم سب کا یہ فرض بنتا ہے کہ لوگوں کو اس دلدل سے نکالنے کیلئے اپنا کردار ادا کریں۔

اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے تعصب سے بچایا، تمام فرقوں کے مطالعہ کی توفیق دی۔ فرقوں کی بجائے اسلام کی محبت دل میں جاگزیں کی۔ اسی بنا پر یہ ارادہ کیا کہ کوئی ایسا کام بھی کیا جائے جو حقیقی اصلاح و ہدایت کی طرف آنے، پورے دین پر عمل پیرا ہونے اور مذکورہ نفرت و دشمنی میں کمی کا باعث بن سکے۔ یہ تحریر اسی کاوش کی ایک کڑی ہے۔ انشاء اللہ امید ہے اس کاوش سے نفرت و دشمنی میں کمی کے ساتھ ساتھ ہدایت کی راہ بھی واضح ہوگی۔ اللہ اپنی مدد و رہنمائی شامل حال فرمائے۔ (آمین)۔ تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: ''امت اسلامیہ کا اتحاد اور نجات یافتہ گروہ''

ابلیس کا سب سے بڑا ہتھیار

ایک دفعہ پھر سے بات ذہن نشین رہے کہ ابلیس کا سب سے بڑا ہتھیار جس کے ذریعے وہ نفرت کی بھینٹ چڑھاتا ہے وہ تنگ نظری اور تعصب ہے۔ سب سے پہلا کام وہ یہی کرتا ہے کہ مسلمانوں کے مختلف گروہوں کے مابین تنگ نظری اور تعصب پیدا کیا جائے۔ جب تنگ نظری اور تعصب پیدا ہو گیا تو نفرت و دشمنی کی آگ خود بخود دبڑھک اٹھے گی۔ اسی لئے اللہ اور اسکے پیارے رسول ﷺ نے گروہ بندی کی بجائے اتحاد و یکجہتی کی تلقین فرمائی ہے۔ لہٰذا اگر ہم شیطان سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں تعصب اور تنگ نظری سے ہر ممکن بچنا ہوگا۔ اس سے بچنے کیلئے سنی سنائی باتوں کی بجائے حقائق تک رسائی کی کاوش کرنی چاہئے، جمود کا شکار ہونے سے بچنے، قرآن وسنت کے پختہ دلائل کو من وعن تسلیم کرنے کیلئے سرنگوں ہو جانا چاہئے۔ اللہ ہماری

مدد فرمائے۔(آمین)

اختلافِ رائے

اس ضمن میں دوسری اہم بات جسے یاد رکھنے کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ اختلافِ رائے ختم نہیں ہوسکتا، یہ تو رہے گا۔ ہماری غلطی یہی ہے کہ ہم چاہتے ہیں لوگ من وعن ہماری سوچ کو اختیار کرلیں جو کہ ممکن نہیں۔ ہمیں اختلاف کے ساتھ ہی زندہ رہنا ہے۔ جس طرح ہمیں اپنا اختلافِ رائے محبوب ہے اسی طرح دوسروں کو بھی یہ حق بخوشی دینا چاہئے۔ ہاں مخالفت سے ہر ممکن بچنے کی ضرورت ہے۔ بُرے کی بجائے بُرائی سے نفرت رکھیں، بُرے کو مارنے کی بجائے اسکی اصلاح کی کوشش کریں۔ اگر کسی کوٹی بی ہوگئی ہے تو اچھے طریقے سے اسکے علاج کی فکر کرنی چاہئے نہ کہ اسے مارنے کی۔ اگر ہم ان باتوں کو ملحوظ رکھیں گے تو ان شاء اللہ ہدایت بھی نصیب ہوگی، تعصب وتنگ نظری سے بھی چھٹکارہ ملے گا اور باہم اتحاد کی توفیق بھی نصیب ہوگی۔

فرقوں کی بجائے اسلام

ہر گروہ کی الگ الگ ترجیحات ہیں۔ سب دین کو اپنی اپنی ترجیحات کے دائرہ کے تناظر میں ہی دیکھتے ہیں۔ جبکہ فرقوں کی بجائے اسلام کے ساتھ محبت اور وابستگی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اسلام کی ساری تعلیمات تسلیم کرنے کی سعادت نصیب ہوگی۔ قرآن وسنت کی بات خواہ کسی بھی گروہ کے موافق ہو یا خلاف، بلاتفریق اسے من وعن تسلیم کرنے کی توفیق نصیب ہوگی جو کہ بہت بڑی سعادت ہے۔

مشترکات : مسلمان ہونے کے کی بنا پر وہ چیزیں جو سب مسلمانوں کے گروہوں میں مشترک (Common) ہیں، طوالت سے بچنے کی خاطر وہ یہاں الگ الگ ہر گروہ کے تناظر میں پیش نہیں کی جائیں گی بلکہ صرف امتیازی اوصاف ہی واضح کئے جائیں گے۔ مثال کے طور پر مسلمانوں کے تمام گروہ مشترک طور پر:

اللہ کی توحید، پیارے نبی ﷺ کی رسالت، قرآن مجید، آخرت، کعبہ، پانچ نمازوں، رمضان کے روزوں، حج، زکوٰۃ، انفاق، اخلاقیات ومعاملات وغیرہ پر متفق ہیں۔ ان چیزوں میں اختلافات تو پائے جاتے ہیں لیکن عمومی طور پر سب اقرار کرتے ہیں کہ یہ اسلام کی بنیادی چیزیں ہیں۔

اب ہم اللہ کے فضل وکرم سے مختلف مکاتبِ فکر اور جماعتوں میں پائے جانے والے اچھے پہلو اجاگر کرنے

اور جن باتوں میں اصلاح کی ضرورت ہے انکی احسن طریقے سے نشاندہی کریں گے تا کہ بہتری کی توفیق نصیب ہو سکے۔

بریلوی

بریلوی مکتبہ فکر کے بانیوں کا خیال تھا کہ شرک اور بدعت کی آڑ میں سرکار دو عالم ﷺ سمیت اولیاء عظام کی توہین کی جارہی ہے۔لہٰذا رحمت دو عالم اور اولیاء عظام کا دفاع اس مکتبہ فکر کی تشکیل کا باعث بنا۔

امتیازی اوصاف

(۱)۔نبی کریم ﷺ سے والہانہ عقیدت اور عشق ومحبت، (۲)۔آل رسول ﷺ ،صحابہ کرامؓ اور اولیاء عظام سے عقیدت ومحبت، (۳)۔آنحضور ﷺ صحابہ کرامؓ اور اولیاء عظام کی شان وعظمت کا اقرار، (۴)۔ادب واحترام اور عزت وحرمت کا لحاظ، (۵)۔سنت رسول ﷺ کی پیروی کا جذبہ، (۶)۔اللہ کے بندوں کی شکر گزاری اور قدر دانی

نظر ثانی

اخروی نجات اور باہمی اتحاد کیلئے درج ذیل امور میں نظر ثانی کی ضرورت ہے:

(۱)۔پیارے رسول ﷺ کی محبت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت بھی اجاگر کی جائے، (۲)۔وہ سب سے خطرناک واحد گناہ جس پر بروز قیامت بخشش نہیں ہوگی یعنی 'شرک' اس سے ہر ممکن بچا جائے۔شرک ختم نہیں ہوا کسی دھوکے میں نہ رہیں، قیامت تک ظالم شیطان امتِ مسلم کو شرک میں مبتلا کرتا رہے گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿**لا تقوم الساعت حتیٰ تلحق قبائل من اُمتی بالمشرکین و حتی تعبد قبائل من اُمتی الاوثان**﴾ (سُنن ابی داؤد ''کتابُ الفتن''، رقم:4252)

''اُس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک میری اُمت میں سے کچھ قبائل مشرکین کیساتھ نہ مل جائیں اور یہاں تک کہ میری اُمت کے کچھ قبائل بتوں کی پرستش کریں گے۔''

(۳)۔شان وعظمت اور عقیدت ومحبت میں اعتدال، توازن اور قانون وقواعد کو ملحوظ رکھا جائے۔خالق اور مخلوق، نبی اور غیر نبی میں فرق کو ملحوظ رکھا جائے۔نبی کریم ﷺ کی شان میں قابل اعتراض عبارات خواہ اپنے

مشائخ کی طرف سے سرزد ہوں یا دوسرے گروہوں کی طرف سے، سب کیلئے ایک ہی معیار رکھتے ہوئے ان سے اعلان براءت کیا جائے۔ (۴)۔ اللہ اور رسول ﷺ کے تابع جائز تقلید کو اختیار کیا جائے، (۵)۔ضعیف وموضوع کی بجائے صحیح السند احادیث کو بنیاد بنایا جائے، کیونکہ اسکی سخت تلقین خود پیارے رسول ﷺ نے فرمائی:

((یکون فی اٰخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا اباؤکم فایاکم و ایاھم لا یضلونکم ولا یفتنوکم))

(صحیح مُسلم ''المقدمہ'' حدیث نمبر16)

'' آخری دور میں فریب کار جھوٹے لوگ ہوں گے، وہ تمہارے پاس ایسی احادیث لائیں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے آباء نے، پس اپنے آپ کو ان سے اور انہیں اپنے آپ سے دور رکھیو تا کہ وہ تمہیں گمراہی اور فتنے میں مبتلا نہ کر دیں۔''

(۶)۔ نبی کریم ﷺ کی محبت کے ساتھ ساتھ بدعات اور خرافات سے بچتے ہوئے آپ ﷺ کی حقیقی اطاعت اختیار کی جائے، (۷)۔قرآن پر ایمان کے ساتھ ساتھ اسے ٹھیک ٹھیک سمجھنے اور من وعن تسلیم کرنے کی طرف بھرپور توجہ دی جائے۔

دیوبندی

شرک وبدعات، خرافات کی تردید اور تقلید کے خلاف آزادانہ فکر ونظر پر امت کی رہنمائی کی غرض وغایت سے دیوبند مکتبہ فکر وجود میں آیا۔

امتیازی اوصاف

(۱)۔توحید سے محبت اور شرک سے نفرت، (۲)۔ بدعات اور خرافات سے اجتناب، (۳)۔اعتدال و میانہ روی اپنانا، (۴)۔ادب واحترام اور عقیدت ومحبت کی طرف پیش قدمی، (۵)۔دعوت الی اللہ کیلئے قربانی کا جذبہ، (۶)۔دوسرے مسالک کیلئے برداشت اور عفوودرگزر۔

نظر ثانی

فلاح کیلئے درج ذیل امور میں نظر ثانی کی ضرورت ہے:

(۱)۔شرک اور بدعات کی تمام شکلوں سے بچتے ہوئے کما حقہ اسکی قباحتوں سے اجتناب، (۲)۔اندھی اور جامد تقلید کی بجائے اللہ اور رسول ﷺ کے تابع جائز تقلید اختیار کرنا، (۳)۔صحتِ حدیث کے ضمن میں مزید احتیاط کی ضرورت، (۴)۔نبی کریم ﷺ کی حقیقی اطاعت واتباع اختیار کرنا۔(۵)۔ائمہ ومجتھدین کو واقعتاً غیر نبی کے درجہ پر رکھنا، (۶)۔علماء دیوبند کی طرف سے سرزد ہونے والی بعض قابلِ اعتراض عبارات کا دفاع کرنے کی بجائے ان سے اعلان براءت کرنا۔انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی شان وعظمت اور توقیر وتعظیم میں مزید بہتری لانا، (۷)۔قرآن کے حقیقی مفہوم کو من وعن تسلیم کرنے کا مزید اقدام کرنا۔

اہلحدیث

تقلید کی بجائے حدیث کا احیاء اور سنت کی پاسداری، شرک، بدعات وخرافات اور رسم ورواج کی تردید کی غرض سے اہلحدیث مکتبہ فکر کی بنیاد رکھی گئی۔

امتیازی اوصاف

(۱)۔کتاب وسنت کی دل وجان سے پیروی، (۲)۔توحید سے کما حقہ محبت اور شرک کی تمام شکلوں سے شدید نفرت، (۳)۔رسم رواج، بدعات اور خرافات سے مکمل اجتناب، (۴)۔اسوہ رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا، (۵)۔کما حقہ قرآن کی قراءت، عبادات بالخصوص نماز کی کما حقہ خشوع وخضوع اور تسلی سے ادائیگی، (۶)۔قربانی کا بھرپور جذبہ، (۷)۔بھرپور خدا خوفی اور فکر آخرت۔

نظر ثانی

فلاح کیلئے درج ذیل امور میں مزید غور وفکر کی ضرورت ہے:

(۱)۔تفقہ فی الدین اور دین کی گہری بصیرت کیلئے کاوش کرنا، (۲)۔جائز تقلید (جو اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت واتباع سے مشروط ہو اس) کیلئے گنجائش رکھنا۔مزید یہ کہ اصول درایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے محدثین کی اندھی وجامد تقلید سے بچنا۔(۳)۔تفہیم شرک میں گہری بصیرت اور اعتدال کی طرف پیش قدمی کرنا، (۴)۔الفاظ کے ساتھ ساتھ سیاق وسباق اور معنی ومفاہیم کی طرف زیادہ توجہ دینا، (۵)۔دین کی ترجیحات یعنی فرض، واجب، سنت، نفل، مستحب، افضل، غیر افضل.....کے فرق کو ملحوظ رکھنا، (۶)۔عبادات کی طرح اخلاقیات ومعاملات کی طرف توجہ دینا، عفو ودرگزر اور نرمی کی مزید محنت کرنا۔ (۷)۔بعض علماء کی

طرف سے قابلِ اعتراض عبارات سے اعلان براءت کرنا، اور(۸)۔اُصول روایت میں ''سند (اسماء الرجال)'' کے اُصولوں کوملحوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ ''درایت ومتن'' کا بھی لحاظ رکھنا۔

اہل تشیع

نواسہ رسول ﷺ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ظالمانہ قتل اور آل رسول ﷺ کے ساتھ ناانصافیاں کے دفاع کیلئے اہل تشیع وجود میں آئے۔

امتیازی اوصاف

(۱)۔آل رسول ﷺ سے والہانہ عقیدت ومحبت، (۲)۔آل رسول ﷺ کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا دفاع، (۳)۔رسول پاک ﷺ سے عقید ومحبت، (۴)۔ادب واحترام، (۵)۔کاوش وقربانی اور انفاق۔

نظر ثانی

نجات کیلئے درج ذیل امور کوملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے:

(۱)۔دینی ترجیحات قرآن کی بنیاد پر استوار کرنا، (۲)۔اخروی بدلے پر نظر رکھتے ہوئے شدت کی بجائے جذبات کو قابو رکھنے کی کوشش کرنا، (۳)۔تفہیم قرآن اور تمسک بالقرآن اختیار کرنا، (۴)۔عفوودرگزر اور اعتدال پر آنے کی محنت کرنا،سختی کی بجائے نرمی پیدا کرنا، (۵)۔بروز قیامت نہ معاف ہونے والے سب سے خطرناک گناہ یعنی 'شرک' سے بچنے کی فکر پیدا کرنا۔

مختلف بڑے گروہوں کے جائزے کے بعد جماعتوں کے جائزے کی طرف آتے ہیں۔مسالک کی طرح بہت سی جماعتیں بھی اپنے اپنے اہداف اور ترجیحات کے مطابق دین کیلئے کاوش کررہی ہیں جیسے: تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی، دعوت اسلامی، تنظیم اسلامی، الھدیٰ، .....وغیرہ۔اختصار کی خاطر صرف تبلیغی جماعت جوکہ ملک کی سب سے بڑی جماعت ہے،صرف اسی کا جائزہ پیش خدمت ہے:

تبلیغی جماعت

جیسا کہ واضح کیا گیا کہ تبلیغی جماعت ملک کی سب سے بڑی جماعت ہے۔یہ جماعت دیوبند مکتبہ فکر کی کاوش سے امت میں فرقہ وارانہ بندشوں کوختم کرتے ہوئے: زُہد،تقویٰ، ایثار وقربانی اور زندگی کوعمل پر

لانے کیلئے تشکیل دی گئی جو کہ بڑے منظّم طریقے سے اپنی خدمات پیش کر رہی ہے۔

امتیازی خصوصیات

(۱)۔حُسنِ نیت اور اخلاص، (۲)۔ایثار وقربانی، (۳)۔زُہد وتقویٰ، (۴)۔عبادات کے ساتھ ساتھ اخلاقیات ومعاملات میں برتری، (۵)۔توحید سے محبت اور شرک سے نفرت، (۶)۔بدعات اور خرافات سے اجتناب، (۷)۔اعتدال ومیانہ روی، (۸)۔دوسرے مسالک کیلئے برداشت اور عفوودرگزر۔

نظرِ ثانی

مزید بہتری کیلئے درج ذیل امور کو اپنانے کی ضرورت ہے:

(۱)۔کتاب اللہ کو دعوت کا حصہ بنانا۔ بروز قیامت دیگر کتابوں کے بارے میں سوال نہیں ہوگا۔ وہ کتاب جس کے بارے میں بروزِ قیامت محاسبہ ہوگا وہ صرف اور صرف قرآن مجید ہے۔قرآن مجید کے بارے میں لازمی پوچھا جائے گا کہ اسے سمجھ کر زندگی کا مقصد بنایا یا نہیں؟

﴿ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ oوَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ﴾(زخرف:44-43)

''پس جو وحی تمھاری طرف نازل ہوئی ہے اسے مضبوطی سے تھامے رہو۔ یقیناً آپ سیدھے راستے پر ہیں۔اور کچھ شک نہیں کہ یہ کتاب خود تمھارے اور تمھاری قوم کے لیے ایک نصیحت نامہ ہے اور عنقریب تم لوگوں کو اسکی جواب دہی کرنی ہوگی۔''

پیارے رسول ﷺ نے بھی امت کو متنبہ کر دیا:

((**القرآن حجته لک او علیک**))(مسلم،کتاب الطہارہ)

''(بروز قیامت) قرآن مجید تیرے حق میں حجت (دلیل رگواہی) بنے گا یا تیرے خلاف حجت بنے گا''

جو لوگ اسے سمجھیں گے،اس پر عمل کریں گے،قرآن انکے حق میں حجت بنے گا اور جو اسے نظر انداز کریں گے ان کے خلاف گواہی دے گا۔لہٰذا اس حوالے سے بہت سنجیدہ ہونے کی ضرورت ہے۔

(۲)۔ضعیف وموضوع روایات اور واقعات سے سخت اجتناب کیا جائے۔جب قرآن مجید، صحیح السند

احادیث کثرت سے موجود ہیں تو پھر آخر کیوں کمزور اور قابل اعتراض چیزوں کو بنیاد بنایا جائے، (۳)۔اکابرین کی اندھا دھند پیروی کی بجائے عقل وبصیرت اور ادلہ اربعہ کو بنیاد بنایا جائے، (۴)۔تفکر و تدبر اور دینی حکمت وبصیرت کے حصول کی بھرپور کوشش کی جائے۔

مذکورہ باتوں کو ملحوظ رکھنے سے مزید چار چاند لگ جائیں گے، واقعتاً اللہ کی رضامندی اور اخروی فلاح نصیب ہوجائے گی۔

اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائے، فرقوں اور مسالک کی بندشوں سے آزادی نصیب فرما کر اسلام کی محبت ہمارے دلوں میں جاگزیں کر کے، قرآن و سنت کو من وعن تسلیم کرتے ہوئے اتحاد و یکجہتی نصیب فرمائے۔(آمین)

۞۞۞۞۞

26۔ سنت کا معنی و مفہوم

تحریر کا مقصد: اللہ اور اسکے پیارے رسول ﷺ کو انسانیت کی خیر خواہی جبکہ ابلیس جو کہ انسان کا ازلی دشمن ہے اسے انسان کی ناکامی مطلوب ہے۔ انسان کی کامیابی اللہ کے 'احکامات' اور اسکے پیارے رسول ﷺ کی 'سنت' میں ہے۔ سنت کے حوالے سے بھی ظالم شیطان نے مسلمانوں کو حقیقت سے دور کر دیا ہے۔ مسلمان پیارے رسول ﷺ کے ساتھ والہانہ عقیدت و محبت کے باوجود 'سنت' کے صحیح مفہوم سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے 'سنت' پر حقیقی معنوں میں عمل پیرا ہونے سے محروم ہیں۔ 'سنت' کے حوالے سے صحیح مفہوم کو واضح کرنا تاکہ ظالم شیطان سے بچا جا سکے اور اخروی فلاح کی راہ ہموار ہو سکے اس تحریر کا بنیادی مقصد ہے۔

معنی و مفہوم

دین کیا ہے؟ سنت کے مفہوم سے پیشتر یہ بات واضح ہو جائے کہ دین کیا ہے؟ دین انسان کیلئے عالم دنیا میں خالق کی طرف سے عطا کردہ 'ہدایت' کا نام ہے۔ یہ دین 'فطری ہدایت' (معروف و منکر) اور 'تعلیماتِ وحی' کی صورت میں ملا ہے۔ فطری ہدایت ابتدا ہی سے انسان کے باطن میں ودیعت کر دی گئی ہے جیسے: خالق کی پہچان، توحید، آخرت، پاکیزگی، آلودگی، اچھائی، برائی، سچ، جھوٹ.... انہیں قرآن معروف و منکر سے تعبیر کرتا ہے۔ معروف وہ باتیں ہیں جنہیں انسانی فطرت اچھا تصور کرتی ہے اور منکر وہ جنہیں فطرت بُرا سمجھتی ہے یعنی معروف و منکر انسانی فطرت کیلئے جانے پہچانے ہیں۔

تعلیماتِ وحی پر مبنی دین اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے ذریعے پہنچایا ہے جس میں شریعت کے تفصیلی احکامات ہیں۔ دینِ وحی کا قیامت تک آخری ماخذ قرآن مجید ہے جو پیغمبروں کے سلسلہ کی آخری کڑی جنابِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم پر نازل ہوا۔ 'سنت' درحقیقت تعلیمات وحی کا ہی عملی پہلو ہے۔

دین قرآن اور سنت پر مشتمل ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک میں اپنے بعد تم میں دو ایسی (عظیم) چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر اُنھیں مضبوطی سے پکڑ لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے: ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت۔''

(الموطاء للمالک ''کتابُ القدر'' نمب رقم 1662، المستدرک للحاکم ''کتابُ العلم'' رقم 290)

اس مختصر وضاحت کے بعد اب ہم سنت کی تفہیم کی طرف آتے ہیں:

<u>سنت عوام کی نظر میں:</u> سنت کا حقیقی مفہوم جاننے سے پہلے عوام (بالخصوص برصغیر پاک و ہند) کی نظر میں سنت سے کیا مراد ہے واضح ہو جائے۔ برصغیر پاک و ہند کی عوام کی نظر میں سنت سے مراد:

''وضو نماز کی سنتیں، مسواک کی سنتیں، کھانے پینے، سونے جاگنے، مسجد یا گھر سے نکلنے داخل ہونے، ملنے جلنے، سفر کرنے، کپڑا، ٹوپی، امامہ پہننے میں..... نبی کریم ﷺ کے طریقے پر عمل کرنا۔''

بلاشبہ یہ بھی پیارے رسول ﷺ کی سنتیں ہی ہیں جن پر عمل پیرا ہونا یقیناً خیر کا باعث ہے۔ ان سنتوں کا بڑا حصہ درحقیقت زندگی گزارنے کے حفاظتی اقدامات (Safety Measures) پر مشتمل ہے۔ جن پر عمل پیرا ہونے سے ثواب کے ساتھ ساتھ انسان کی صحت و زندگی کی بہترین حفاظت بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ سنت کا پورا مفہوم نہیں بلکہ اسکا کچھ حصہ ہے۔ شیطان سے بچ کر فلاح تک پہنچنے کیلئے پورا مفہوم جاننا اور اسے ماننا انتہائی ضروری ہے۔

<u>سنت کا ماخذ:</u> آپ ﷺ کی سنت (یعنی طریقے) کا ماخذ قرآن، حدیث اور تواتر ہیں۔ ۱۲۰۰ سال قبل جب تک احادیث مرتب نہیں ہوئیں تھیں تو قران اور تواتر منبع تھا۔ پھر محدثین نے اخلاص اور محنت سے زبردست اصولوں کے تحت تواتر کو تحریر میں لکھ کر کتبِ احادیث مرتب کر دیں۔ اب ہمارے لئے سنت کا منبع قرآن حکیم اور احادیث ہیں۔ آج اگر حدیث کو چھوڑ کر تواتر کو سنت کا منبع بنایا جائے تو پھر سوال یہ ہے کہ دین تو ہر علاقے میں مختلف ہے۔ مثال کے طور پر 'نماز' کو ہی لے لیں عرب، ایران، پاک و ہند میں مختلف طرح سے نماز پڑھی جا رہی ہے حتیٰ کہ اہلسنت کے اپنے اندر اختلاف نظر آئے گا۔ کیونکہ ہر گروہ کا اپنا تواتر ہے۔ اب کس کے تواتر کو مانا جائے اور کس کو رد کیا جائے؟ میں اہلسنت میں پیدا ہوا جب تک میں نے اہلسنت کی کتبِ احادیث سے نماز کا طریقہ خود نہ دیکھا تھا مجھے نماز کے حوالے سے صحیح سنت طریقہ معلوم نہ ہو سکا۔ امید ہے بات سمجھ آ چکی ہوگی کہ قرآن اور صحیح حدیث ہی دراصل سنت کا منبع ہے۔

تفہیمِ سنت

<u>سنت کا لغوی مفہوم:</u> لغت کے اعتبار سے سنت کا معنیٰ 'طریقہ یا راستہ' ہے جس پر چلا جائے یا عمل کیا جائے۔

اصطلاحی معنی:

شرعی اصطلاح میں رسول اللہ ﷺ کے طریقے کو سنت کہتے ہیں، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((**فمن رغب عن سنتی فلیس منی**)) (بخاری کتاب النکاح، رقم:5063:مسلم)

''جس نے میرے طریقے کو چھوڑ دیا وہ مجھ سے نہیں (یعنی میری امت سے نہیں)۔''

اقسامِ سنت: علمائے اصول کے مطابق سنت کی تین اقسام ہیں:

(۱)۔قولی سنت یعنی آپ ﷺ کا ارشادِ مبارک، (۲)۔فعلی سنت یعنی آپ ﷺ کا عمل مبارک، (۳)۔تقریری سنت: وہ کام جو آپ ﷺ کے سامنے کیا گیا ہو، اسے آپ ﷺ نے پسند فرمایا ہو یا اس پر خاموشی اختیار فرمائی ہو تقریری سنت کہلاتا ہے۔

فقہی اصطلاح: فقہی اصطلاح میں فرائض سے فرق کرنے کیلئے نفل، سنت اور مستحب کی اصطلاحات مروج کی گئی ہیں لیکن حقیقت میں فرائض و واجبات بھی سنت (آپ ﷺ کا طریقہ) ہی ہیں جن پر عمل پیرا ہونا ناگزیر ہے۔

سنت کا جامع مفہوم: قرآن اور سنت میں فرق کرنے کیلئے احکاماتِ دین کو دو حصوں (قرآن اور حدیث) میں تقسیم کیا گیا ہے، لیکن حقیقی معنوں میں 'سنت' سے مراد آنحضور ﷺ کا راستہ یا طریقہ یا طرز زندگی یا اسوہ مبارک ہے جو کہ قرآن اور حدیث دونوں پر مشتمل ہے۔ گویا آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ، اسوہ مبارک اور خُلق ہی درحقیقت 'سنت' ہے جسکا منبع و بنیاد قرآن مجید اور صحیح احادیث ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((**کان خلقه القرآن**)). (صحیح مسلم، ابوداؤد)

''آپ ﷺ کا اخلاق (یعنی طرزِ زندگی) قرآن کے عین مطابق تھا۔''

یعنی آپ ﷺ کی طرز زندگی، طریقہ، اسوہ قرآن کے عین مطابق تھا۔ یہی آپ ﷺ کی سنت (طریقہ) ہے۔ آپ ﷺ کی سنت کے اولین پیروصحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، اسلئے صحابہ کرامؓ کا اجماعی طریقہ بھی درحقیقت نبی کریم ﷺ کا طریقہ ہی ہے۔ اسلئے صحابہ کرامؓ کا اجماع بھی درحقیقت سنت میں ہی داخل ہے (دیکھئے النساء:4: آیت۔115) اور اسکا منبع بھی قرآن مجید اور صحیح احادیث ہیں۔

اہم بات

اب تک کی گفتگو سے یہ اہم بات سامنے آ گئی کہ:

'سنت' سے مراد شرعی امور کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا طریقہ، راستہ، اسوہ، سیرت اور خُلق مبارک ہے جو درج ذیل باتوں کو محیط ہے:

(ا)۔ فرائض و واجبات: اولین درجے میں فرائض و واجبات اور حلال و حرام (عقائد و اعمال بشمول حقوق اللہ، حقوق العباد، رسوم و آداب اور خورونوش) ہیں۔ اگر کسی نے فرائض و واجبات اور حلال و حرام کی پرواہ نہ کی تو وہ آپ ﷺ کی سنت (طریقے) سے ہٹ کر نافرمانی کا مرتکب ہو کر فلاح سے دور ہو گیا۔ فرائض و واجبات کا سنت (یعنی آپ ﷺ کا طریقہ) ہونا شاید ہمارے لئے نئی بات ہو، اسلئے اس ضمن میں چند دلائل ملاحظہ کر لیں تا کہ فلاح کی راہ کا یقین نصیب ہو جائے:

☆ جیسا کہ پہلے بھی واضح کر دیا گیا کہ سنت درحقیقت تعلیماتِ قرآن کا عملی پہلو ہے جیسا کہ خود حضور ﷺ نے فرمایا:

''امانت آسمان سے لوگوں کے دلوں میں اتری ہے اور قرآن بھی (آسمان) سے نازل ہوا ہے جسے لوگوں نے پڑھا (وعملوا من السنۃ) اور سنت کے ذریعے اس پر عمل کیا۔''

(بخاری، کتاب الاعتصام والسنۃ)

یہاں خود نبی کریم ﷺ نے اس بات کو واضح کر دیا کہ 'سنت' تعلیماتِ وحی کا عملی پہلو ہے۔

☆ وہ تین لوگ جنہوں نے تین فیصلے کئے:

''ایک نے ہمیشہ ساری رات نماز پڑھنے کا، دوسرے نے ہمیشہ روزہ رکھنے کا اور تیسرے نے نکاح نہ کرنے کا انکی بابت آپ ﷺ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا..... میں روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں، (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں نے عورتوں سے شادی بھی کی ہے (پس یہ سارے کام میری سنت) ہیں اور جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ میں سے نہیں۔''

(بخاری کتاب النکاح، رقم:5063: مسلم، مشکوٰۃ، کتاب الایمان:145)

معلوم ہوا سنت سے مراد آنحضور ﷺ کی پوری طرزِ زندگی ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ فرائض و واجبات کا عملی

پہلو ہی درحقیقت 'سنت' ہے۔

(۲)۔ سنت موکدہ: فرائض وواجبات سے نیچے وہ کام جن پر آپ ﷺ اور آپ کے اصحابؓ نے پابندی اختیار کی ہو لیکن اسے فرض قرار نہ دیا ہو۔ بلاوجہ ایسے امور کو ہمیشہ ترک کرنا گناہ کا باعث جبکہ کبھی کبھار ترک کرنے میں حرج نہیں۔

(۳)۔ نوافل ومستحبات: ان پر عمل پیرا ہونا مزید ثواب کا باعث جبکہ عمل پیرا نہ ہونے پر کوئی گناہ یا حرج نہیں۔ یہ اللہ ورسول ﷺ کے مزید قرب کا باعث ہیں۔ ڈیوٹی سے زائد کام کرنے والے اللہ کو بہت محبوب ہیں۔ لیکن اس ضمن میں یہ ضروری بات ذہن نشین رہے کہ:

''نوافل ومستحبات صرف اسی صورت میں فائدہ مند ہیں جب فرائض وواجبات کو پورا کر دیا جائے۔ فرائض وواجبات پورے نہ کر کے نوافل ومستحبات ادا کرنے کا نتیجہ فلاح کی بجائے ناکامی ہی ہوگا۔ یہ بیماری ہے جس میں اس وقت امت مسلمہ بری طرح مبتلا ہو چکی ہے۔ لوگوں کو فرائض و واجبات اور حلال وحرام (عقائد ونظریات، عبادات، اخلاقیات و معاملات) کا تو پوری طرح علم اور لحاظ نہیں لیکن زائد کام بہت سے اٹھائے ہوئے ہیں۔''

(۴)۔ طبعی امور: شرعی احکام کے علاوہ کچھ ایسے امور بھی ہیں جن کا تعلق انسانی طبیعت کے ساتھ ہے جیسے کھانے پینے میں پسندیدگی، سرمہ لگانا، سفر میں تیل کنگھا ساتھ رکھنا، زلفیں رکھنا..... وغیرہ۔ ان امور کو کوئی نہ بھی اختیار کرے تو کوئی گناہ نہیں لیکن فرائض وواجبات کی پابندی کے ساتھ آپ ﷺ کی ایسے اعمال کی جذبہ محبت سے اتباع بھی بہت سعادت کا باعث ہے۔ اس ضمن میں یہ اہم بات بھی ذہن نشین رہے کہ آپ ﷺ نے جو طبعی عمل بھی اختیار فرمایا دنیا کے لحاظ سے بھی اسی میں فائدہ ہے جیسا کہ آج جدید ریسرچ سے ثابت ہوتا جا رہا ہے۔ اسلئے آپ ﷺ کے طبعی امور کو اختیار کرنے میں بھی خیر ہی خیر ہے۔ تاہم ان میں سے بھی بطور دین کسی کام کا اگر حکم دے دیا گیا ہو تو وہ ضروری ہو جاتا ہے۔

(۵)۔ دنیاوی امور:

جہاں تک معاملہ دنیاوی امور کا ہے تو بات سمجھنے کیلئے درج ذیل روایات پر غور فرمائیں:

(a): نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کھجوروں کی پیوند کاری کیا کرتے تھے، آپ ﷺ نے

انہیں پیوند کاری نہ کرنے کا مشورہ دیا جس سے پیداوار کم ہوگئی، جب انہوں نے اسکے متعلق آپ ﷺ سے بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((انما انا بشر اذا امرتکم بشی ء من امر دینکم فخذو به واذا امرتکم بشی ء من رای فانما انا بشر)) (مشکوٰۃ، الایمان، رقم:148: مسلم)

''میں ایک انسان ہوں جب میں تمھیں تمھارے دین کے کسی معاملے کے بارے میں حکم دوں تو اسکی تعمیل کرو اور جب میں اپنی رائے سے کسی چیز کے متعلق تمھیں کوئی حکم دوں تو میں ایک انسان ہوں۔''

یعنی اس طرح کے دنیاوی معاملات کو فہم وبصیرت اور تجربات ومشاہدات پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

(b): غزوہ بدر کے موقع پر بعض صحابہؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اس جگہ جو آپ نے فوجی پڑاؤ ڈالا ہے اگر تو یہ از روئے وحی ہے تو سمعنا واطعنا لیکن اگر یہ آپ ﷺ کی ذاتی رائے ہے تو ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اسکے بارے میں اپنی رائے پیش کرسکیں۔

(c): حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیز تھیں، غلامی سے آزادی کے بعد انھوں نے اپنے خاوند سے علیحدگی (جو کہ آزادی کے بعد انکا حق تھا) کا ارادہ کرلیا۔ انکے خاوند نے نبی کریم ﷺ سے سفارش کی درخواست کی۔ آپ نے جب حضرت بریرہؓ کو نکاح قائم رکھنے کا فرمایا، اس پر حضرت بریرہؓ نے عرض کیا: حضور ﷺ یہ آپکا حکم ہے یا مشورہ، آپ ﷺ نے فرمایا مشورہ تو حضرت بریرہؓ نے عرض کیا تو حضور ﷺ مجھے اپنے شوہر کے پاس رہنے کی حاجت نہیں۔ (بخاری، باب الطلاق:5283)

صحابہ کرامؓ کے اسوہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ دینی امور یا وہ جسے آپ ﷺ بطور حکم ارشاد فرمادیں انکی پیروی واجب جبکہ دنیاوی امور میں پیروی ضروری نہیں۔

<u>حلیہ ولباس:</u> اس موقع پر یہ ضروری ہے کہ حلیہ ولباس کے حوالے سے ضروری باتیں واضح کردی جائیں: دین میں لباس کی چار شرائط بیان ہوئی ہیں: (۱) لباس میں عورت، مرد کی مشابہت سے بچنا، (۲)۔ ریشم کا لباس مرد کیلئے ممنوع ہونا، (۳)۔ ایسا تنگ لباس جس سے جسم کے شرم والے حصے نمایاں ہوں اسکا ممنوع ہونا، اور (۴)۔ غیر مذہب کی مذہبی مشابہت والے لباس کا ممنوع ہونا۔

شکل وصورت، وضع قطع میں ایسی صورت اختیار کرنا جو کسی دوسرے مذہب کی علامت ہو یا جس سے روکا گیا

ہو جیسے: بالوں کا قزع، بھنوں کا ڈیزائن، فرنچ کٹ، جسم گندوانا..... وغیرہ ممنوع ہے۔کئی اہل علم کے نزدیک شیو کی بجائے بالوں کا اتنا بڑھانا کہ جس پر ڈاڑھی کا اطلاق ہو سکے واجب ہے، اس کے بعد مزید بڑھا کر کم از کم ایک مشت کرنا سنت ہے۔(واللہ اعلم)۔

اسوہ مصطفیٰ ﷺ

جیسا کہ پہلے بھی واضح کر دیا گیا کہ امتِ مسلمہ کی اکثریت اس وقت حضور ﷺ کے ساتھ محبت کے دعووں کے باوجود آپ ﷺ کی حقیقی سنت سے ہٹ چکی ہے۔صرف چند ظواہر کو سنت کا نام دے دیا گیا ہے۔مسلمانوں نے سنت کی ایک خود ساختہ فہرست بنالی ہے۔چند ضمنی اور فروعی چیزوں (خورد ونوش، لباس، مسواک، سرمہ، تیل، کنگھی کرنے....) کو سنت کی فہرست میں داخل کر لیا ہے اور بہت ساری بنیادی اور ضروری چیزوں کو فہرست سے نکال دیا ہے۔جو ان چند ظواہر پر عمل پیرا ہیں وہ ہی متبع رسول ﷺ کہے جاتے ہیں اگر چہ وہ ضروری چیزوں سے دور ہی ہوں۔حقیقی دین یا سنت اب اجنبی ہو چکا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''بے شک دین کا آغاز اجنبیت کے عالم میں ہوا اور وہ عنقریب اسی حالت میں (حجاز کی طرف) لوٹ جائے گا جیسے شروع ہوا۔ایسے اجنبیوں کیلئے خوشخبری ہے۔اور یہی (اہل حجاز) وہ لوگ ہیں جو میری سنت کی اصلاح واحیاء کریں گے جسے لوگوں نے میرے بعد خراب کر دیا ہوگا۔'' (ترمذی رقم:2630:مشکوٰۃ، کتاب الایمان:170)

چونکہ حقیقی دین (سنت) ہمارے لئے اجنبی ہے، ہم اس سے بہت دور ہیں، اسلئے ہم اسے پہچاننے اور ماننے کیلئے آمادہ ہی نہیں ہوتے۔بہر کیف اہلِ عقل کیلئے آپ ﷺ کی حقیقی سنت، اسوہ مبارک سے چند انتہائی اہم پہلو قلمبند کئے جا رہے ہیں تا کہ اپنا اپنا محاسبہ کیا جا سکے کہ ہم کس حد تک آپ ﷺ کی سنت یا اسوہ مبارک کو ماننے والے ہیں:

(ا)۔<u>سنتِ صبر:</u> غزوہ احزاب میں تقریباً ۱۲ ہزار مشرکین نے مدینہ پر چڑھائی کی اور ایک ماہ تک مدینہ کا محاصرہ کئے رکھا۔اس دوران مسلمانوں پر اتنے سخت حالات آئے کہ آپ ﷺ کے بعض ساتھی بھی پوری طرح صبر و استقامت پر نہ رہ سکے۔ان شدید حالات میں بھی حضور ﷺ صبر و استقامت کا پہاڑ بنے رہے، جس پر قرآن نے یوں تبصرہ کیا:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ ''یقیناً تمھارے لئے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔'' (احزاب:33:آیت:21)

یعنی آپ ﷺ کے ساتھیوں سے یہ کہا جارہا ہے کہ ان شدید مشکلات میں بھی رسول اللہ ﷺ کا صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر ڈٹے رہنے میں تمھارے لئے بہترین نمونہ ہے۔ افسوس کہ آج یہ آیت تو اکثر خطاباء کی زبان پر ہے لیکن اس آیت کے نزول کے اصل سبب کو نظر انداز کر کے اس سے دیگر ذکر کردہ میٹھی میٹھی سنتوں کی ترغیب دلائی جاتی ہے۔ جہاد سمیت دیگر تمام مشکل معاملات میں صبر، تحمل اور برداشت سے کام لینا آپ ﷺ کا اسوہ مبارک تھا جسے ہم بھول چکے ہیں۔ جہاد تو بہت بڑی بات ہے، روزمرہ زندگی کی چھوٹی چھوٹی مشکلات پر غضبناک ہونا ہمارا وطیرہ بن چکا ہے۔ کاش ہم حقیقت کو جاننے اور ماننے والے بن جائیں۔

(۲)۔ <u>شرک سے نفرت و بیزاری کی سنت</u>: سب سے بڑا گناہ جس پر خالق نے بروزِ قیامت معافی کے دروازے بند کر دیئے ہیں یعنی 'شرک'، نبی کریم ﷺ کے نزدیک بھی یہ گناہ انتہائی قابلِ نفرت تھا۔ ہو بھی کیوں نہ؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ ﷺ کو حکم دیا کہ اس راستے (سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ملت) کی پیروی کریں جن کا امتیازی وصف شرک سے شدید بیزاری تھا، ارشاد ہوا:

''پھر ہم نے وحی فرمائی (اے رسول) آپکی طرف کہ پیروی کرو ملت ابراہیم کی جو یکسو تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔'' (النحل:16:آیت:123)

اسی لئے آپ ﷺ کی دعوت کا مرکز و محور بھی توحید ہی رہا، آپ ﷺ نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف (گورنر بنا کر) بھیجا تو فرمایا:

''تم انہیں سب سے پہلے اللہ کی توحید کی طرف دعوت دینا۔'' (بخاری کتاب التوحید)

آپ ﷺ نے شرک کے مرتکبین کیلئے شفاعت سے دستبرداری کا بھی اعلان فرمایا دیا ہے۔ کیا ہم بھی آپ ﷺ کے اس اسوہ کو سنجیدہ لینے کیلئے تیار ہیں.....؟

(۲)۔ <u>فرض واجب عبادات</u>: باجماعت پانچ نمازیں، رمضان کے روزے، زکوٰۃ اور حج (صاحب نصاب اور استطاعت پر) کا اہتمام آپ ﷺ کا فرض و واجب اسوہ ہے۔ ان سب کا اہتمام کئے بغیر نفلی نمازیں، روزے اور صدقہ و خیرات کرنا حقیقی اسوہ سے دوری ہے۔

(۳)۔سنتِ تفکر: آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کا یہ طریقہ تھا کہ محض الفاظ کی ادائیگی کی بجائے انکے معنی ومفہوم پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔عقل وبصیرت کی بنا پر دلیل کی پیروی کرتے تھے۔جبکہ ہمارا معانی ومفہوم سے دور ہوکر محض الفاظ کی مشقوں پر زور ہے اسی لیے نتائج برآمد نہیں ہوتے۔

(۴)۔سنتِ ایفائے عہد: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

''اور عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔'' (بنی اسرائیل:17:آیت34)

کیا ہمیں اس جواب طلبی کا لحاظ ہے؟ نبی کریم ﷺ کا طریقہ تھا کہ آپ ﷺ وعدے کے بہت پابند تھے خواہ معاہدہ مسلمانوں کے مابین ہو یا کفار کے۔وعدے کو آپ ﷺ ہر صورت پورا کرتے چاہے کتنا ہی تردد کرنا پڑتا۔اسکے برعکس ہم میں سے اکثر کا ظاہر درست ہونے باوجود بھی ایفائے عہد کی اس لازمی سنت کا کچھ پاس نہیں۔اکثر مذہبی لوگ بات بات پر قول وقرار کرنے بعد پھر جاتے ہیں۔حالانکہ آپ ﷺ نے تو یہاں تک فرمادیا کہ:''جس میں ایفائے عہد نہیں اسکا کوئی دین نہیں۔'' کاش ہم سوچیں.....؟

(۵)۔دیگر اوامر میں سنت: ایفائے عہد سمیت دیگر تمام اوامر کی پاسداری ضروری قرار دی گئی جیسے:

''دعوتِ دین،سچائی،عدل وانصاف، دیانتداری، امانت داری، اخلاق،شرم وحیاء،حسن سلوک، انفاق، پاکیزگی،تعاون، جہاد(جہاد یہ نہیں کہ ہر کوئی قتل وغارت کیلئے اٹھ کھڑا ہو،اس کے فرض ہونے کی اپنی مخصوص شرائط ہیں).....وغیرہ۔''

آپ ﷺ ان سب امور کا بھرپور لحاظ رکھنے والے تھے۔یعنی ان چیزوں کو لازمی طور پر زندگی کا حصہ بنانا آپ ﷺ کی لازمی سنت تھی۔افسوس کہ ہمیں ان چیزوں میں سے شاید کسی ایک کا بھی پوری طرح لحاظ نہ ہو ،اسکے باوجود بھی ہم محض ظاہر کو درست کرکے عاشق رسول ﷺ ہونے کے زُعم میں مبتلا ہیں۔

(۶)۔نواہی سے بچنا: اوامر کی پاسداری کے ساتھ ساتھ تمام نواہی سے بچنا اور نفرت رکھنا بھی پیارے رسول ﷺ کی لازمی سنت تھی جیسے:

''نفاق،چوری،غیبت،بدکاری،سود،بغض،بہتان،دھوکہ وفریب،وعدہ خلافی،امانت میں خیانت ، ملاوٹ، بدظنّی، بخل وکنجوسی، اسراف، بدعت،لڑائی جھگڑا،بد اخلاقی، گالی گلوچ، ناحق قتل.....وغیرہ۔''

افسوس کہ ان رذیل بیماریوں میں مبتلا ہوکر بھی ہم متبع سنت ہی ہیں.....!

ہماری صورتِ حال

ظاہر درست ہونے کے باوجود بھی درج ذیل خرابیاں آج کے مسلمانوں میں کثرت سے دکھائی دیتی ہیں:

''مذہب کی بنا پر قتل وغارت کو ہوا دینا، عہدہ واختیارات کے غلط استعمال کے ذریعے ملک وقوم کی حق تلفی۔ رزق حرام، ڈیوٹی ٹھیک نہ کرنا۔ سرکاری اشیاء کو ناحق ذاتی استعمال میں لانا۔ ناپ تول میں کمی، ملاوٹ، دھوکہ دہی، جھوٹی قسموں کے ذریعے خرید وفروخت، ناجائز منافع، مزدور کو پوری اجرت نہ دینا، ذخیرہ اندوزی سے غریب عوام کا استحصال، دین کی خدمت کے نام پر دوسرے فرقوں کی مساجد پر قبضہ۔ دوسروں کا حق چھیننے کیلئے رشوت وسفارش۔ وراثت ہتھیانہ، بالخصوص خواتین کو انکا حق نہ دینا۔ بداخلاقی۔ ہمسائیوں سے ناروا سلوک۔ اپنی باری کی بجائے لائن توڑ کر دوسروں کی حق تلفی کرنا۔ واش روم وغیرہ کے استعمال کے بعد صفائی کا خیال نہ رکھنا۔ لوگوں کو تکلیف دینا، انکی دل آزاری کرنا۔ صفائی ستھرائی، ڈسپلن نظم وتنظیم کا خیال نہ رکھنا۔ اپنا کوڑا کرکٹ دوسروں کے گھروں کے آگے پھینکنا۔ لوگوں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا۔ گھریلو ذمہ داریاں پوری نہ کرنا۔ عہد و پیمان کی پاسداری نہ کرنا۔ دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری ادا نہ کرنا۔ شرم وحیاء کو ملحوظ نہ رکھنا۔''

افسوس کہ ان سب غلاظتوں میں ڈوب کر بھی ہم کہیں کہ ہم سچے عاشقِ رسول ﷺ ہیں اور اس زعم میں مبتلا رہیں کہ ہم ہی جنت کے وارث ہیں..... باعث حیرت ہے۔؟ نماز روزہ، ٹوپی پگڑی، ذکر اذکار تو آسان کام ہیں لیکن حقوق العباد کے ضمن میں مذکورہ باتوں کو ملحوظ رکھنا بہت مشکل کام ہے۔

اللہ ہمیں سنت کے صحیح مفہوم کو سمجھنے، ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

۞۞۞۞۞

27۔ جلدی کیجئے (برف پگھل رہی)

تحریر کا مقصد: دنیا امتحان گاہ ہے جس کا نتیجہ ہمیشہ ہمیش کی اخروی زندگی میں نکلنے والا ہے، یا تو لافانی عیش یا دردناک ابدی عذاب کی صورت میں۔ فانی زندگی کے لمحات بڑے قیمتی ہیں جنہیں اکثریت ضائع کرتی جاتی ہے۔ انسان یہ خیال کرتا ہے کہ زندگی بڑی طویل ہے لیکن دنیا کا وقت بڑی تیزی سے گزر کر انسان کو موت کے منہ میں دھکیل دیتا ہے۔ اس ضمن میں حقائق کو واضح کرنا تاکہ زندگی کو ضائع ہونے سے بچا لیا جائے، اس تحریر کا بنیادی مقصد ہے۔

برف پگھل رہی.....! زندگی برف کے تودے کی مانند ہے۔ برف مسلسل پگھلتی جاتی ہے۔ برف کا تودا کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس نے بالآخر پگھل کر ختم ہو جانا ہے۔ مسلسل گزرتے ہوئے لمحات ہماری زندگی کو کھا رہے ہیں۔ زندگی خواہ کتنی ہی طویل کیوں نہ اس نے بالآخر ختم ہو جانا ہے۔ برف بیچنے والے کی خیر اسی میں ہے کہ برف پگھل کر ختم ہونے سے قبل جلد از جلد اسے بیچ کر اپنا سرمایہ بچا لے۔ اگر سستی کی تو سوائے پچھتاوے کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ ہر گزرنے والا سیکنڈ ہم سے وقت چھین کر زندگی کو کم کرتا جا رہا ہے لیکن ہم غافل سوئے ہوئے ہیں۔ ہماری خیر بھی ان لمحات کی قدر کرتے ہوئے انہیں قیمتی بنانے میں ہے۔ ورنہ سوائے حسرت و افسوس کہ کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ عقلمند وہی ہوگا جو برف کے پگھلنے کی طرف دیہان بھی رکھے اور جلد از جلد اسے بیچ کر سرمایہ بچانے کی فکر بھی کرے۔

وقت کا دھوکہ: انسان یہ خیال کرتا ہے کہ زندگی بڑی طویل ہے لیکن دنیا کا وقت بڑی تیزی سے گزر کر انسان کو موت کے منہ میں دھکیل دیتا ہے۔ چٹکی بھر میں بچپن جوانی میں..... جوانی بڑھاپے میں..... اور بڑھاپا لاغری میں تبدیل ہو کر زندگی کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جوانی ابھی آئی ہی نہ تھی کہ ڈھل بھی گئی۔ اگر یقین نہیں آتا تو بوڑھوں سے پوچھ لیں کہ وقت کتنی تیزی سے گزر گیا۔ جو وقت (دن، ہفتہ، مہینہ، سال) آگے آنے والا ہو اس میں تو بہت وقت محسوس ہوتا ہے، لگتا ہے وہ بہت طویل ہے لیکن جونہی وقت گزر کر ماضی کا حصہ بن جاتا ہے تو اس میں کچھ بھی نہیں رہتا۔ وہ ایک خواب ہی لگتا ہے۔ زندگی کے بیتے ہوئے سالوں سال ایک لمحہ محسوس ہوتے ہیں۔ یہی وقت کا دھوکہ ہے جسے سمجھ کر، اسکے فریب سے بچتے

ہوئے حال اور مستقبل کے لمحات کو قیمتی بنانے کی فکر کی ضرورت ہے۔

انسانی طرزِ عمل: انسان جلد ملنے والے فائدے ونقصان یعنی فانی دنیاوی زندگی کیلئے تو بہت چوکنا رہتا ہے لیکن بعد میں آنے والی ابدی اخروی زندگی کے بارے میں غافل رہتا ہے۔ دنیا کے تقاضے ساتھ ساتھ ہی پورے کرتا جاتا ہے لیکن آخرت کے تقاضوں کو موخر کرتا جاتا ہے۔ آج کو کل پر اور کل کو اگلے کل پر ڈالتا جاتا ہے۔ شیطان اسے کہتا ہے جلدی کس بات کی ہے کرلیں گے بڑا وقت پڑا ہے۔ موت تک شیطان اسی فریب میں مبتلا رکھتا ہے یہاں تک کہ زندگی بیت جاتی ہے۔ یہی بہت بڑے خسارے اور دھوکے کی راہ ہے۔ پروردگار نے اس انسانی طرزِ عمل کی عکاسی یوں فرمائی:

﴿ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَ هُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝ ﴾

''بیشک یہ لوگ چاہتے ہیں جلدی ملنے والی (دنیا) کو اور چھوڑے (نظر انداز کئے) دیتے ہیں اپنے پیچھے ایک بڑے بھاری دن (قیامت) کو۔'' (الدھر: آیت:27)

کیا دنیا کی طرح اخروی تقاضوں کو بھی ساتھ ساتھ پورا کرنے کی ضرورت نہیں.....؟

حوادثِ زمانہ

وقت سدا ایک جیسا نہیں رہتا۔ آنے والا کوئی بھی لمحہ مصیبت کے ساتھ دستک دے سکتا ہے۔ ہمیں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ ہماری زندگی درج ذیل حوادث کی زَد میں ہے:

(۱) حادثات: کوئی حادثہ: دوران سفر 'Accident'، قتل، بمب بلاسٹ، آگ لگنا، عمارت گرنا، زلزلے..... وغیرہ پیشگی اطلاع دیے بغیر کسی وقت بھی ہماری زندگی چھین سکتے ہیں، بلکہ آئے روز ہم کئی لوگوں کو انکی لپیٹ میں دیکھتے ہیں۔ موجودہ دور میں ایسے خطرات کا امکان بہت بڑھ چکا ہے۔

(۲) بیماری: ہم ہر وقت بے شمار جراثیم اور کئی بیماریوں کی زد میں ہیں، کسی وقت بھی کوئی مہلک بیماری: فالج، ہارٹ اٹیک، کینسر (خون، دل، دماغ، جلد اور جسم کے دیگر تمام اعضاء کا) ،جگر ،گردوں کا فیل ہونا، دماغ سمیت جسم کے اندر کہیں بھی خاموش رسولیوں کا بننا..... وغیرہ، عمر کے کسی بھی حصے میں اچانک ظاہر ہوکر مہلت ختم کرسکتی ہیں یا جسم کے کسی حصے کو اپاہج کرسکتی ہیں۔

(۳) مصروفیت: وقت ہمارا بڑا قیمتی سرمایہ ہے، فراغت کے لمحات کی انسان قدر نہیں کرتا، اکثریت

وقت ضائع ہی کرتی ہے۔کوئی بڑی مصروفیت (معاشی ذمہ داری، گھریلو مصروفیت، بیمار یا اپاہج عزیز واقارب کی دیکھ بھال....) انسان کا گھیراؤ کر کے اس کا وقت چھین سکتی ہے، اب وہ کچھ کرنا بھی چاہے تو شاید نہ کر سکے۔صحت اور فراغت کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''دو نعمتیں جن کے متعلق اکثریت خسارے اور گھاٹے کا شکار رہے گی وہ 'الصحۃ والفراغ' یعنی صحت اور فراغت ہیں'' (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، 6412)

ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ جب وقت، تندرستی، صلاحتیں موجود ہوتی ہیں تو ہم انہیں ضائع کرتے جاتے ہیں لیکن جب چھن جاتی ہیں تو پچھتانے لگ جاتے ہیں۔

(۴) بڑھاپا: موت نہ بھی آئے بڑھاپا تو رختِ سفر ہے۔جوانی کے پچیس تیس سال گزرنے کا تو پتہ بھی نہیں چلتا، پھر اسکے بعد ہر آنے والا دن بڑی خاموشی سے انسان کی صحت، طاقت وتوانائی، خوبصورتی..... پر حملہ آور ہو کر بڑی تیزی سے اسے زوال پذیر کرتے ہوئے کمزوری ولاغری کی طرف دھکیلتا جاتا ہے، جب ہوش آتا ہے تو وقت ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے۔

(۵) فقر وفاقہ: فقر وفاقہ اور حالات کی تنگی انسان کو بے بس کرتے ہوئے ہوش اڑا دیتی ہے۔

(۶) موت: باقی سب کو نظر انداز کر بھی دیا جائے تو موت تو اٹل ہے، اس سے تو کسی کو بھی فرار نہیں، زندگی کی ایک ساعت کی بھی گارنٹی نہیں، موت بغیر بتلائے اچانک کسی لمحے بھی وارد ہو کر زندگی کی مہلت کو ہمیشہ کیلئے ختم کر سکتی ہے۔

انہیں حوادث کے متعلق محسنِ انسانیت ﷺ نے بڑے زوردار انداز میں خبردار کیا:

''سات چیزوں سے پہلے نیک اعمال میں جلدی کر لو: (۱) کیا تمھیں ایسے فقر کا انتظار ہے جو بھلا دینے والا ہے؟ (۲) یا ایسی تونگری کا جو تمھیں حد سے تجاوز کرا دے؟ (۳) یا ایسی بیماری کا جو بگاڑ دے؟ (۴) ایسے بڑھاپے کا جو عقل و ہوش کو زائل کر دے؟ (۵) یا موت کا جو نہایت تیزی سے اپنا کام تمام کر دے؟ (۶) یا دجال کا جو ہر اس برائی سے بدتر ہے جسکا انتظار کیا جائے؟ (۷) یا قیامت کا؟ پس قیامت تو بہت ہی ہولناک اور نہایت تلخ ہے۔'' (ترمذی، کتاب الذہد: رقم:2306)

ان حقائق کو فراموش کرنا کیا عقلمندی ہے.....؟ ان تمام حوادث کے آنے سے پہلے پہلے دین کو سنجیدہ لینے،

دنیا کو آخرت کے تابع کرتے ہوئے پورے دین کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ خدانخواستہ ان حوادث کے رونما ہو جانے کے بعد آنکھیں کھلیں تو بڑی پشیمانی ہوگی۔

صرف ایک موقعہ! دنیا کے امتحان میں فیل ہو جائیں تو بار بار موقع مل جاتا ہے، لیکن اخروی امتحان کا صرف ایک ہی موقعہ (Chance) ہے، جو کرنا ہے اسی زندگی میں موت اور لاغری سے پہلے پہلے کرنا ہے، موت کے بعد جو کیا تھا اسکا حتمی نتیجہ سامنے آجائے گا، ناکام ہوگئے تو سوائے پچھتاوے کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اسلئے آخرت کے حوالے سے بغیر کسی کی پرواہ کئے خودغرض ہو جاؤ، عقلمند وہی ہے جو بلا تاخیر فوراً فیصلہ کرلے۔

جلدی کیجئے: مذکورہ حقائق کے پیش نظر دنیا کی بہتری کے ساتھ ساتھ اخروی فلاح کا فیصلہ جلدی کر لیجئے۔ اگر آپ کے پاس صحت و تندرستی اور فراغت کی عظیم نعمتیں ہیں تو موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ان نعمتوں سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا فوراً فیصلہ کرلیں۔ دنیوی زندگانی کو آخرت کے تابع کرنے میں ایک دن کا بھی التوا نہ کریں بلکہ آج سے کام شروع کردیں۔ پروردگار نے فرمایا:

﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ ''پس نیکیوں کی طرف جلدی کرو۔'' (البقرہ:148:2)

اگر ہم بات مان کر اس حقیقت کو پالیں تو فلاح ہمارا مقدر بن جائے۔

دوڑنے کا حکم: پروردگار نے تو عظیم الشان اخروی نعمتوں کی طرف دوڑنے کا حکم دیا:

﴿وَ سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَo﴾ (آل عمران:133:3)

''اور اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لئے۔''

اس آیت کریمہ میں دو پہلو غور طلب ہیں: اولاً یہ کہ اخروی نعمتوں کی وسعت زمین و آسمان کی طرح بیان ہوئی ہے۔ زمین و آسمان کی وسعتوں کا آج جو ہلکا سا اندازہ لگایا گیا ہے اس کے مطابق کائنات میں اربوں کہکشائیں ہیں، ہر کہکشاں میں اربوں ستارے ہیں، ان اربوں ستاروں کے مابین کئی کئی ہزار نوری سالوں کے فاصلے ہیں۔ کہکشاں کے سامنے ہماری زمین کی حیثیت ایک ذرے جتنی بھی نہیں۔ یہاں تو ہم دس مرلہ، ایک کنال کا گھر بنا کر پھولے نہیں سماتے لیکن اخروی عظیم نعمتوں کی وسعتوں کو نظر انداز کئے رہتے ہیں۔ پروردگار نے ان وسعتوں کی طرف توجہ دلائی ہے تاکہ شوق و رغبت پیدا ہو۔ دوسری قابل غور بات یہ

ہے کہ یہاں دوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔یعنی بات سمجھ آتے ہی فوراً ایک لمحے کا التوا کئے بغیر ان عظیم نعمتوں کے حصول کیلئے بھر پور جدو جہد کرنی شروع کر دی جائے۔کاش یہ بات ہمیں اسی زندگی میں سمجھ آجائے۔(آمین)

پروردگار نے جنت کی عظیم وسعتوں کی طرف یوں رغبت دلائی:

﴿وَفِی ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَo﴾(البقرہ:83: آیت:26)

''اوراس(جنت) کے بارے میں ہی رغبت کرنی چاہیئے رغبت کرنے والوں کو۔''

رغبت اور شوق کی چیز اگر کوئی ہے تو وہ جنت ہے،اسلئے اہل ایمان کو خوب شوق وشدت سے اسکی طرف کاوش ورغبت کرنی چاہیئے۔اس حقیر دنیا کی خاطر آخرت کو نظرانداز کر کے وسیع وعریض ابدی عظیم جنت کی بہاروں سے محروم رہنا کیا عقلمندی ہے......؟

طول امل کے نقصانات

طول امل یعنی کام فوراً کرنے کی بجائے لمبی امیدوں میں مبتلا ہو جانا ہر فتنے اور شر کا باعث جبکہ طول امل سے بچنا ہر خیر کا باعث ہے۔لمبی امیدوں میں مبتلا ہونے کے درج ذیل نتائج یقینی ہیں:

(۱)۔توبہ کی توفیق سے محرومی، (۲)۔مال سمیت دنیاوی حرص ولالچ میں اضافہ، (۳)۔کما حقہ اطاعت و بندگی سے محرومی، (۴)۔قساوت قلب اور غفلتِ آخرت: یعنی دل کا سخت ہو جانا، رقت قلب سے محروم ہو جانا،

امام غزالی رحمہ اللہ نے طول امل کے خسارہ کی نقشہ کشی یوں فرمائی ہے:

''طول امل کا شکار ہونے کے بعد انسان کے نزدیک سب سے اہم اور اسکی توجہات کا مرکز دنیا اور دنیا مین عیش وعشرت کے اسباب و ذرائع بن جاتے ہیں۔لوگوں سے میل جول اور خلط ملط کا غلبہ ہو جاتا ہے۔اور اسی طرح انسان کے دل پر قساوت(سختی) چھا جاتی ہے۔کیونکہ رقت اور صفائی قلب تو موت کو یاد رکھنے،قبر کی وحشت وتنہائی پیش نظر رہنے،آخرت کے ثواب وعذاب اور وہاں کے خوفناک مناظر و واقعات کو یاد رکھنے سے ہوتی ہے اور جب ان میں سے کوئی بات بھی نہ ہو تو صفائی کیسے پیدا ہو؟''(منہاج العابدین،مترجم،ص۔154، پرگریسو بکس،1999)

فریب سے نکلنے کا حل

فریب سے بچنے کیلئے یہ حقیقت دل میں بٹھالیں کہ وقت ہاتھ سے گیا ہی گیا۔ دن ہفتے، مہینے اور سال پل بھر میں گزر کر ماضی کی داستان بن جانے ہیں اسلئے:

(۱) کل کے دھوکے سے بچا جائے: صرف وہ کام ہوسکتا ہے جسے آپ نے آج کرلیا، لہٰذا جس کام کو آپ واقعتاً کرنا چاہتے ہیں اسے کبھی کل پر نہ ڈالیں بلکہ سب رکاوٹوں کو دور کر کے فوراً آج ہی اسے شروع کردیں، ورنہ یہ کل شاید موت تک نہ آسکے۔ کل کے فریب سے بچ جائیں کیونکہ اگر کل نصیب ہو بھی گیا تو آپ بالضرور اس سے اگلے کل کے دھوکے میں مبتلا ہو جائیں گے..... پھر یہ سلسلہ موت پر ہی ختم ہوگا۔ آج سے معمول میں دین کو زندگی میں نہ لانے بلکہ کل پر ڈالنے کا صاف مطلب یہی ہے کہ ہم عمل پر آنا ہی نہیں چاہتے بلکہ خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتے ہیں۔ آپ کی زندگی آج کا موجودہ دن ہے۔ اگر آپ موت کے وقت حسرت و پچھتاوے سے بچنا چاہتے ہیں تو آج کے دن کو زندگی سمجھیں اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھا لیں ورنہ آپ موت کے وقت حسرت سے بچ نہ سکیں گے۔ موت کے وقت ہم مہلت کی حسرت کریں گے لیکن مہلت تو ابھی آپکے موجود ہے۔ اُس وقت حسرت کرنے کی بجائے آج ملی ہوئی مہلت سے فائدہ اٹھالیں۔ اللہ ہمیں وقت کے دنیوی دھوکے سے بچا کر آج عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''جب تم شام کرو تو صبح کا انتظار مت کرو اور جب صبح کرو تو شام کا انتظار مت کرو اور اپنی صحت میں بیماری کے لئے اور اپنی زندگی میں موت کے لئے (کچھ) حاصل کرلو''

(بخاری، کتاب الرقاق: 6416)

(۲)۔ برے وقت اور موت کی یاد دہانی: یہ بات ذہن نشین رہے کہ اچانک حادثات، مہلک بیماریاں اور موت بغیر بتلائے کسی وقت بھی رونما ہو کر آپکا وقت اور صلاحیتیں چھین سکتے ہیں۔ بیماریاں اور حادثات نہ بھی آئے تو بڑھاپے نے دھیرے دھیرے رونما ہو ہی جانا ہے۔ انکے فریب سے بچیں اور اخروی کامیابی کا پختہ عزم کریں۔

(۳)۔ زندگی کا معمول بنالیں: انسان استقامت سے صرف وہی کام کرسکتا ہے جو اسکے شب و روز (Daily Life) کے معمول (Routene) کا حصہ بن جائے۔ جسطرح دو یا تین وقت کا کھانا،

سکول یا دفتر، دنیوی مشاغل، آرام وسکون ہمارے شب و روز کا حصہ ہیں۔ ہر دن کے عوض ہم انکے لئے وقت نکالتے ہیں، کبھی کوئی مصروفیت آڑے آ بھی جائے پھر بھی کھانے کیلئے وقت ضرور نکالتے ہیں..... آج کے کھانے کو کل پر نہیں ڈالتے۔ اگر آپ واقعتاً اللہ کیلئے سنجیدہ ہیں تو پھر اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کیلئے آج ہی اپنے دینی اور دنیاوی کاموں کی لسٹ بنائیں اور جس دینی کام کو کرنا چاہتے ہوں اسے روازنہ کے معمول میں وقت کے تعین کے ساتھ شامل کر دیں۔ روزانہ کے معمول کے ساتھ ساتھ ہفتہ وار معمول میں بھی کچھ چیزیں شامل کر لیں۔ وقت پر گہری نظر رکھیں، جہاں جہاں سے فرصت کے لمحات میسر آئیں ان سے بھرپور فائدہ اٹھاتے جائیں۔ اور توفیق کیلئے اللہ سے دعا گو رہیں، اچھی صحبت، اچھے ماحول کے حصول کی بھرپور کاوش کریں، انشاءاللہ منزل مل جائے گی۔

سمجھنے کی بات! کل پر ڈالنے کی بجائے آج کا کام آج کرنا اسلئے ضروری ہے کہ:

ایک تو یہ معلوم نہیں کہ کل نصیب ہو یا نہ ہو، نصیب ہو بھی جائے تو کل فرصت ملے یا نہ ملے۔ صحت ساتھ دے یا نہ دے! دوسری اہم بات یہ ہے کہ اللہ کے روبرو پیش ہو کر ہم نے بلوغت سے موت تک ہر دن کا حساب دینا ہے۔ یہ زندگی کتاب کی مانند ہے، ہر دن نیا صفحہ الٹ جاتا ہے، آج کے صفحے پر صرف آج ہی لکھا جا سکتا ہے، جب صفحہ الٹ گیا تو پھر اس پر کچھ نہیں لکھا جا سکے گا، کل نیا صفحہ سامنے آ جائے گا، روزانہ کا کام روزانہ کرنے کی ضرورت ہے، بروز قیامت یہ کتاب خالق کائنات کے روبرو ہمارے ہاتھ پکڑا دی جائے گی اور کہا جائے گا:

﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ (بنی اسرائیل:14:17)

''پڑھ اپنی کتاب آج تو اپنا حساب لگانے کیلئے خود ہی کافی ہے''

اسلئے کل پر ڈالنے کی بجائے ہر دن کا کام اسی دن کرنا ضروری ہے۔ ورنہ خالی اور گناہوں والے صفحات کا ہم کیا جواب دیں گے۔؟

خسارہ کوئی معمولی نہیں! اخروی خسارہ کوئی معمولی خسارہ نہیں۔ اس خسارے کی سب سے ہلکی قسم کی بابت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جہنم کا سب سے ہلکا عذاب اس آدمی کو ہوگا جسے آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی جس سے اسکا دماغ کھولنے لگے گا۔'' (مسلم، کتاب الایمان)

اس ہولناک صورتِ حال سے ڈرنے کی ضرورت ہے یا آنکھیں بند کرنے کی.....؟

کرنا کیا ہے؟

اخروی فلاح کیلئے درج ذیل کام کرنے کی ضرورت ہے:

پہلہ مرحلہ: (۱)۔دنیا کو دارلامتحان اور دارلآزمائش سمجھتے ہوئے اسے دین اور آخرت کے تابع کرنا، (۲)۔ضروری دین بالخصوص قرآن کو سمجھنے کیلئے وقت نکالنا، (۳)۔فرض عبادات کی پہلی ترجیح کے ساتھ ادائیگی۔ (۴)۔اخلاقیات و معاملات کو اللہ کے قانون کے تابع کرنا۔یعنی عدل و انصاف، سچائی، ایفائے عہد، خرچ میں اعتدال، شرم و حیاء..... کوملحوظ رکھنا، (۵)۔اپنے حلقہ اثر تک دعوت وتبلیغ۔

دوسرا مرحلہ: (۱)۔مزید سبقت اختیار کرتے ہوئے: عبادات میں خشوع وخضوع (نماز کے ظاہر اور باطن کی اصلاح) کا حصول۔فرائض وواجبات سے آگے نوافل ومستحبات اختیار کرنا۔کاوش وقربانی کو مزید بڑھاتے ہوئے درجہ احسان تک پہنچنا، (۲)۔علم دین میں اضافے کی جد جہد کرنا، (۳)۔زیادہ سے زیادہ لوگوں تک دین پہنچانے کی محنت کرنا۔

ساری سمجھ لگ جائے گی: آج تو انسان دنیا کی مشغولیت میں آخرت سے غافل ہو چکا ہے، لاکھ سمجھائیں بیدار نہیں ہوتا لیکن بروز قیامت سب سمجھ آجائے گی، لیکن اب کیا فائدہ....؟

﴿ وَجِایٓءَ یَوۡمَئِذِۭ بِجَهَنَّمَ یَوۡمَئِذِۭ یَتَذَكَّرُ ٱلۡإِنسَـٰنُ وَأَنَّىٰ لَهُ ٱلذِّكۡرَىٰ ۝ یَقُولُ یَـٰلَیۡتَنِی قَدَّمۡتُ لِحَیَاتِی ۝﴾ (الفجر:23-24)

''اور لائی جائے گی اس دن (سب کے سامنے) جہنم، اس دن سمجھ آجائے گی انسان کو (سب) مگر اب کیا حاصل اسکے سمجھنے کا! اس دن کہے گا انسان ہائے کاش آگے بھیجے ہوتے میں نے (نیک اعمال) اس زندگی کیلئے''

اس وقت پچھتائے کیا ہاتھ جب چڑیاں چگ گئیں کھیت.....! لیکن ابھی تو آپکے پاس وقت ہے جاگنا چاہیں تو جاگ سکتے ہیں، فوراً جاگ جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقائق کو فراموش کرنے کی بجائے یاد رکھ کر ہر دن کے عوض اخروی فلاح کیلئے بھرپور کاوش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

۞۞۞۞۞

28۔ رمضان المبارک ایک عظیم تحفہ

یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو تخلیق کیا ہے، ساری کائنات اسی نے بنائی ہے۔ کائنات کے جس حصہ پر انسان کو بسانا تھا، اس پر ایسا ماحول پیدا کیا گیا جس میں انسان زندہ رہ سکے۔ اس کرہ ارض پر انسان کی تمام بنیادی ضروریات ہوا، پانی وغیرہ فراہم کر دیا گیا۔ اُسی پروردگار نے لوگوں کے لیے طرح طرح کا رزق زمین سے اُگا دیا تا کہ انسان کے وجود کو بقاء مل سکے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس نے یہ سارا کچھ بنایا کیا اسکا کوئی مقصد نہ ہوگا.....؟

یقیناً یہ تخلیق با مقصد ہے۔ اس سارے نظام میں انسان کی تخلیق کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ انسان کے سر پر اللہ تعالی نے خلافت کا تاج رکھا ہے، جس کا مقصد اللہ ﷻ کے احکامات کو اپنے جسم پر لاگو کرنا اور انھیں زمین پر نافذ کرنا ہے، اپنی زندگی کو پیغمبر ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنا ہے۔ انسان کا وجود: فانی جسم اور باقی رہنے والی روح پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کے مادی جسم کی ضروریات پیدا کیں وہاں روحانی بقاء کے لئے اپنے برگزیدہ رسول بھیجے۔ روحانی ترقی کے بغیر انسان کا دل سخت اور مردہ ہو جاتا ہے۔

رمضان المبارک اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جو رب کی رحمت، شفقت اور لوگوں سے محبت کی علامت ہے۔ اس ماہ مقدس کے آغاز میں بڑی بڑی تبدیلیاں عمل میں لائی جاتی ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔'' (بخاری کتاب الصوم، رقم:1899)

یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے کہ انسان کے اصل مقصد کا حصول آسان ہو سکے، دِل نرم ہو جائے نیکی کی جستجو پیدا ہو۔ اِسی لئے اس ماہ مقدس کے سایہ فگن ہوتے ہی لوگ خود بخود مساجد کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں ،نیکی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے انسان کو موقع فراہم کیا ہے کہ وہ اپنے اصل مقصد سے جڑ جائے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (سورۃ البقرہ:2:183)

''اے ایمان والوتم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلی (امتوں کے) لوگو ں پر فرض کئے گئے تھے، تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ''

انسان کی نجات کا دارومدار تقوٰی کے حصول پر ہے، تقوٰی کا لغوی معنی ہے بچنا ہے۔ یعنی خود کو محفوظ رکھنا، اپنا بچاؤ کرنا یا ڈرنا، یعنی جن چیزوں سے رب نے منع فرمایا ہے، ان سے اجتناب کرنا اور جن کا حکم دیا ہے ان پر جم جانا۔ جن چیزوں سے ہمارے مہربان رب نے بچنے کا حکم دیا ہے وہ ہمارے لئے نقصان دہ ہیں۔ نقصان اور تکلیف دِہ چیزوں سے بچنے کی قوت ہماری فطرت میں ودیعت ہے۔ دنیا کے حوالے سے تو ہم سب بہت متقی ہیں: ہم جلتی آگ میں ہاتھ نہیں ڈالتے، سانپ سے بچتے ہیں، اسی طرح ہر نقصان دِہ چیز سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں اسلئے کہ دنیا کا فائدہ اور نقصان نقد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل پیرا نہ ہونے کا نتیجہ بھی آگ کی صورت نکلنے والا ہے لیکن اس آگ کو ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اس لئے ہم اس سے غا فل رہتے ہیں۔ تقویٰ کی ضرورت تین وجوہات کی بنا پر ہے:

(۱)۔ اللہ کی ناراضگی سے بچنے کیلئے، (۲)۔ دوزخ کی آگ سے بچنے کیلئے، اور (۳)۔ جنت کی ابدی نعمتوں کی محرومی سے بچنے کیلئے

دوزخ کی آگ سے بچنے کا راستہ تقوٰی کا راستہ ہے اور رمضان المبارک کے ذریعے ربِ کریم نے اس کا حصول آسان بنا دیا ہے۔ جسطرح ہر شعبہ میں مہارت حاصل کرنے کیلئے تربیت کے مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے، اسی طرح تقوٰی وتزکیہ کے حصول کیلئے رمضان بطور تربیت آیا ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو زند گی میں رمضان کی نعمت میسر آجائے، کیونکہ رمضان کے علاوہ شائد ہی کوئی ایسا وقت آئے جس میں ہم اپنا محاسبہ ورجوع کر سکیں۔

رمضان کی عظمت واہمیت فرامین رسول ﷺ کی روشنی میں

رمضان سے مستفید ہونا کتنی بڑی خوش نصیبی اور اس کی رحمتوں سے فائدہ حاصل نہ کرنا کتنی بڑی محرومی ہے، چند فرامین پیش خدمت ہیں:

نمبر ۱: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیطان اور شرکش جنات کو جکڑ دیا جاتا ہے اور دوزخ کے دوازے بند کر دیئے جاتے ہیں، اسکا کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور جب کہ جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں، اسکا کوئی دروازہ بند نہیں رہتا اور آواز دینے والا آواز لگاتا ہے، اے خیر کے طلب کرنے والو آگے بڑھو اور برے کام کی طلب رکھنے والو برائی سے رک جاؤ، اور ہر رات اللہ تعالیٰ دوزخ سے (کثرت کے ساتھ لوگوں کو) آزاد کرتا ہے''

(ترمذی، کتاب الصوم:682، ابن ماجہ:1642)

نمبر ۲: سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ، ہم لوگ حاضر ہو گئے۔ جب آپ ﷺ نے منبر کے پہلے درجہ پر قدم (مبارک) رکھا تو فرمایا: آمین، جب دوسرے پر قدم (مبارک) رکھا تو پھر فرمایا: آمین، جب تیسرے پر قدم (مبارک) رکھا تو پھر فرمایا: آمین۔ جب آپ ﷺ خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے اترے تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ ﷺ سے ایسی بات سنی جو پہلے نہیں سنی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت جبرائیل علیہ السلام میرے سامنے آئے:

i)۔(جب میں نے پہلے درجہ پر قدم رکھا تو انھوں نے کہا) ہلاک ہو وہ شخص جس نے رمضان کا مہینہ پایا پھر بھی اُس کی مغفرت نہ ہوئی، میں نے کہا آمین۔ ii)۔(جب دوسرے درجہ پر قدم رکھا تو تو انھوں نے کہا) ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ ﷺ کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ بھیجے، میں نے کہا آمین۔iii)۔(جب میں نے تیسرے درجہ پر قدم رکھا تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا) ہلاک ہو وہ شخص جو والدین دونوں یا ان میں سے ایک کو بڑھاپے میں پائے اور ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہو سکے، میں نے کہا آمین۔ (مستدرک للحاکم، ابن حبان، سندہ صحیح)

حقیقت ہے جس کا رمضان المبارک جیسا خیر و برکت والہ مہینہ بھی غفلت اور معاصی میں گزر جائے تو اسکی مغفرت کے لئے اور کون سا موقع آئے گا..................؟

نمبر ۳: حدیث قدسی ہے: (الصو م لی و انا اَ حُزِ ی به)، ''روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں خود ہی اسکی جزا دونگا'' (بخاری کتاب الصوم:1894، مسلم)

بعض روایات میں ہے:

(الصو م لی وانا اُجزٰی به)، ''روزہ خاص میرے لئے ہےاور میں خود ہی اسکی جزاہوں''
یعنی روزے کی جزا کی حد مقرر نہیں کی گئی، اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل سے اسکا بے انتہا اجروثواب عطا فرمائیں گے۔

نمبر ٤: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے ایمان واحتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے اسکے (سابقہ) تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔'' (بخاری، کتاب الصوم: 1901: مسلم)

رمضان کی بہاروں سے مستفید کیسے ہوا جائے........؟

اب اصل سوال یہ ہے کہ رمضان کو کیسے گزارا جائے کہ اس کی رحمتوں اور برکتوں سے ہمیں بھی حصہ مل سکے.............. ؟اہل ایمان کو اس ضمن میں اہتمام کے ساتھ اہداف (Goals) سیٹ کرنے چاہئیں۔ان اہداف کے حوالے سے چند اہم چیزیں پیش خدمت ہیں جنہیں دوحصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:
(1)۔انتہائی ضروری چیزیں، (2)۔موقع سے مزید فائدہ اٹھانا

(1)۔انتہائی ضروری چیزیں

رمضان کے پورے روزے تو رکھنے ہی رکھنے ہیں لیکن اسکے ساتھ ساتھ رمضان کی بابت نجات اور سرخروئی کیلئے درج چیزوں کی پابندی کرنا ناگزیر ہے:

(i) <u>مشاغل ومصروفیات میں تبدیلی:</u> رمضان بالخصوص تقوے، تزکیے اور عبادت کیلئے آیا ہے، اسلئے اہل ایمان کو یہ مقصد خصوصیت سے پیش نظر رکھنا چاہیے۔لہٰذا رمضان شروع ہوتے ہی روزمرہ زندگی کی مصروفیات ومشاغل کا از سرنو جائزہ لیتے ہوئے اپنی ترتیب (Routene) کو تبدیل کر دیا جائے۔دنیاوی مصروفیات کو کم کرتے ہوئے رجوع الی اللہ کرنا۔بے جا سفر، سیر وتفریح سمیت دیگر مشاغل کو ترک کرتے ہوئے پختہ عزم کے ساتھ وقت کا بہترین استعمال کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ اوقات تلاوت، قرآن فہمی، مساجد ویاد الٰہی، دعاوگریہ زاری میں گزارنا۔

(ii) <u>روزے کی حفاظت:</u> جملہ برائیوں سے اپنا دامن پاک کرنے کا عزم کیا جائے اور بالخصوص رمضان سے اس کا آغاز کر دیا جائے۔تقویٰ کا یہ مطلب تو نہیں کہ روزہ تو رکھ لیا جائے لیکن

باقی سارے گناہ بھی ساتھ ساتھ ہی چلتے رہیں۔تقویٰ کا مطلب تو ہر گناہ، ہر حکم عدولی، ہر نافرمانی اور ہر اخروی نقصان سے بچنا ہے۔روزے کے ساتھ ساتھ اگر گناہ بھی سرزد ہوتے رہے تو پھر بھوکا اور پیاسا رہنا کچھ فائدہ نہ دے گا جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص (روزہ کی حالت میں) جھوٹ اور بُرے اعمال ترک نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کو کوئی حاجت نہیں کہ وہ شخص اپنا کھانا پینا ترک کر دے'' (مشکوٰۃ کتاب الصوم، باب تنزیہہ الصوم، صحیح بخاری)

پس جملہ برائیوں جھوٹ، غیبت، حسد، تکبر، کسی کا حق مارنا، لوگوں کو ایذا دینا، نافرمانی، ظلم اور بے حیائی سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

(iii) <u>قرآن مجید کے ساتھ وابستگی:</u> رمضان کی عظمت کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اس میں قرآن نازل ہوا۔جیسے رب کریم نے فرمایا:

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَ الْفُرْقَانِ ﴾(البقرہ:2:185)

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا، جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے، جس میں ہدایت اور حق و باطل میں تمیز کی (واضح) نشانیاں ہیں''

یہ قرآن ہدایت کے لئے اتارا گیا ہے اور ہدایت اِسے سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔آج لوگ ایمان کھوتے جا رہے ہیں، بچت صرف قرآن سے لگاؤ سے ہی ہو سکتی ہے۔قرآن سے لگاؤ ہی مادہ پرستی سمیت دیگر تمام فتنوں کیلئے تریاق ہے۔یہی اللہ کی معرفت اور قرب کا بہترین ذریعہ ہے۔سارا سال تو ہمیں قرآن کے ساتھ وابستگی کی توفیق نہیں ملنی اسلئے اس رمضان کو غنیمت سمجھتے ہوئے قرآن کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اسے سمجھنے کا پختہ عزم کر لیں اور یہ کام فوراً شروع کر دیں۔کوئی سا بھی آسان ترجمہ لیں اور ہر روزے کے عوض ایک چوتھائی پارہ یا حسب توفیق ترجمے کے ساتھ غور و فکر کریں اور جلد از جلد رمضان کے بعد قرآن مجید ترجمے سے مکمل کر لیں۔بالخصوص یہ ہدف بنالیں کہ چھوٹی سورتوں پر مشتمل آخری چار پارے (۲۷ تا ۳۰) ضرور مکمل کر لیں انشاءاللہ زندگی میں انقلاب آجائے گا، اور اس ہدف

میں اپنے گھر والوں کو بھی ضرور شامل کرلیں۔

اگر ہم قرآن کو سمجھے بغیر دنیا سے چلے گئے تو رب کی بارگاہ میں کیا عذر پیش کرینگے؟۔ وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم کی دولت سے نوازا ہے، ان کی زندگی کا اہم ترین کام، قرآن کو سمجھنے کا پختہ عزم کرنا ہے اسلئے اس کام کو فوراً کر گزریئے انشائ اللہ جملہ مصائب و پریشانیوں سے نجات مل جائے گی۔

(iv) کثرت سے استغفار: قرآن مجید میں رمضان کے بیان والے رکوع میں دعا کے متعلق آیات نازل ہوئیں جس میں رب العالمین نے فرمایا کہ میں تو اپنے بندوں کے بہت قریب ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو سنتا بھی ہوں اور جواب بھی دیتا ہوں۔ اور رمضان میں تو اللہ کریم عام ایام کی نسبت زیادہ قریب آجاتے ہیں۔ لہٰذا رمضان میں دعا کے ذریعے اللہ کے ساتھ خصوص تعلق بنانا چاہیے۔ بالخصوص رمضان شروع ہوتے ہی صبح، دن اور رات میں کثرت سے گناہوں سے چھٹکارہ اور معافی، نار جہنم سے آزادی اور جنت کے حصول کی دعا کی جائے۔ ایسے اعمال کی توفیق مانگی جائے جو رب کی رضا کا باعث بن جائیں۔

دعا کی قبولیت کی شرائط: i۔ غلطی کا اعتراف، ii۔ سچے دل سے معافی طلب کرنا، iii۔ اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا۔

(v) جماعت کا اہتمام: تمام نمازیں اول فرصت میں، جماعت کے ساتھ تکبیر اولیٰ کا اہتمام کرتے ہوئے خشوع و خضوع سے ادا کی جائیں۔

(vi) رات کا قیام: جہاں پورا سال سو کر راتیں گزر گئیں اس ایک ماہ کی راتیں بھی گزر جانی ہیں، ان لمحات کو غنیمت سمجھتے ہوئے، رات کے قیام یعنی نماز تراویح کا اہتمام کیا ئے، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''جو ایمان اور ثواب کی نیت سے رمضان کا قیام کرتا ہے، اس کے گزشتہ (صغیرہ) گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔'' (بخاری، کتاب الصوم: 1901: مسلم)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قیام کی کیفیت کے بارے میں سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''قاری (ایک رکعت) میں دو سو آیات تلاوت کرتا تھا حتیٰ کہ ہم لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھیوں کا سہارا لیا کرتے اور ہم طلوع فجر سے تھوڑا سا پہلے فارغ ہوا کرتے تھے''

(موطا امام مالک، کتاب الصلاۃ فی رمضان، رقم: 255، سندہ صحیح)

(vii) رمضان کا آخری عشرہ: رمضان کا آخری عشرہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے، آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ﴿لیۃ القدر﴾ کے نام سے ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے جسے پانے کے لئے آنحضور ﷺ آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا فرماتی ہیں:

''جب رمضان کا اخری عشرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنی کمر کس لیتے، رات کو جاگتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے'' (بخاری: رقم: 2024 ومسلم)

یعنی آخری عشرہ میں آپ ﷺ بطور خاص عبادت کے لئے فارغ ہو جاتے، اسلئے آخری عشرہ کی راتو ں کو خاص اہتمام سے گزارا جائے اور اگر سہولت میسر ہو تو اعتکاف کا اہتمام کیا جائے۔

(2)۔ موقع سے مزید فائدہ اٹھانا

عام ایام میں تو دنیاوی مصروفیات کے جکڑاؤ سے ہی نجات نہیں ملتی۔ رمضان میں چونکہ عبادت کا ماحول بنا ہوتا ہے، ان لمحات کو غنیمت سمجھتے ہوئے مزید فائدہ اٹھانے کیلئے درج ذیل چیزوں کو بھی ملحوظ رکھ لیا جائے تو بڑی سعادت نصیب ہوگی:

(i) نماز کی تصحیح: نماز معراج ہے، نماز سے کچھ پانے کیلئے یہ ضروری ہے کہ اسکے ظاہر اور باطن کو احسن طرح سے ادا کیا جائے۔ اس ماہ مبارک میں نماز کے ظاہری ڈھانچے کو صحیح طرح سمجھنے اور عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسی طرح نماز کا ترجمہ ومفہوم اچھی طرح یاد کیا جائے اور نماز ادا کرتے ہوئے ترجمے کی طرف دیہان دیا جائے۔ یہ کام آپ رمضان میں ہی کر سکتے ہیں۔

(ii) اہم صورتوں اور دعاؤں کا حفظ: رمضان کی برکتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قرآن کی کچھ مزید چھوٹی سورتوں کے حفظ میں اضافہ کرلیں اور مزید یہ کہ روز مرہ سونے، جاگنے، بیت الخلاء .....اور قرآن وسنت سے دیگر مسنون دعاؤں کو حفظ کرلیں۔ اس کام کی توفیق غیر رمضان میں شائد ہی مل سکے۔

(iii) انسانی ہمدردی: لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کا عزم کریں، انکے لئے آسانیاں پیدا کریں، خلق خدا کی خدمت کریں، اگر اللہ نے مال دیا ہے تو اسے اپنے قریبی رشتہ داروں، پھر دوست احباب اور دوسرے لوگوں میں سے جو مستحق ہیں ان پر خرچ کریں۔

رمضان کے بعد

قرآن مجید میں رمضان کی بابت بیان والے رکوع کے اختتام پر رزق حرام سے بچنے اور حلال پر کاربند رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ گویا رزق حرام سمیت دیگر نواہی سے بچنا ہی رمضان کا حاصل ہے۔ لہٰذا اس حوالے سے بھی ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔ بہرکیف رمضان گزرنے کے بعد آئندہ سال دیگر اوامر ونواہی کے ساتھ ساتھ درج ذیل اعمال کا پختہ عزم کریں:

i ۔ جماعت کی پابندی، ii۔ قرآن فہمی، iii۔ ہفتہ میں پیر یا جمعرات کا روزہ یا ایام بیض کے تین روزے، v ۔ تہجد کا اہتمام یا عشاء کے بعد کم از کم دو، چار نوافل قیام اللیل کے۔

لمحہ فکریہ: یہ زندگی اور اسکی بہاریں ختم ہو جانی ہیں، ہم یہاں رہنے کے لئے نہیں بلکہ آزمائش سے گزرنے کے بعد یہاں سے جانے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ یہ چند روز امیر غریب سب کے گزر جانے ہیں، کامیاب وہ ہے جس نے زندگی میں اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کر کے گزارا۔ اس فانی زندگی کے دن، مہینے اور سال بڑی تیزی سے گزر جاتے ہیں۔ اگر آپ اپنی سابقہ زندگی پر نظر دوڑائیں تو یوں محسوس ہوگا جیسے کل کی بات ہے۔ یہ گزرے ہوئے سال اب آپ کے پاس نہیں، جو کچھ ان میں آپ نے کیا اسکا ایک ایک لفظ آپ کے اعمال نامہ میں محفوظ ہے۔

رمضان المبارک ہر سال آتا ہے۔ ایک کے بعد دوسرا رمضان، اور صدیوں سے آرہا ہے۔ ہر رمضان میں تلاوت قرآن ہوتی ہے، روزے رکھے جاتے ہیں، نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ ذکر اور دعائیں راتیں بسر ہوتی ہیں۔ لیکن ہم وہیں کے وہیں رہتے ہیں جتنے رمضان کے بغیر تھے۔ تقویٰ سے اتنے ہی محروم رہتے ہیں جتنے رمضان سے پہلے۔ نہ ہماری شخصی حالت میں تبدیلی آتی ہے اور نہ انفرادی اخلاق کی اصلاح ہوتی ہے، نہ ہماری قومی وملی حالت میں تغیر واقع ہوتا ہے، کیونکہ ہم تبدیلی کا پختہ عزم نہیں کرتے اور اللہ ﷻ کو ترجیح اول نہیں بناتے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے حال پر رحم فرمائے، اور رمضان کو ہماری زندگی کی تبدیلی اور بخشش کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

۞۞۞۞۞

29-معاشرتی ذمہ داریاں

تحریر کا مقصد: عموماً دیکھا گیا ہے کہ مسلمان عبادات نماز روزہ کے اہتمام کو تو دین سمجھتے ہیں لیکن ملکی حوالے سے عائد شدہ ذمہ داریوں کی پروانہیں کرتے۔ملکی ومعاشرتی ذمہ داریوں کے حوالے سے مختلف پہلوؤں کو واضح کرنا تاکہ جزوی دین کی بجائے پورے دین پر عمل کیا جاسکے اس تحریر کا بنیادی مقصد ہے۔

ممالک کی تقسیم: بلاشبہ مسلمان ملت واحدہ ہیں لیکن انتظامی لحاظ سے بارڈر کے ذریعے سے ملک کی سرحد بندی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔انتظامی لحاظ سے اسلام نے بھی لوگوں کو افراد، قبیلے، خاندان، رشتے دار، محلے داروں میں تقسیم کیا ہے۔اسی طرح انتظامی ضرورت کے تحت گاؤں، شہروں، صوبوں..... وغیرہ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

وطن کی حیثیت: اسلام نے وطن کو بھی اہمیت دی ہے۔کوئی مسلمان وطن کی حفاظت کی راہ میں مارا جائے تو اسکی موت شہادت کی موت تصور ہوگی بشرطیکہ وطن حق کے تابع رہے۔

شہریت کے فرائض

معاملہ خواہ کسی فرد سے تعلق کا ہو یا ملک ومعاشرہ سے درج ذیل باتوں کو ملحوظ رکھنا اور انکی ضد سے ہر ممکن بچنا اسلام کا زبردست تقاضا ہے:

(۱)۔سمع وطاعت (بشرطیکہ اللہ کی نافرمانی نہ ہو)،(۲)۔ریاست اور کارکنان حکومت کی خیر خواہی، (۳)۔عدل وانصاف، (۴)۔ایفائے عہد، (۵)۔امانت داری، (۶)۔رزق حلال، ذمہ داری نبھانا، اپنا کام ڈیوٹی ٹھیک کرنا، (۷)۔قوانین کی پاسداری، (۸)۔املاک کی حفاظت، نقصان سے بچانا ، (۹)۔ٹیکس کی ادائیگی، (۱۰)۔ضرورت پڑنے پر مالی تعاون کرنا، (۱۱)۔جانی قربانی: ریاست کے تحفظ کیلئے اگر حکومت کی طرف سے نفیر عام ہوجائے تو ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنے آپ کو ریاست کے حوالے کردے۔

اسکے برعکس اگر نظر صرف مُلک کو کھانے پر، صرف اپنا مفاد نکالنے پر ہے اور ملکی ذمہ داریوں اور ملکی بقا کی کوئی فکر نہیں تو پھر مسلمان تو دور کی بات ہے انسان کہلوانے کے بھی حقدار نہیں۔

یاد رکھیں! ملک وقوم کے حوالے سے جو ان باتوں کا لحاظ نہ رکھتا ہو اسکی کوئی دین داری نہیں خواہ وہ کتنا ہی

عبادت گزار کیوں نہ ہو۔اسی طرح حکمرانوں پر سخت احکامات عائد ہوتے ہیں کہ وہ رعایا کا خیال رکھیں اور عدل وانصاف کو قائم کریں۔

<u>عہدہ واختیارات:</u> یہ سب سے کڑا امتحان ہے۔اسی لئے سلف عہدہ قبول کرنے سے ڈرتے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے عبدالرحمٰن بن سمرہؓ! امرت کے طالب نہ بنو، اگر یہ بن مانگے تمھیں ملی تو اس کام میں اللہ کی طرف سے تمھاری مدد کی جائے گی اور اگر اسکو مانگ کر لو گے تو تم اسکے حوالے کر دیئے جاؤ گے۔'' (متفق علیہ)

اسلامی حکومت کے ہر کارکن کو بالعموم اور اونچے درجے کے کارکنوں کو بالخصوص اپنے آپ کو عوام کی سطح سے قریب تر رکھنا چاہئے تاکہ لوگ ان کو نمونہ بنائیں اور سوسائٹی کے اندر اسراف، نمائش، گھمنڈ اور حق تلفی کی بیماری اور تنافس دنیا کی وبا نہ پھیلنے پائے۔

<u>اہل منصب کی خرابیاں:</u> درج ذیل خرابیاں اہل منصب کی ہلاکت کا باعث ہیں:

(۱)۔طاقت کا غلط استعمال، (۲)۔ناجائز طریقے سے دولت جمع کرنا، (۳)۔ظلم و زیادتی کرنا، (۴)۔حق تلفی کرنا، (۵)۔قرابت داروں کو نوازنا۔

<u>اسلامی ریاست کا مکمل شہری:</u> ہر وہ شخص اسلامی شہری ہوگا جو قبلہ رخ نماز پڑھے، مسلمانوں کا ذبیحہ کھائے اور زکوٰۃ ادا کرے:

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ﴾ (توبہ:9:آیت:11)

''پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو تمھارے دینی بھائی ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے ہمارے طریقہ پر نماز پڑھی، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلم، اسلامی ریاست کا شہری ہے۔جس کے لئے اللہ اور رسول ﷺ کا ذمہ قائم ہو چکا ہے تو اللہ کے ساتھ اس کی دی ہوئی ضمانت میں دغابازی نہ کرو۔'' (بخاری۔باب:فضل استقبال القبلہ)

مزید فرمایا:

''مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے جنگ کروں۔ یہاں تک کہ وہ اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ جب وہ یہ کام کرنے لگیں تو ان کی جانیں محفوظ ہو جائیں گی مگر اسلام کے کسی حق کے تحت۔ رہا ان کے باطن کا محاسبہ تو یہ ہمارا کام نہیں ہے، اللہ کے ذمہ ہے۔'' (مسلم، باب لامر بقتقال الناس)

<u>رعایا کے حقوق:</u> سب سے مقدم: جان، مال اور ناموس کی حفاظت ہے:

آپ ﷺ نے فرمایا:

(**كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه**) (مسلم، کتاب لابروالصلہ)

''مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے۔ اس کا خون بھی، اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔''

حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

''جس طرح آج کا یہ دن محترم ہے اسی طرح تمھاری جان و مال اور آبرو ایک دوسرے کیلئے محترم ہے۔''

حکمرانوں کے ذمے رعایا کی سکیورٹی، جان، مال، عزت وآبرو کا تحفظ، عدل وانصاف کی بنیاد پر قوانین کی پاسداری، مساوات: اسکی بابت آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کی مٹھی میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد (ﷺ) نے چوری کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ بھی ضرور کاٹ دیتا۔'' (مسلم، باب قطع السارق)، صحت وتعلیم سمیت دیگر بنیادی ضروریات کی فراہمی ہے۔

<u>نہ وطن پرستی نہ وطن دشمنی:</u> یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ نہ تو وطن پرستی جائز ہے کہ جائز وناجائز وطن کی پوجا کی جائے اور نہ ہی وطن کی مخالفت کہ وطن کو اہمیت ہی نہ دی جائے، اعتدال پر رہنے کی ضرورت ہے۔

اطاعت وبغاوت

اگرچہ ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے کو جہاد کہا گیا ہے لیکن اسکے باوجود بھی ملکی مفاد، مصلحت عامہ اور معاشرتی امن واستحکام اور انسانی جان مال اور آبرو کی حفاظت کی خاطر ہر ممکن بغاوت وخروج سے منع کیا گیا

ہے۔ بات کو سمجھنے کیلئے درج ذیل فرامین رسول ﷺ ملاحظہ کریں:

☆ ''جو اپنے حاکم کا کوئی ناپسندیدہ کام دیکھے تو اسے چاہیے کہ صبر کرے، اسلئے کہ وہ بالشت برابر بھی حاکم کی طاعت سے نکلا تو اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔''

(بخاری، الفتن، رقم:7053، مسلم، رقم:1849)

☆ ((**من اهان السلطان اهانه الله**)) (ترمذی الفتن، رقم:2224، سندہ حسن)

''جس نے بادشاہ کی بے توقیری کی، اللہ بھی اسے ذلیل کرے گا۔''

☆ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد خود غرض حکمرانی ہوگی اور دیگر امور جنہیں تم بُرا سمجھو گے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ آپ اس شخص کی بابت کیا حکم فرماتے ہیں جو ہم میں سے یہ زمانہ پالے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنا وہ حق ادا کرنا جو تمھارے ذمے ہے اور جو تمھارے حقوق (حکمرانوں کے ذمے) ہیں، ان کا سوال تم اللہ سے کرنا۔'' (بخاری المناقب، رقم:3603، مسلم، رقم:1843)

☆ ''رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے نبی اسکی بابت ارشاد فرمایئے کہ اگر ہم پر ایسے (برے) حاکم مسلط ہوجائیں کہ وہ ہم سے تو اپنا حق مانگیں لیکن ہمیں ہمارا حق نہ دیں تو ہمارے لئے آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے اس سے اعراض فرمالیا۔ انھوں نے پھر آپ ﷺ سے یہی سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ان کی بات سنو اور مانو، ان کے ذمے وہ بوجھ ہے جو ان سے اٹھوایا گیا (یعنی عدل و انصاف) اور تمھارے ذمے وہ بوجھ ہے جو تم سے اٹھوایا گیا (یعنی اطاعت)۔'' (مسلم، الامارہ، رقم:1846)

معلوم ہوا حکمرانوں کی کوتاہیوں کے باوجود ہر ممکن انکی اطاعت کا ہی حکم ہے اور عوام کو ان کے خلاف خروج و بغاوت پر آمادہ کرنا جرم ہے۔ حکمرانوں کی اطاعت کی خلاف ورزی صرف اس صورت میں ہے جب وہ اعلانیہ اللہ و رسول ﷺ کے خلاف حکم جاری کریں:

''مسلمان مرد پر (اپنے حکمران کی بات) سننا اور ماننا فرض ہے، (خواہ) وہ بات اسے پسند ہو یا ناپسند، مگر یہ کہ اسے گناہ کا حکم دیا جائے۔ چنانچہ جب اسے اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو پھر اس پر سننا اور ماننا فرض نہیں۔ (بخاری، الاحکام، رقم:7144، مسلم:1839)

<u>مثالی رعایا اور حکمران</u>: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس قدر مثالی شہری اور مثالی حکمران تھے ملاحظہ کریں:

جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بابل کا محاصرہ کیا تو مقوقس نے دو قاصد ان کے پاس بھیجے۔ یہ قاصد اسلامی لشکر کے ساتھ دو دن رہنے کے بعد جب مقوقس کے پاس واپس پلٹے تو انہوں نے مسلمانوں کے متعلق حسب ذیل رپورٹ پیش کی:

''ہم نے ایسی قوم دیکھی ہے کہ ان میں سے ہر ایک شخص کو: موت زندگی سے زیادہ عزیز ہے اور عاجزی وتواضع انہیں (اظہار) بلندی سے زیادہ پیاری ہے، ان میں سے کسی ایک کی بھی دنیا میں نہ رغبت ہے نہ چاہت، وہ زمین پر بیٹھتے ہیں اور ان کا کھانا اپنے گھٹنوں (یعنی زمین) پر ہی ہے، ان کا امیر انکے عام شخص کی مانند ہے، ان کا بلند رتبہ شخص انکے ادنیٰ رتبے والے شخص سے ممیّز نہیں اور نہ آقا کی غلام سے شناخت کی جاسکتی ہے، جب نماز کا وقت آجائے تو ان میں سے کوئی بھی اس سے پیچھے نہیں رہتا، وہ اپنے اعضاء کے کناروں کو پانی سے دھوتے ہیں اور نماز میں خوب خشوع کرتے ہیں۔''

یہ سن کر مقوقس نے کہا:

''جس ذات کی قسم کھائی جاتی ہے، اسی کی قسم! اگر یہ لوگ پہاڑوں کے سامنے آجائیں، تو انہیں اپنی جگہ سے ہٹا دیں، ان لوگوں سے لڑنے کی کوئی طاقت نہیں رکھتا۔'' (فتوح مصر و اخبارہ، ص۔53، کتاب المواعظ والاعتبار: 290/1)

کاش ہمارے اندر بھی ایسا مثالی طرز زندگی پیدا ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ رعایا اور حکمرانوں کو اپنی اپنی حدود میں رہتے ہوئے اپنی اپنی معاشرتی ذمے داریاں نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

30۔مہلت کی قدر/ہر دن کے اہداف (Goals)

مکار ابلیس کی بے شمار چالیں ہیں، جن میں سے ایک ادھورے دین پر لانا اور زندگی کی مہلت کو ضائع کرنا ہے۔جبکہ پروردگار ہمیں متوازن پورے دین پر عمل پیرا ہونے اور زندگی کے لمحات کی بھرپور قدر کرنے کی تاکید کرتا ہے۔لہٰذا زندگی میں ملنے والے ہر دن کی قدر کرنے اور اسے آخری دن سمجھ کر گزارنے کے لازمی اہداف ،جو اخروی حسرت و پچھتاوے سے نجات کا یقینی نسخہ ہے، ملاحظہ کریں۔ انہیں پانے کیلئے: (۱)۔صحت کا خیال (لائف سٹائل، کھانا پینا، ورزش)، (۲)۔اچھی صحبت ماحول اور (۳)۔کوشش اور دعا کا اہتمام کرتے رہیں۔

(1)۔علم حاصل کرنا (To Seek Knowledge)

یاد رکھیں! جس میں دین سیکھنے کی طلب نہیں، وہ بہت بڑے خسارے میں ہے۔اللہ سے کچھ لینا ہے تو اپنے اندر دین سیکھنے کا شوق وجذبہ پیدا کریں۔علم کی مختلف اقسام ہیں:

(۱)۔دنیا کا علم: اگر نہ سیکھیں گے تو دنیا کا نقصان اٹھائیں گے۔

(۲)۔دین کا علم: دو اقسام: بنیادی علم (Basic Knowledge): جو ہر ایک پر فرض ہے جیسے: توحید، رسالت، عبادات، اخلاقیات و معاملات، معاشرت.... ان سب کیلئے قرآنی احکامات سے آگاہی ہر ایک کیلئے ناگزیر ہے۔دوسرا تفصیلی علم (Detailed Knowldge): کسی علاقے میں اگر کچھ لوگ فریضہ ادا کر دیں یعنی سیکھ کر دوسروں کیلئے رہنمائی کا سبب بن جائیں تو باقی لوگوں پر ذمہ داری نہیں رہتی۔ یہ سب سے بڑا کام ہے جو انبیاء علیہم السلام نے کیا۔

(2)۔عبادت کرنا (To Worship Allah SWT)

نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج،... تین شرائط کے ساتھ: (۱)۔ترجیح (Priority)، یعنی سب کاموں کو پیچھے کرتے ہوئے فرض عبادت کی جماعت کے ساتھ پابندی، (۲)۔شوق: عبادت بوجھل دل کی بجائے شوق سے

کرنا جیسے ہم دنیاوی لذات کا شوق رکھتے ہیں۔(۳)۔خشوع وخضوع (Perfection): ارکان کی تسلی سے ادائیگی اور الفاظ کے معنی مفہوم کی طرف دیہان رکھنا۔نماز کو بنانے کیلئے اسے زندگی کا سب سے اہم کام سمجھیں، سب سے بڑھ کر اہمیت دیں، گناہوں کو ترک کریں اور نماز کا مفہوم سیکھیں۔

(3)۔اللہ کی نافرمانی (Disobediance) سے بچنا

ہر جگہ: گھر، باہر، دوکان، بازار، دفتر..... میں اپنی زبان اور جسم کو قابو رکھنا، اگر کہیں بھول چوک ہو جائے تو فوراً اسی دن میں توبہ کرنا، اگلا دن نہ چڑھنے دینا۔

(4)۔اپنی ذمہ داری ادا کرنا (Responsibility)

دنیوی ذمہ داریوں: حقوق العباد، اخلاقیات و معاملات: والدین، بیوی، بچے، بہن بھائی۔۔گھر داری، کفالت، نوکری، ملازمت، کاروبار..... ان سب ذمہ داریوں کو نبھانا۔مخلوق کیلئے فائدہ مند بننا۔دوسروں کو آسانیاں دینے کا سبب بننا، تکلیف دینے سے ہر ممکن بچنا۔خوددار بننا، لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنا۔

(5)۔انفاق (Charity)

اللہ کی راہ میں حسب توفیق مال ضرور خرچ کرتے رہنا: (۱)۔دین کیلئے: اپنی مسجد کی ضروریات میں تعاون، دین کی اشاعت: ترجمے والے قرآن پاک، احادیث، کتب یا ایسے مخلص لوگ جو خالص قرآن وسنت کی اشاعت کریں ان سے تعاون کرنا۔(۲)۔انسانی ہمدردی: اپنے خاندان کے علاوہ بھی دیگر مستحق لوگ: رشتے دار، اہل محلّہ، دوست احباب کی مدد کرنا۔اگر انفاق نہیں کریں گے تو پھر موت کے وقت شدید حسرت سے بچ نہ سکیں گے۔

(6)۔دعوت و جہاد

اکیلے دین پر چلنے کی بجائے دوسروں کا بھی خیال رکھنا۔اپنی رعیت، اپنے حلقہ اثر تک تو (برائی سے منع کرنا اور نیکی کی دعوت دینا) سب پر لازم ہے۔اسکے آگے مستحن ہے۔یہ سب سے بڑا کام ہے جو انبیاء علیہم السلام نے کیا جسکا شوق ہونا بہت بڑی سعادت ہے۔ضرورت پڑنے پر اللہ کی راہ میں مال وجان سے جہاد

کرنا۔(جہاد یہ نہیں کہ ہر کوئی انفرادی طور پر جان لینے کیلئے اٹھ کھڑا ہو،اس کے فرض ہونے کی اپنی مخصوص شرائط ہیں۔ خودکش حملوں کے ذریعے لوگوں کا قتل . . . . . ہرگز جہاد نہیں،اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔آمین)۔

(7)۔درجہ احسان(Perfection)ذمہ داری سے زائد کی کوشش کرنا

ہر کام کرنے کے تین درجے ہیں: (۱)۔عدل: یعنی تقاضے کے مطابق کرنا، (۲)۔ظلم: تقاضا پورا نہ کرنا، (۳)۔احسان: تقاضے سے بہتر کرنا۔

عدل کا نتیجہ داہنے ہاتھ میں اعمال نامے کے ساتھ انشاءاللہ جنت ہوگا۔ظلم کا نتیجہ دوزخ جبکہ احسان کرنے والے (**السابقون الاولون،المقربون**) ہوں گے جو اللہ کا قرب اور اعلیٰ مقام پائیں گے۔لہٰذا ہر مد یعنی: عبادات، اخلاقیات، معاملات، انفاق، دعوت دین.....میں درجہ احسان کی کوشش کرنا۔احسان کے چار بڑے ہیڈز ہیں:

(۱)۔دین کی گہرائی جاننا اور دوسروں تک پہنچانا۔(۲)۔نفلی عبادات: نماز، روزہ، اللہ کی یاد، (۳)۔زکوٰۃ سے آگے مزید انفاق کرنا۔(۴)۔خدمت خلق، حسن سلوک

31۔ حفظان صحت کے اصول

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو اسباب اور طبعی قوانین کے تابع کیا ہے۔اسلئے ان قوانین کی بہتر سمجھ بوجھ اور استعمال سے صحت کو بہتر رکھنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔بالخصوص مرد حضرات ۴۰۔سال کے بعد اور خواتین ۳۵۔سال کے بعد اگر بہت فکرمندی کے ساتھ کھانے پینے میں احتیاط اور ورزش وغیرہ کا خیال نہ رکھیں تو زندگی ایک بوجھ اور مصیبت بن جاتی ہے۔ان حالات میں دنیا کی زندگی تو مصیبت بنتی ہی ہے،عبادات بھی بہت متاثر ہوتی ہیں۔لہٰذا بالخصوص ۴۰۔سال کے بعد بہت سنجیدگی کے ساتھ درج ذیل امور کا خاص خیال رکھا جائے۔

(۱)۔ متوازن غذا(Balance Diet) کھائی جائے جس میں نشاستہ، پروٹین، چکنائی، وٹامنز اور منرلز موجود ہوں۔جیسے: روٹی، گوشت، دالیں، سبزی، سلاد، پھل، دودھ، کھجور، بادام، انڈہ، شہد، زیتون آئل وغیرہ۔

(۲)۔مذکورہ تمام چیزیں دوائی سمجھتے ہوئے تھوڑی تھوڑی مقدار میں روزانہ لیتے رہیں۔مثال کے طور پر روزانہ ایک انڈہ، ایک گلاس دودھ یا دہی، پانچ کھجوریں، سات بادام کی گریاں، ایک سیب یا کوئی اور پھل اور سلاد وغیرہ ضرور لیا جائے۔

(۳)۔وزن کو متناسب رکھا جائے۔نہ بہت بڑھنے دیا جائے نہ ہی بہت کم ہونے دیا جائے۔بہت زیادہ پیٹ بھرنے کی بجائے کھانا ہمیشہ بھوک رکھ کر کھایا جائے۔بالخصوص ۴۰۔سال کے بعد اسکا خیال نہ رکھنا، موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

(۴)۔۴۰۔سال کے بعد تیز نمک، گھی، سرخ گوشت (بالخصوص بڑا گوشت) کی بجائے ہلکا نمک، آئل، چکن، مچھلی استعمال کی جائے۔اگر سرخ گوشت استعمال کرنا بھی پڑے تو کم مقدار میں لیا جائے۔

(۵)۔بہت زیادہ مصالحہ جات، بھُنی ہوئی، فرائیڈ غذا کی بجائے سادہ غذا لی جائے۔

(۶)۔شہد، کلونجی، جوکا دلیہ (بالخصوص دل کی بیماریوں کیلئے) اور آبِ زمزم استعمال کیا جائے جو بہت سی لاعلاج بیماریوں کیلئے شفا کا باعث ہے۔جملہ بیماریوں سے شفا کیلئے شہد کو زندگی کا حصہ بنالیا

جائے بالخصوص نہار منہ ایک گلاس نیم گرم پانی میں ایک چمچ۔

(۷)۔صاف پانی جو بہت زیادہ ٹھنڈا نہ ہو بلکہ نارمل یا نیم گرم (سردیوں میں) ہو اسے استعمال کیا جائے۔ پانی زیادہ لیا جائے بالخصوص گرمی میں (۱۰تا۱۲) گلاس تا کہ صحت بحال رہے۔

(۸)۔صاف ستھری تازہ ہوا لی جائے اور صبح وشام واک اور ورزش کا اہتمام کیا جائے۔ دانتوں کی صفائی کا خیال رکھا جائے۔

(۹)۔موٹاپے سے ہر ممکن بچا جائے۔ ۴۰ سال کے بعد واک اور ورزش کو زندگی کا لازمی حصہ بنایا جائے۔ زندہ رہنے کا نسخہ: ''دماغ کو ٹھنڈا رکھنا (یعنی ٹینشن سے بچنا) اور پاؤں گرم رکھنا (یعنی کام کاج ورزش کرنا) ہے۔

ان باتوں کا خیال رکھنے سے انشاء اللہ آپ بیماریوں، دوائیوں اور ڈاکٹروں سے بہت حد تک بچے رہیں گے۔

جلدی کریں!

ہماری زندگی اور موت کے مابین ایک غیر یقینی دیوار حائل ہے۔ ہر آن اندیشہ ہے کہ یہ دیوار ٹوٹ جائے اور آخرت کے حقائق ایک بے پناہ سیلاب کی طرح ہمارے اوپر پھٹ پڑیں۔ اُس وقت کوئی زور، کوئی ہوشیاری کام نہ آئے گی۔ انسان بالکل بے سہارہ ہو کر اپنے خالق کے سامنے کھڑا ہوگا ۔قرآنی احکامات سے دور، خود ساختہ سوچ، فرقہ واریت اور مسلک پرستی کی بنا پر غلط عقائد و افعال پر گامزن، خواہشات کے رسیا، دنیا کی دلفریبیوں میں گم، آخرت سے غافل لوگ دائمی جہنم میں ڈال دئے جائیں گے۔ صرف بچے گا وہ جس نے تعلیمات وحی کو من وعن سمجھا اور من وعن تسلیم کر لیا۔ اپنی سوچ، اپنے فرقے، گروہ، اپنے لیڈرز، اکابرین، امام، پیر اور بزرگ حضرات کو حقیقی معنوں میں اللہ اور اسکے پیارے رسول ﷺ کی تعلیمات کے تابع کر لیا۔ جس نے صبر کے ساتھ اپنی خواہشات کو قابو کرتے ہوئے، خالق کے سامنے پیش ہونے سے قبل دنیا کی زندگی میں اپنا حساب کر لیا ہوگا۔

اسلئے مکار ابلیس کے فریب سے بچیں اور جلد از جلد حقیقت تسلیم کر کے اپنی دنیا و آخرت کو بچالیں۔ جلدی کریں مہلت کا کچھ بھروسہ نہیں:

''اور (اَے لوگو !) پیروی کرو اُس بہترین شے (قرآنِ حکیم) کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اُتاری گئی ہے اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں اطلاع بھی نہ ہو۔ (اَیسا نہ ہو کہ) پھر تم کہنے لگو کہ ہائے افسوس! اُس غفلت پر جو میں نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی بلکہ میں تو مذاق اُڑانے والوں میں ہی رہا۔ یا کہنے لگے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں شامل ہو جاتا۔ یا (قیامت کے دن) عذاب کو دیکھ کر کہنے لگے اَے کاش ! کسی طرح مجھے (دنیا میں) دوبارہ بھیج دیا جائے تو میں بھی نیک لوگوں میں شامل ہوسکوں۔ (اللہ فرمائے گا:) ہاں ہاں! بے شک تیرے پاس میری آیات (قرآن) پہنچ چکی تھیں جنھیں تو نے جھٹلایا اور غرور و تکبر کیا اور تو اِنکار والوں میں ہی رہا۔''

(سورۃ الزمر، آیت:59 - 55)

﴿حق کی کاوش میں: بطور نمونہ چند علماء حضرات سے ملاقات کی لسٹ﴾

نمبر شمار	عالم کا نام	مکتبۂ فکر	تاریخ
1	پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب	اہلسنت (بریلوی)	95,96,98, 2001
2	مولانا محمد الیاس قادری صاحب	اہلسنت (بریلوی)	1999 ۔ 2000
3	پروفیسر احمد رفیق اختر صاحب	اہلسنت	2003, 2004
4	پیر محمد زاہد صاحب	اہلسنت (بریلوی)	2006, 2007
5	مفتی محمد علیم الدین صاحب	اہلسنت (بریلوی)	16-12-2006
6	مفتی منیب الرحمٰن صاحب	اہلسنت (بریلوی)	22-03-2007
7	علامہ غلام رسول سعیدی صاحب	اہلسنت (بریلوی)	22-03-2007
8	ڈاکٹر اسرار احمد صاحب	اہلسنت (داعی تحریک خلافت)	2007،2008
9	پیر نصیر الدین نصیر صاحب	اہلسنت (بریلوی)	3-08-2007
10	مفتی محمد طیب صاحب	اہلسنت (دیوبندی)	Aug. 2007
11	مولانا جمشید صاحب	اہلسنت (دیوبندی)	Nov. 2007
12	مفتی انصر باجوہ صاحب	اہلسنت (دیوبندی)	2008
13	انجینئر آصف قادری صاحب	اہلسنت (بریلوی)	25-01-2008
14	مولانا مظہر اللہ غلام قمر سیالوی صاحب	اہلسنت (بریلوی)	Mar. 2008
15	علامہ ڈاکٹر عبد الرحمن حفیظ صاحب	اہلسنت (اہلحدیث)	2008
16	انجینئر عبد القدوس سلفی صاحب	اہلسنت (اہلحدیث)	2008
17	علامہ حافظ زبیر علی زئی صاحبؒ	اہلسنت (اہلحدیث)	May 2008
18	ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب	اہلسنت (اہلحدیث)	Feb. 2009
19	علامہ ڈاکٹر محمد ادریس زبیر صاحب	اسلام (قرآن وسنت)	2010
20	پروفیسر خلیل الرحمٰن چشتی صاحب	اہلسنت (جماعت اسلامی)	2011
21	جناب ثاقب اکبر صاحب	اہل تشیع	2012
22	مولانا اسحاق صاحب	اسلام (اتحاد امہ)	2012
23	اابو یحیی صاحب	اسلام	2017
24	جاوید احمد غامدی صاحب	اسلام	2017

☆ سوشل میڈیا کے ذریعے علماء حضرات سے استفادہ تادم زندگی جاری ہے۔

﴿حق کی تلاش میں: بطور نمونہ چند مشہور تصانیف سے استفادہ کی لسٹ﴾

کتاب کا نام	مصنف کا نام	کتاب کا نام	مصنف کا نام
1۔تفاسیر قرآنی	قریباً ہر مکتبۂ فکر کی	2۔شرح کتب احادیث	مختلف مکاتبِ فکر کی
3۔جاء الحق	مفتی احمد یار خان نعیمیؒ صاحب	4۔شرح صحیح مسلم/تبیان القرآن	غلام رسول سعیدی صاحب
5۔جملہ تصانیف	ابو یحیٰی (ریحان احمد یوسفی) صاحب	6۔جملہ تصانیف	ڈاکٹر فرحت ہاشمی صاحبہ
7۔تلاش حق	نجم مصطفائی صاحب	8۔مزاراتِ اولیاء سے توسل	شاہ تراب الحق قادری صاحب
9۔غیر اللہ سے مدد مانگنا کیسا؟	مفتی اکمل قادری صاحب	10۔ توحید اور شرک	علامہ سعید احمد کاظمی صاحب
11۔حیات النبی، مسئلہ استغاثہ، الانتباہ للخوارج والحروراء	پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب	12 ۔بزرگوں کے عقیدے	مفتی جلال الدین احمد امجدی صاحب
13۔میٹھی میٹھی سنتیں اور دعوت اسلامی	ابو کلیم محمد صدیق صاحب	14۔توحیدِ خالص	الشیخ ابو محمد بدیع دین راشدی صاحب
15۔الفتح الربانی، فتوح الغیب	پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانیؒ صاحب	16۔جملہ تصانیف	امام محمد غزالیؒ صاحب
17۔کشف المحجوب	سید بن علی عثمان ہجویریؒ صاحب	18۔رسالہ قشیریہ	امام ابو القاسم قشیریؒ صاحب
19۔جملہ تصانیف	واصف علی واصفؒ، اشفاق احمدؒ	20۔جملہ تصانیف	پروفیسر خلیل الرحمٰن چشتی صاحب
21۔جملہ تصانیف	علامہ پیر سید نصیر الدین نصیرؒ صاحب	22۔شرک کیا ہے؟	محمد عطاء اللہ بندیالوی صاحب
23۔جملہ تصانیف متعلقہ شرک	علمائے عرب	24۔جملہ تصانیف	پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب
25۔حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ صاحب	26۔شرک کے چور دروازے	حافظ محمد محمود الحضری صاحب
27۔کلمہ گو مشرک	ابو الحسن مبشر ربانی صاحب	28۔فضائل اعمال	شیخ زکریا سہارنپوری صاحبؒ
29۔اختلاف اُمت اور صراط مستقیم	مولانا یوسف لدھیانوی صاحبؒ	30۔جملہ تصانیف	حافظ زبیر علی زئی صاحب
31۔مکتوبات	حضرت مجدد الف ثانی صاحبؒ	32۔جملہ تصانیف	مولانا مودودی صاحبؒ
33۔حقیقت شرک	مولانا امین احسن اصلاحی صاحب	34۔صراط مستقیم وعقیدہ مسلم	سید سیف الرحمٰن، روشن صاحب
35۔تلبیس ابلیس	علامہ ابن جوزی صاحب	36۔شرک کی حقیقت	نور الحسن شاہ بخاری صاحب
36۔شیعت کا مقدمہ	حسن الامینی صاحب	37۔'پھر میں ہدایت پا گیا	ڈاکٹر تجانی سماوی صاحب
38۔المرابعات 39۔آئینِ وہابیت	عبد الحسین شرف الدین موسوی صاحب استاد جعفر سبحانی	40۔پاکستان کے دینی مسالک 41۔امت اسلامیہ کی شیرازہ بندی	جناب ثاقب اکبر صاحبؒ
42۔سیرۃ النعمان	علامہ شبلی نعمانی صاحبؒ	43۔امام اعظم اور علم الحدیث	مولانا محمد علی صدیقی کاندھلویؒ
44۔خود سے خدا تک	محمد ناصر افتخار صاحب	45۔الحفظون	حافظ عبد الوہاب صاحب

ہماری دعوت!

وہ مسلمان جنھیں اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا، موجودہ دور میں انکی حالت تشویشناک ہے۔ مسلمان جدا جدا گروہوں میں منقسم ہو چکے ہیں، علیحدہ علیحدہ مساجد اور مکاتب بن چکے ہیں، جو جس گھرانے میں پیدا ہوا یا جس ماحول میں پرورش ہوئی وہی اسکا دین و مذہب بن گیا۔ لوگ اپنے پسندیدہ مسلک اور فرقے کو صحیح جبکہ باقیوں کو غلط سمجھتے ہیں۔ باہمی نفرت میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہوتا نظر آرہا ہے۔ ان حالات میں ہم نے یہ عہد کیا ہے کہ فرقوں سے بالاتر ہوکر سچائی کی بنیاد پر غلط اور صحیح کو واضح کیا جائے اس عزم کے ساتھ کہ:

☆ اللہ کے دین کو مسالک اور فرقوں پر ترجیح دی جائے۔

☆ جس مکتب فکر کی جتنی بات درست ہے اسے تسلیم کیا جائے اور غلط سے بچا جائے۔ صحیح بات جہاں سے بھی ملے اسے بلا چون و چراں تسلیم کیا جائے چاہے وہ ہماری اپنی فکر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

☆ باہمی غلط فہمیوں کو دور کر کے مسلمانوں کے مابین اتحاد و یکجہتی پیدا کی جائے۔

☆ شخصیات کا احترام کیا جائے لیکن اللہ اور اسکے رسول ﷺ کو کائنات کے تمام لوگوں پر ترجیح دی جائے۔

رب کریم نے ہماری رہنمائی کے لیے فرمایا:

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران: 103)

ترجمہ: ''تم سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن مجید) کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ (سورۃ الانعام، آیت: 159)

ترجمہ: ''بیشک جنہوں نے دین میں فرقے بنائے اور گروہوں میں بٹ گئے آپ (ﷺ) کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد، پھر وہ انکو بتلائے گا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

﴿آئیں دنیا و آخرت کی کامیابی کیلئے پیغام حق کی کاوش کو دوسروں تک پہنچانے میں تعاون کریں﴾

(ہمارا عزم)

سچائی کی پیروی

ہماری اہم تحاریر

کتاب نمبر	ٹائٹل	کتاب نمبر	ٹائٹل
1	ہدایت: (ہدایت سے کیا مراد ہے اور ہدایت کسے نصیب ہوگی؟)	2	قرآن مجید کی حاکمیت: (احناف اور مالکیہ کے اُصولِ روایت کی روشنی میں عالمگیر غلط فہمی کا ازالہ)
3	امت مسلمہ کا اخلاقی زوال: (زوال کی بنیادی وجوہات اور نجات کا یقینی حل)	4	قرآن مجید سمجھ کر پڑھنا ضروری ہے؟
5	راہ فلاح کی پہلی بڑی گھاٹی: (دنیا پرستی اور نفس وشیطان کے حجابات پر حقائق)	6	رسالت کا حقیقی تصور: (راہِ فلاح کی دوسری گھاٹی: رسالت کے مقابلے میں آبا پرستی پر آگاہی)
7	توحید کا جامع تصور: (راہِ فلاح کی تیسری گھاٹی: شرک کے مقابلے میں توحید پر جامع رہنمائی)	8	عبادت کا معنی مفہوم: (تفہیم عبادت پر ایک اہم کتابچہ)
9	ظلم عظیم پر جامع رہنمائی: (راہِ فلاح کی تیسری گھاٹی: غلاظتِ شرک پر جامع رہنمائی)	10	کائنات سے خالق کائنات تک: (وجود خالق کے حیرت انگیز دلائل)
11	طاقتور ابلیسی دھوکے: (مکار ابلیس کی مزین کردہ انتہائی طاقتور چالوں سے آگاہی)	12	مجموعہ تحاریر: (مختلف اہم موضوعات پر زندگی تبدیل کرنے والی مختصر تحاریر کا مجموعہ)
13	امت اسلامیہ کا اتحاد: (اتحاد و یکجہتی اور فرقہ واریت کی نحوست پر انتہائی اہم تحریر)		

کتابچے (Booklets)

عام لوگوں کیلئے اہم موضوعات پر ضخیم کتابوں کی بجائے کتابچوں کی شکل میں مختصر تحاریر

1	ایمان ایک زندہ حقیقت (انمول تحفہ)	2	زبان سے کلمہ کا اقرار اور نجات کی ضمانت؟
3	مقصدِ حیات	4	انسانیت کی عظیم ترین آفت (خواہشِ نفس)
5	بغیر سمجھے قرآن پڑھنے کی وجوہات؟	6	اوامر ونواہی کی لسٹ
7	تلاشِ رب (اللہ کے قُرب کا یقینی راستہ)	8	تلاشِ خالق (وجودِ خالق کے یقینی دلائل)
9	توحید (لا الٰہ الا اللہ)	10	رسالت (محمد الرسول اللہ)
11	حقوق العباد	12	پریشانیوں سے نجات کا حقیقی حل
13	پردہ: (پردہ کے ضمن میں مرد وعورت کیلئے قرآن وسنت کے احکامات)	14	اسلام کا قانونِ طلاق: (یک مجلسی تین طلاق کے ایک یا تین واقع ہونے پر اہم رہنمائی)

پمفلٹ اور بروشرز

مختلف اہم موضوعات پر زندگی تبدیل کرنے والی مختصر تحاریر: پمفلٹ اور بروشرز وغیرہ۔

استفادہ کیلئے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

﴿آئیں دنیا وآخرت کی کامیابی کیلئے پیغام حق کی کاوش کو دوسروں تک پہنچانے میں تعاون کریں﴾

۞۞۞۞۞

آپکے ہاتھ میں بظاہر تو ایک کتاب ہے، لیکن حقیقت میں یہ ایک کتاب نہیں بلکہ بہت ساری (یعنی ۴۱) کتابوں کا مجموعہ ہے۔ مادہ پرستی کے موجودہ پرفتن دور جس میں انسان کے پاس بھاری بھرکم کتابیں پڑھنے کا وقت نہیں رہا۔ ان حالات میں آپکی آسانی کیلئے، پورے دین پر مشتمل مختلف انتہائی اہم موضوعات پر پوری پوری کتابوں کے ساتھ ساتھ جامع اور ٹھوس دلائل پر مبنی انتہائی مختصر تحاریر مرتب کی گئی ہیں۔ زندگی کے انتہائی اہم موضوعات پر مشتمل تعصب وتنگ نظری اور فرقہ واریت سے پاک یہ مجموعہ تحاریر ان شاء اللہ آپکی زندگی کو حقیقی رخ پر متعین کر کے دنیا وآخرت کی فلاح کا ضامن ثابت ہوگا۔ خود پڑھیں اور دوسروں کی فکر کریں۔

(ہمارا عزم)

سچائی کی پیروی

www.khidmat-islam.com
khidmat777@gmail.com

Designed By: عبدالواسع 0307-4122161